بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست

○

فنِ تاریخ گوئی

۱۳۸۷ھ

فنِ تاریخ گوئی پر اردو میں پہلی جامع تصنیف

○

کیپٹن منظور حسن ایم اے

گلوب پبلشرز، اردو بازار، لاہور

طابع: مکتوب پبلشرز، اُردو بازار، لاہور

مطبع:۔ نقوش پریس، لاہور

تعداد ———————— ایک ہزار

136780

Marfat.com

ایک تعارف

از جناب ارشد میر ایڈووکیٹ، گوجرانوالہ

کیپٹن منظور حسن مدظلہ، گوجرانوالہ کے ذی علم گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد گرامی مولانا عزیز الدین صاحب عزیز نواب بہاولپور کے مصاحبوں میں سے تھے اور اپنے عہد کے جید عالم، ممتاز شاعر، اعلیٰ پایہ کے خوشنویس اور فنِ تاریخ گوئی کے امام تھے۔ منظور حسن تاریخی نام ہے جس سے سال پیدائش ۱۳۱۴ھ نکلتا ہے۔ کپتان صاحب ابھی کم سن ہی تھے کہ والدگرامی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اس عظیم حادثے اور ناقابلِ بیان المیہ کے باوجود ننھّے منظور حسن نے اپنی خاندانی درخشندہ روایات کو سینے سے لگائے رکھا۔ اُس زمانے میں اسلامیہ ہائی اسکول گوجرانوالہ کے ہیڈ ماسٹر مولینا محی الدین احمد ابن بابائے خلافت مولینا عبدالقادر قصوری تھے، جنہوں نے اس ہونہار بروا کی خداداد صلاحیتوں کو بھانپ لیا۔ اور پھر ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ ذہن رسا تھا۔ جلد ہی جوہر کھلنے لگے اور منظور حسن نے تعلیمی اور ادبی میدان میں جولانیٔ طبع دکھا کر اپنی علمیت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ابھی زیرِ جماعت کے طالب علم تھے کہ المنیر جھنگ میں ان کی پہلی معرکہ آرا نظم شائع ہوئی جس پر انہیں علمی و ادبی حلقوں سے دادِ تحسین ملی جس سے طبع رواں کے چشمے اُبلنے لگے۔ حتّیٰ کہ ۱۹۱۵ء میں جب مولانا ظفر علی خاں نے گوجرانوالہ میں ایک سیاسی جلسہ کی صدارت کی تو نوجوان منظور حسن نے ایک دلولہ انگیز نظم پڑھی، جسے مولانا نے بے حد پسند کیا۔ اور پھر یہ نظم روزنامہ زمیندار کے صفحات کی زینت بنی۔ اُس زمانے میں زمیندار میں کسی تخلیق کا شائع ہونا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا چنانچہ اس نظم نے ان کے ادبی کارناموں کو ایسی جلا بخشی کہ اسی دور سے لکھنے لکھانے کی چاٹ کا سلسلہ ہنوز جاری و ساری ہے۔ اردو، فارسی، عربی اور

انگریزی پران کی نظر وسیع بھی ہے اور گہری بھی۔ آپ اپنی اُفتادِ طبع کی مناسبت سے مشرقی روایات کے بہترین نبض شناس ہیں۔ تبحرِ علمی کے علاوہ قوتِ حافظہ بھی بلا کی تھی۔ اساتذہ کے کلام کا وافر حصہ زبانی یاد ہے۔ صاف سُتھرا ادبی ذوق ہی نہیں رکھتے، شعر گوئی کا ملکہ بھی حاصل ہے۔ اور صاحبِ دیوان ہیں۔ اب تک ہزاروں اشعار لکھ کر اپنی کہنہ مشقی اور حسنِ کلام کا عملی ثبوت دے چکے ہیں۔ اُن کی شاعری دل آویز جذبات و احساسات کی آئینہ دار ہے۔ یہی نہیں بلکہ نثری ادب پارے بھی سادگی و پرکاری اور ٹکسالی زبان کا مرقع ہوتے ہیں۔ کئی غزلوں کی غزلیں تصویرِ فراق کا دل آویز مجموعہ ہیں۔ جن میں کہیں کہیں مزاح کی پھلجھڑیاں اور طنز و تعریض کے نشتر بھی ملتے ہیں۔ یوں تو کپتان صاحب نے اُردو اور فارسی ادب کو اپنی ذہانت اور سلیقے سے بہت کچھ دیا ہے۔ لیکن جس میدان میں اُن کی کاوشیں سب سے زیادہ موثر ثابت ہوئیں۔ وہ فنِ تاریخ گوئی ہے۔ اس ادق موضوع اور مشکل و پیچیدہ فن پر آپ نے جس شگفتہ پیرائے سے قلم اُٹھایا ہے اُس پر انہیں جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ دراصل ایک نابغہ ہی تخیل اور جذبے کی مدد سے اسلوب کو رنگین اور شگفتہ بنانے پر قادر ہو سکتا ہے۔ کپتان صاحب بلاشبہ کامیاب شگفتہ نگار ہیں اور اُن کی طرزِ نگارش کی سب سے بڑی خوبی بیان کی رعنائی ہے۔

کپتان صاحب کی شخصیت بظاہر متضاد خوبیوں سے عبارت ہے لیکن اصل میں شخصیت کی اسی بوقلمونی اور رنگا رنگی نے انہیں عظیم، ہمہ گیر اور متنوع بنا دیا ہے۔ کپتان صاحب بیک وقت صاحبِ سیف و قلم ہیں۔ وہ نہ صرف افقِ ادب کے درخشندہ ستارے ہیں بلکہ میدانِ کارزار میں بھی اپنی طبع وقار کے جوہر دکھا کر قلم کی عظمت اور شجاعت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ کرکٹ کے بہترین کھلاڑی کی حیثیت سے سپورٹس مین سپرٹ کے جذبہ سے بھی سرشار ہیں۔ کرکٹ سے والہانہ لگاؤ کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے فرزند اکبر راجہ سلیم اختر ڈپٹی کمشنر لاہور ڈویژن کرکٹ ایسوسی ایشن کے نائب صدر ہیں۔ جو اپنے زمانہ میں ممتاز کھلاڑی کی حیثیت سے نام پیدا کر چکے ہیں۔ کپتان کے پوتے وسیم حسن راجا آج بھی کپتان کے کرکٹ کے کھلاڑیوں میں نمایاں حیثیت

Marfat.com

کے حامل ہیں اور کپتان صاحب خود ڈسٹرکٹ کرکٹ ایسوسی ایشن کے سیکرٹری ہیں۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد اکثر لوگوں کے لیے زندگی کی رعنائیوں میں کوئی کشش باقی نہیں رہتی اور وہ کلیتہً کشمکش حیات سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ لیکن کیپٹن صاحب فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی زندگی کی گوناگوں لطافتوں سے لطف اندوز ہوئے ہیں۔ آپ نہ صرف کئی سالوں تک بحیثیت ایگزیکٹو آفیسر میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ تعینات رہے۔ بلکہ آج تک ڈسٹرکٹ ریڈ کراس سوسائٹی کے اعزازی سیکرٹری کی حیثیت بہ طریق احسن خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ یہی نہیں، اس پیرانہ سالی اور صحت کی ماندگی کے باوجود بھی کام کو عبادت کا درجہ دیتے ہیں۔ اور شہر کے کئی علمی، دینی اور ادبی اداروں کی روح و رواں ہیں۔

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ کپتان صاحب ایک نامور صحافی بھی رہ چکے ہیں۔ آپ نے بڑی کامیابی سے ایک ہفتہ وار دینی جریدہ "العدل" نکالا، جو گوجرانوالہ میں ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۵ء تک بڑی کامیابی سے چلتا رہا جس کی ناقابلِ فراموش خدمات کا برملا اعتراف علمی و دینی حلقوں نے زبانی و تحریری طور پر کیا۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ کے لیے ماہانہ رسالہ معاون بھی کپتان صاحب کی زیرِادارت نکلا۔ جو خالص ادبی رسالہ تھا جس کے مالک اور مدیر چوہدری غلام مصطفےٰ مرحوم بی۔اے ایل۔ایل بی بیرسٹرایٹ لا گوجرانوالہ تھے۔ یہاں پر کپتان صاحب کی تصنیفات کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ان کی نظموں کا مختصر سا مجموعہ "پیامِ غربت" کے نام سے ۱۹۱۸ء میں شائع ہوا۔ جسے حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے پسند فرمایا۔ اور کلام کے بارے میں نہایت ہی حوصلہ افزا خط بھیجا۔ یہ خط مع ایک اور خط علامہؒ کے حال ہی میں اقبال اکیڈیمی کی طرف سے شائع شدہ کتاب انوارِ اقبال میں چھپ چکا ہے۔ اس کے علاوہ کپتان صاحب نے مجرمِ عشق کے نام سے بھی ایک چھوٹا سا ناول شائع کرایا جس میں معاشرے کی ناہمواریوں پر بڑے تیکھے انداز سے طنز کے تیر چلائے گئے تھے۔ ایک رسالہ بہ عنوان سلف و خلف ۱۹۴۵ء جبکہ آپ کلکتہ میں فوجی خدمات پر مامور تھے۔ شائع کرایا جس میں خاندانی شجرہ نسب اور ضلع گوجرانوالہ کے

Marfat.com

راجپوت گھرانوں کا تذکرہ مندرج ہے۔ اس کے علاوہ کپتان صاحب کی تخلیقات بے شمار صفحات میں ملک کے اخبارات و رسائل میں بکھری پڑی ہیں۔ چوہدری افضل حق مرحوم سے اور چراغ حسن حسرت سے بہت زیادہ رابطہ و تعلق ہونے کی وجہ سے "احرار" کے اخبار "آزاد" میں عرصہ تک مزاحیہ کلام لکھتے رہے۔ غیر مطبوعہ کلام اور نثر پارے اس کے علاوہ ہیں۔ قومی نظموں کا ایک مجموعہ اور نعتیہ کلام اور غزلوں کا ایک دیوان زیرِ طبع ہے۔ "زمیندار" "سیاست" اور "العدل" میں ان کی چھپی ہوئی نظموں کا ایک الگ ذخیرہ ہے اور آج کل اُن کا بلند پایہ کلام فوجی مصور ہفتہ وار ہلال کے لیے وقف ہے۔

ایک شفیق باپ، دوست پرور، درد آشنا، بذلہ گو، مرنجاں مرنج، بالغ نظر اور با اصول ہونے کی حیثیت سے بھی کپتان صاحب کو منفرد مقام حاصل ہے۔ اپنی ساری زندگی میں مشاعروں سے دُور بھاگتے رہے اور عام شعراء کی عادت کے خلاف اپنا کلام دوستوں کی محفل میں بھی پیش نہیں کرتے اس لیے کہ وہ اپنے کلام پر فخر نہیں کرتے۔ ایوب خانی دور میں اپنے ایک عزیز مرحوم منظور الٰہی (تمغہ خدمت) ڈپٹی ڈائریکٹر ایوانِ صدر کے بچوں کی حالتِ زار پیش کرنے کے لیے ایک دلچسپ کتابچہ "میرا صدر" کے نام سے شائع کیا اور مصلحتاً اُس کا انتساب راجہ الطاف گوہر کے نام کیا جو کپتان صاحب کے عزیز اور ان کے صاحبزادے کے ہم جماعت بھی تھے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اُن کی سحور کُن شخصیت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ زندہ دل لوگ کس طرح جیا کرتے ہیں۔ ان جیسے لوگ ہی ہر محفل کی جان اور محفل کا سنگار ہوتے ہیں۔ کپتان صاحب کو قریب سے جاننے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ وہ عام طور پر بھرپور قہقہہ مار کر ہنستے ہیں۔ ان کے قہقہوں میں بھی عجب دلآویزی اور بانکپن ہوتا ہے۔

المختصر وہ ایک جامع پُرکشش بلکہ کوہ پیکر شخصیت کے حامل ہیں اور ہر لحاظ سے اس شعر کی مکمل تفسیر کرتے نظر آتے ہیں

سے قرنہا باید کہ تا یک کودکے از لطفِ طبع   عالم گویا شود یا فاضل شیریں سخن

ایسے ہی چند نادرۂ روزگار بزرگوں سے تو میرے شہر کی آبرو ہے۔ اللہ تعالیٰ تادیر انہیں ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔

ارشد میر، ایڈووکیٹ

۴ مارچ ۱۹۷۲ء   گوجرانوالہ

Marfat.com

پیش لفظ

(پروفیسر ڈاکٹر وحید قریشی - ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی لٹ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

فن تاریخ گوئی پر کیپٹن منظور حسن صاحب کی یہ کتاب اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے ایک ایسے علم کو محفوظ کرنے کی سعی کی ہے، جس کے قدردان اب خال خال ملتے ہیں حساب الجمّل حروف کے بامعنی مرکبات کی عددی قیمتوں کو محفوظ کرنے کا طریق کار ہے۔ اس کا سرا ازمنہ قدیم کے مذہبی و نیم مذہبی اعتقادات میں پیوست ہے۔ بعض اعداد بابرکات یا مقدس اور بعض منحوس اور غیر پاکیزہ تصور کیے جاتے رہے۔ مختلف اقوام و ملل میں اعداد کی جفت یا مفرد حیثیتوں کو خیر و برکت یا نحوست و ادبار سے مختص کیا جاتا تھا۔ نو اور سات کے اعداد نے بعض ادیان و اقوام میں بڑی اہمیت حاصل کی۔ قسمت کا حال، افعال انسانی کے نتائج کے بارے میں پیش گوئی مستقبل کی بشارت یہ سب اعداد کے طلسمی اثرات کا بالواسطہ یا بلاواسطہ اقرار تھا۔ اسی احساس کے بطن سے علم جفر اور علم نجوم نے جنم لیا۔ گویا اعداد کا عمل دخل انسانی زندگی کے مظاہر میں قرن ہا قرن سے جاگزیں ہے۔

تحفظ حیات کا جذبہ جہاں مذہبی اور نیم مذہبی واردات کے حصول کا سرچشمہ رہا ہے۔ وہاں دنیاداری کی سطح پر زندگی کے نقوش محفوظ و مصون رکھنے میں انسانی مساعی کو فنِ تاریخ کتبہ نگاری، فن تاریخ گوئی اور ایسے ہی دوسرے علوم نے اہم خدمت انجام دی ہے۔ فنِ تاریخ گوئی بقا کا ایک موثر ذریعہ ہے، جس کی مدد سے گذشتہ واقعات کی یاد محفوظ رکھی جاتی ہے۔ اعداد اپنی طلسمی فضا سے نکل کر انسانی زندگی کے مادی پہلوؤں کے تحفظ کا وسیلہ بن جاتے ہیں مسلمانوں کے ہاں ملت کے دوام کا موثر وسیلہ تاریخ کا فن رہا ہے۔ اس لحاظ سے علم التاریخ

Marfat.com

نے ہمیشہ ملی تشخص اور ملی عزائم کی آب یاری کا فریضہ ادا کیا ہے۔ ماضی حال سے حال مستقبل کے ساتھ پیوست ہے۔ اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کی ترقی کا راز ماضی کے ادراک ماضی کے شعور کے بغیر ممکن نہیں اس لیے فن تاریخ کے مختلف شعبے مسلمانانِ عالم کی خصوصی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔ حساب الجمل بھی تاریخ کا ایک اہم پہلو تھا جسے مسلمان مؤرخین اور شعراء نے جامع فن کی حیثیت سے اختیار کیا۔ اور اس سے عمارات کے تعین، تعمیر کی دریافت، اہم واقعات کے مادہ ہائے تاریخ، افراد کی پیدائش و وفات کے مواقع اور کتب و رسائل کے سال ہائے تصانیف کا حتمی بیان ممکن ہوا۔ عربوں نے اس فن لطیف کی زیادہ قدر افزائی نہیں کی۔ لیکن ایران اور دوسرے مسلم ممالک میں اس نے ترقی کی بہت سی منازل طے کی ہیں۔

حروف ابجد کی عددی قیمتوں کے دو بڑے نظام رائج رہے۔ ایران و ہند اور گرد و پیش کے علاقوں میں حروف ابجد کی قیمتوں کا سلسلہ ایک سے دس، دس سے سو اور سو سے ہزار تک مقبول ہے لیکن بلاد الغرب (المغرب) میں ص = ۶۰ ض = ۹۰ س = ۳۰۰ ظ = ۸۰۰ غ = ۹۰۰ ش = ۱۰۰۰ ب = ۲ ت = ۴۰۰ ج = ۳ د = ۴ ر = ۲۰۰ ز = ۷ ک = ۲۰ کے حساب سے حروف کی قیمتیں متعین ہوئیں۔ ان دونوں نظاموں میں اول الذکر طریق کار زیادہ مقبول تھا مسلمانوں کا بیشتر سرمایہ اسی انداز تاریخ گوئی کا مرہونِ منت ہے۔

ایران میں ادب فارسی کے آغاز سے اس نوع کی تاریخ گوئی کے نمونے ملنے لگتے ہیں چھٹی صدی ہجری کے بعد سے تاریخ گوئی کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا، تاآنکہ ایل خانی دور اور تیموری ادوار میں اس کی اہمیت فنِ تعمیر کے توسط سے شعراء کی نظر میں بڑھ گئی۔

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت نظامی علیہ الرحمۃ کے زمانے سے پیشتر شعراء کے کلام میں تاریخوں کا پتہ کہیں نہیں چلتا۔ زیادہ فروغ اس کو حضرت جامی کے زمانہ میں ہوا ہے۔ ان کے بعد بہت سے شعراء کے کلام میں قواعد منضبط کیے۔ جس کے بعد پھر ان میں کوئی ترمیم و تغیر و تبدل نہیں ہوا۔
(تاریخ خزانہ فیروز الدین ص ۶)

فنِ تعمیر کے ذوق فراواں نے تاریخ گوئی کے فن کو شہرت دی۔ اس طرح دسویں صدی ہجری تک مشرقی ممالک میں اس علم کا خاصہ چرچا ہو گیا۔

بلاد المغرب میں فن لطیف کی مقبولیت کا زمانہ گیارھویں صدی ہجری سے جاننا چاہیے۔

"مراکش میں گیارھویں صدی ہجری / سترھویں صدی عیسوی میں خانوادہ بنو سعد کے عہدِ حکومت کے دوران میں کہیں جا کر نہ صرف تاریخی یادگاروں کے کتبات میں بلکہ وثیات میں تاریخی مادوں کا استعمال عام ہوا۔ مراکش کے مورخوں اور سوانح نگاروں نے تاریخی مادوں والی منظوم وجیات کو وسیع پیمانے پر استعمال کیا۔" (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد ہشتم ص ۱۷۶)

برصغیر پاک و ہند میں اس فن کا نقطۂ عروج دورِ ہمایوں سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل کتبوں میں اس کا رواج ضرور تھا۔ لیکن ہمایوں کے زمانے میں تاریخ گوئی، لغز و معما اور چیستان کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی تو اس فن کو بھی مقبولیت کے پر لگ گئے۔ آلِ تیموری کے ہاں اس کا ذخیرہ وافر پایا جاتا ہے۔ اکبر، جہانگیر، شاہجہان، اورنگ زیب کے زمانے میں اس صنف کو بہت ترقی ہوئی۔ اور عمارتوں کے کتبے نیز تاریخی کتب میں واقعات کے بارے میں قطعاتِ تاریخ بکثرت رقم ہوئے۔

تاریخ گوئی کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں صوری تاریخ گوئی کا رواج زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ ابلِ خاقانی دور کے بعد حسابِ جُمّل میں کئی طرح کی باریکیاں بھی پیدا ہوئیں اور گوناگوں اضافے بھی ہوئے۔ (۱) صوری کے علاوہ (۲) معنوی اور پھر (۳) صوری و معنوی تاریخوں کے سلسلے چل نکلے۔ ذوق ریاضی نے اعداد کے کئی جوڑے تخلیق کیے۔ اور کئی قسم کی موشگافیاں اس فن سے خاص ہو گئیں۔

معنوی اور صوری و معنوی کی مختلف حالتیں مثلاً سالم الاعداد (مطلق تاریخ) ناقص الاعداد (تعمیہ) زائد الاعداد (تخرجہ) بیان ہونے لگیں۔ ان مختلف النوع کمالات کے علاوہ صنعت توشیح، زبر، بیّنات، اور زبر و بیّنات وغیرہ کے قاعدوں میں آ کر یہ فن کئی منزلیں طے کر گیا اور اس فن کے اصول و قواعد مختلف النوع ضابطوں کے پابند ہو گئے۔

فنِ تاریخ گوئی ایک مشکل اور پیچیدہ نظام ہے۔ اس پر فارسی میں کتب کا بڑا ذخیرہ موجود

Marfat.com

ہے۔ اُردو کا دامن بظاہر اس سے خالی ہے۔ تاہم برصغیر پاک وہند میں تیرھویں صدی میں بعض کتابیں تحریر میں آئیں۔ جن میں ایک آدھ اُردو میں ہے۔ اس فن کی کتابوں کی تدوین کا سبب شاید یہ ہے کہ برصغیر کی معاشرت میں زندگی کی جگہ آرٹ نے لے لی تھی۔ الفاظ کو مواد پر فوقیت حاصل ہو گئی تھی۔ شعراء جذبات کی جگہ زبان اور احساسات کی جگہ لغت مرتب کرنے لگے تھے۔ مظہر العجائب (مناسبات شعری) سراپا سخن (تذکرے) اس رجحان کو ظاہر کرتے ہیں۔ لغت کی کتابیں اس پر مستزاد ہیں۔ ایسے میں تاریخ گوئی کے فن کو منضبط کر کے اُسے ریاضی کی شاخ بنا دینے کا خیال شدت اختیار کر گیا۔ چنانچہ جلال و تسلیم کے ہاں یہی رجحان غالب ہے۔ اس دور کی کتب کی ایک مختصر سی جھلک بے موقع نہ ہوگی۔

(۱) مفتاح التواریخ طامس بیل ۱۲۶۴ھ
(۲) گنج تاریخ۔ مفتی غلام سرور لاہوری ۱۲۸۴ھ
(۳) مقیاس الاشعار۔ محمد جعفر اوج ۱۲۹۲ھ
(۴) افادۂ تاریخ۔ جلال لکھنوی
(۵) ملخص تسلیم، تسلیم سہسوانی ۱۳۰۳/۱۳۰۴ھ
(۶) عددِ التاریخ۔ تسلیم سہسوانی ۱۳۲۰ھ تاریخ اشاعت
(۷) گلبن تاریخ۔ الم ۱۳۱۳ھ

ان کی درجہ بندی کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اوّل ایسی کتب کی کثرت ہے جن میں منظوم تاریخیں یکجا کی گئی ہیں (مفتاح التواریخ، گنج التواریخ)، دوم وہ کتب ہیں جن میں مادہ ہائے تاریخ کو لغت کے انداز میں یکجا کیا گیا ہے (عدد التاریخ) سوم فن تاریخ گوئی کو مرتب کیا گیا ہے (ملخص تسلیم، گلبن تاریخ) ان میں اوّل اور ثالث کی اہمیت دوم کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا بے موقع نہیں کہ علم کی فنی باریکیوں کو محفوظ کرنے کی کوشش اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ ان کتب میں فن تاریخ گوئی کے بارے میں اجتہادِ فکر کا سراغ نہیں ملتا۔ قدیم سے رائج قوانین ہی کو مرتب کر دیا گیا ہے لکھنے والوں کی جدت طرازی کسی نئی جہت یا فکر و فن کی نئی راہ کی خبر نہیں دیتی۔ ملخص تسلیم کو دوسری کتب پر فوقیت ہے کہ اس سے فن کو جاری رہنے میں مدد ملی۔ ورنہ اس دور کا غالب رجحان تو فقط لغت کے انداز پر قدیم تاریخی نمونوں کو پیش کرنے پر منحصر ہے۔ بیل اور مفتی غلام سرور کے علاوہ خود تسلیم نے عدد تاریخ

میں اس طرز کی نمائندگی کی ہے۔ علم تاریخ گوئی پر ملخص اور گلبن کو جو مقبولیت حاصل ہوئی اس کا حلقہ محدود ہے۔ کیونکہ یہ شہرت صرف خواص کے حلقے میں محدود تھی۔ عوام اس فن سے نابلد تھے۔ مدت تک ملخص تسلیم اس فن کا عمدہ نمونہ مانی گئی۔ افغانستان میں البتہ گلبن تاریخ کو حلقہ خواص میں شہرت نصیب ہوئی۔ محمد ابراہیم خلیل الاحمد الجامی نے گلبن تاریخ کو "استخراج تاریخ در نظم" کے عنوان سے ۱۳۲۷ھ ش میں ترجمہ کر کے انجمن تاریخ کے سلسلہ اشاعت میں چھاپ دیا۔ خلیل نے کہیں کہیں اپنی طرف سے بعض مثالوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ لیکن جیسا کہ دیباچے میں اس نے اعتراف کیا ہے۔ بنیادی مطالب گلبن تاریخ میں سے لیے گئے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ملخص فارسی میں ہے اور اس کی شہرت پاک و ہند میں رہی اور گلبن اُردو میں تحریر ہونے کے باوجود افغان ادباء کی قدردانی کا سرمایہ خاص ہو گئی۔ تدوین کی یہ مساعی فقط ایک ختم ہوتے ہوئے فن کو زندہ رکھنے کی آخری کوششیں تھیں۔ کیونکہ اس کے بعد سے فن تاریخ گوئی پر کسی قابلِ ذکر کتاب کا حوالہ نہیں ملتا۔ یہ تسلیم کرنا غلط نہ ہوگا کہ تسلیم سہسوانی کے بعد تاریخ گوئی کی مقبولیت ماند پڑنے لگی۔ کسی ادیب کو اگر کبھی اس کی ضرورت پڑی تو اس کا سبب کسی واقعہ کو منضبط کرنا یا اس فن کے حصول کا جذبہ نہ تھا۔ بلکہ تاریخی ناموں کے کسی قدر رواج نے لوگوں کو ادھر متوجہ رکھا۔ فن سے واقفیت کم سے کم ہوتی چلی گئی۔ اور لوگوں کو تاریخی ناموں کی تلاش کے لیے بنے بنائے مواد کی جستجو ہوئی۔ اس دور میں صرف دو کتابیں دستیاب ہیں ان میں فن کی تفصیلات اور احوال و ضوابط کا بیان موضوع خاص ہی نہیں بلکہ انہیں ایک لحاظ سے تاریخی ناموں کا چارٹ قرار دینا چاہیے۔ عدد التاریخ کے نمونے پر ادباء نے اعدادِ ملفوظی کو یکجا کر کے قارئین کے لئے آسانی فراہم کی اور دو کتابیں شائع ہوئیں۔

(۱) تاریخی خزانہ یعنی چودھویں صدی کے تاریخی نام:

اس میں تین ہزار لڑکوں اور لڑکیوں کے تاریخی نام بحساب ابجد ۱۳۲۶ھ سے لے کر ۱۴۰۰ ہجری تک علیحدہ علیحدہ سال بسال درج ہیں۔ مصنف حافظ فیروز الدین گگے زئی مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۱۹۰۸ء

(۲) معین الادب معروف بہ معین الشعراء

Marfat.com

یہ اردو زبان کے مروجہ الفاظ کا لغت ہے جس میں الفاظ کے معنی کے علاوہ ہر لفظ کے اعداد ملفوظی بقید امثال از کلام شعراء درج ہیں۔

مصنف غلام حسین آفاق بنارسی شاگرد۔

امیر مینائی ناشر صدیق بک ڈپو ۱۳۵۲ھ بیسویں صدی کے اوائل سے خواص کی توجہ بھی تاریخ گوئی سے لپٹ گئی جو ریاضت اور لگن اس کے لیے درکار تھی۔ عام زندگی کی بڑھتی ہوئی مصروفیت نیز مادی فوائد کی تلاش و جستجو نے لوگوں کو دوسرے راستوں پر لگا دیا اور اس لطیف فن کے جاننے والے بھی خال خال رہ گئے۔ ایسے میں کیپٹن منظور حسن صاحب کی مساعی سے اردو ادب کے سرمایے میں ایک ایسی کتاب کا اضافہ ہوا ہے جس پر انہیں جتنی داد بھی دی جائے کم ہے۔

زیر نظر کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصے میں فن کے دیگر علوم سے مصنوعی روابط نیز حروف تہجی کے تغیرات سے بحث ہے۔ دوسرے میں فن کی اقسام بیان ہوئی ہیں تیسرے حصے میں تاریخ گوئی کے سلسلے کے بعض ضروری مباحث پیش ہوئے ہیں۔ الف ممدودہ، تائے مثناۃ فوقانی، کاف بیانیہ، یائے تحتانی وغیرہ کی اعداد شماری میں ماہرین فن میں اختلاف رہا ہے۔ کیپٹن صاحب نے اپنی کتاب میں مختلف الخیال اشخاص کے مسلک بیان کر دینے پر اکتفا نہیں کی، بلکہ ان نازک مباحث پر کھل کر اظہار خیال بھی کیا ہے اور اپنے مسلک کے جواز میں دلائل و براہین بھی دیئے ہیں۔ اس طرح ان کی کتاب مطالب علمی کے لحاظ سے خاصے کی چیز ہو گئی ہے۔

میری رائے میں کیپٹن صاحب نے تاریخ گوئی کے فن پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اس کے فنی خصائص کو جو صرف خواص تک محدود ہو کر رہ گئے تھے، ایسے انداز میں بیان کیا ہے کہ یہ ادق موضوع عام قاری کے لیے بھی دلچسپ اور جاذب توجہ ہو گیا ہے۔ علمی مطالب کو بیان کرنے کا جو سلیقہ خاص انہیں حاصل ہے اس کے طفیل وہ فن تاریخ گوئی کے باریک مسائل کو بھی بڑی عمدگی سے بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ ان کے اسلوب کی خوبی یہ ہے کہ ژرف نگاہی اور دقت نظر کے باوجود انداز بیان کہیں بھی پیچیدہ اور گنجلک نہیں ہونے پایا۔ طرز بیان کی دلفریبی نے موضوع کو پانی کر دیا

Marfat.com

ہے۔ میری دانست میں یہ کتاب فن کے ماہرین ہی کے لیے نہیں بلکہ مبتدیوں کے لیے بھی یکساں طور پر مفید اور کارآمد ہے۔

کیپٹن صاحب ایک ایسے خانوادے کے چشم و چراغ ہیں جس نے ابتدائی برطانوی دور میں علم و ادب کی آبیاری کی اور فنونِ لطیفہ کی اس شاخ کو اپنی خصوصی توجہ کا مستحق جانا۔ ان کے والد بزرگوار مولانا عزیز الدین اس فن کے شیدائی ہی نہیں۔ خود ماہر اور منتہی تھے۔ ان کے کارناموں کی مختصر سی جھلک اس کتاب میں درج ہے۔ کیپٹن صاحب اگرچہ اس بطلِ جلیل سے تربیت حاصل نہ کر سکے کیونکہ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے لیکن اس علمی روایت کے وہ تنہا وارث ہیں۔ یہ کتاب لکھ کر انہوں نے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم کو دوام ہی نہیں بخشا، بلکہ نئی نسل پر بھی احسانِ عظیم کیا ہے۔

ہمارے معاشرے میں مادّی زندگی کو کچھ ایسی اہمیت حاصل ہو گئی ہے کہ علوم و فنون کے قدیم سرمائے کی طرف سے لوگ غافل ہوتے جا رہے ہیں۔ نئے علوم کا حصول یقیناً مستحسن ہے۔ کوئی قوم اپنے ماضی کے علمی و ادبی سرمایہ سے یک سر رُو گردانی کر کے ملّی تشخص کی متاعِ گراں ارض کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

جدیدیت کی بنیادیں اُسی وقت استوار ہو سکتی ہیں جب ان کا رشتہ قدیم سے قائم رہے۔ اگر ہم نے اپنے قدیم ادبی سرمایے کو فراموش کر دیا تو آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی۔ کیپٹن صاحب نے بھولے بسرے ادبی سرمایے کی ایک شاخ کو زندہ کر کے بڑا کام کیا ہے۔ علمِ تاریخ گوئی، لغز و معما، معانی و بیان و بدیع، عروض و قوافی کی تدوینِ جدید نہایت ضروری ہے۔ کیپٹن صاحب نے تاریخ گوئی سے اس اہم فریضے کا آغاز کیا ہے۔ خدا کرے اب ادب کی دوسری متذکرہ شاخوں کی نوبت بھی آئے اور ہماری موجودہ نسل اپنے ماضی کے ان علمی خزائن سے آشنا ہو کر قومی و ملّی عزائم کو مثبت بنیادوں پر استوار کرنے کے قابل ہو سکے۔

یکم مارچ ۱۹۷۲ء
۲۶۹ سمن آباد لاہور

(ڈاکٹر) وحید قریشی
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ڈی لٹ

Marfat.com

انتساب

میرے محب گرامی اور بہی خواہ چوہدری عبدالحمید خاں پی۔سی۔ایس ریٹائرڈ ڈپٹی رجسٹرار محکمہ امداد باہمی پنجاب اگر آج زندہ ہوتے تو میں اپنا یہ مقالہ اُن کی خدمت میں دلی مسّرت اور فخر سے پیش کرتا کیونکہ انہیں فنِ تاریخ گوئی سے خاص دلچسپی تھی اور وہ اس فن کے ناقد اور قدردان تھے۔ قائدِ اعظمؒ کے سوانح حیات پر مشتمل ایک دلپذیر سی کتاب انہوں نے بطلِ مغفور کے تاریخی نام سے مرتب فرما کر اس کارِ خیر میں اولیّت کا سہرا حاصل کیا تھا۔ کیونکہ واقعی آج تک اس بطلِ زعیم اور رہنمائے عظیم کے مفصل حالاتِ زندگی مرتب کرنے کی کسی کو سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ اس دل آویز مجموعہ خراج عقیدت میں مرحوم نے قائدِ اعظمؒ مغفور کی وفات پر جو مادہ ہائے تاریخ اخبارات میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آئے تھے ان پر تنقید و تبصرہ کے لیے مرحوم مصنّف نے راقم الحروف کو منتخب کر کے میری عزت افزائی کی تھی۔ اس بزرگ شخصیت کا آج ہم میں موجود نہ ہونے کا تکلیف دہ احساس جو مجھے ہے وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔ میری اس ادبی کاوش کو اگر مرحوم ملاحظہ فرماتے تو یقیناً مجھے شاباش دیتے۔

میں اس جنّت آشیانی کے احترام و عقیدت میں اپنی یہ نذرِ محقر ان کے قابلِ قدر فرزندانِ رشید عزیزانِ محترم چوہدری محمد سعید خاں (تمغۂ پاکستان) صدر ایوانِ صنعت و تجارت لاہور اور ڈاکٹر محمد اختر خاں (ستارۂ خدمت) ایم۔آر۔سی۔پی (لندن)، پروفیسر میڈیکل کالج لاہور کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں کہ یہ دونوں عزیزانِ گرامی قدر اپنے اپنے فن تجارت و طبابت کے باوجود علم و ادب سے خاص شغف اور دلچسپی رکھتے ہیں۔

هر آبروئے که اندوختم ز دانش و دیں
نثارِ خاکِ رہ آں نگار خواہم کرد

مخلص منظور حسن۔ ایم۔ اے
کیپٹن (ریٹائرڈ)
عزیز منزل گوجرانوالہ

یکم مارچ ۱۹۷۲ء

تقریظ

مطبع نول کشور اس روش کا داعی سمجھا جاتا ہے کہ اس مطبع علمی سے جو کتاب بھی شائع ہوتی تھی اس کے آخر میں التزاماً صاحبِ تصنیف کی نسبت یا کتاب کے سنِ اشاعت پر شعرائے کرام کے تقریظی قطعات تاریخ شامل کیے جاتے تھے اور یہ تتمہ بجائے خود کافی معنی پرور اور دلچسپ ہوتا تھا۔ آج کل وہ رواج متروک ہو چکا ہے اور کتاب کی اشاعت کے بعد ہی کتاب کو صحافیوں کا تختۂ مشق بننے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے یا پھر خود ناشر صاحبان کتاب کی تشہیر کے لئے علمی حلقوں میں چائے کی دعوت کرکے کتاب کو پیش کیے دیتے ہیں۔

اب اس کتاب کی اس قسم کی تشہیر کے لیے طباعت سے پہلے تو وقت نہیں۔ اتفاق سے محترم دوست جناب اکرام قمر ایم اے ایڈیٹر فوجی رسالہ ہفت روزہ ہلال راولپنڈی ۱۹ نومبر ۱۹۷۱ء کے ایک مضمون چند جملے مصنّف کے حق میں مل گئے ہیں جو بطور تقریظ یہاں نقل کر دیے گئے ہیں۔ باقی قدیم علم وادب کے اقدار کے خلاف بغاوت اور مبارزت کا حق بقولِ فرمانِ ماوزے تنگ نئی نسل کے لیے محفوظ اور قائم ہی ہے۔

"ہلال" کے بزرگ کرم فرما جناب کیپٹن منظور حسن کو خود فن تاریخ گوئی میں ایک منفرد مقام حاصل ہے انہوں نے محض کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے اپنی مثالیں پیش نہیں کیں۔ مجھے اُن کے تین مادہ ہائے تاریخ اس وقت یاد آرہے ہیں جو موضوع کی مناسبت سے درج کر رہا ہوں۔ میری والدہ معظمہ کی وفات پر انہوں نے "کیم بی بی عفیفہ آواز چار جانب سے مجھ کو آئی" (۳۴۷ × ۴ = ۱۳۸۸ ہجری) سے سال وفات نکالا۔ میرا ایک بھانجا جاوید اقبال ۱۹۶۴ء میں ڈھاکے میں ایک جھیل میں ڈوب جانے سے وفات پا گیا۔ اس پر انہوں نے کہا ۔

غرق دریا ہوئے پردیس میں جاوید اقبال ان کی تاریخ ہوئی آہ "غریق رحمت" ۱۹۶۴ء

میرے چچا زاد بھائی ڈاکٹر ظفر الاسلام کی وفات پر لوحِ مزار کے لئے "خاکِ ظفر الاسلام" یا "کارخ ظفر الاسلام" "سالِ وفات" (۱۹۶۴ء) اخذ کیا ۔۔۔ اکرام قمر۔

مزید تعارف از پبلشر

جناب میرا رشد نے جو پھول بکھیرے ہیں اُن کے بعد میرا کچھ لکھنا ایک خشک اضافہ ہوگا لیکن ہیں بھی چونکہ اس ثواب میں شامل ہونا چاہتا تھا اس لیے چند باتیں مجھ سے بھی سن لیجیے۔ صاحبِ تصنیف سے متعلق جتنے مزید حالات کا علم ہو جائے وہ اچھا ہی ہوتا ہے جنابِ منظور نے اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۲۹ء میں ایم۔اے (فارسی) کیا تھا۔ اس وقت فارسی کی تعلیم دینے والوں میں پرنسپل محمد شفیع، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی (قصوری) مولانا حافظ محمود شیرانی جیسے فاضل ترین اساتذہ تھے اور علامہ اقبال ممتحین میں سے تھے ظاہر ہے ایسے بلند پایہ استادوں سے تعلیم پانے والے شاگرد بھی کس درجہ کے خوش بخت ہونگے۔ اس امتحان کی کامیابی کے سلسلہ میں ایک لطیفہ سن لیجیے۔ خود کیپٹن صاحب بیان کرتے ہیں کہ گزٹ میں صرف تین پاس ہونے والوں کا یہ نتیجہ تھا:۔

محمد عبداللہ ۲۹۹ —— عندلیب شادانی ۲۹۷ —— منظور حسن ۲۹۵

محمد عبداللہ صاحب غالباً ہمارے پرنسپل ڈاکٹر سید محمد عبداللہ تھے یا شاید کوئی اور بزرگ ہوں، جن کے حالات و کوائف کا مجھے علم نہیں۔ ڈاکٹر عندلیب[1] شادانی جو ڈھاکہ یونیورسٹی میں صدر الصدور مسند فارسی ہوئے اور منظور حسن نرا منظور حسن ہی رہا۔

منظور صاحب کو ۱۹۳۵ء میں فوج میں براہِ راست شاہی کمیشن مل گیا تھا اس وقت بہت کم معززین کو شاہی کمیشن حاصل ہوتا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری عالم گیر جنگ چھڑ گئی اور انھیں فوجی خدمت کے لیے فوری بلاوا آگیا۔ ستمبر ۱۹۳۹ء سے جنوری ۱۹۴۶ء تک فوجی خدمت میں بطور کپتان سات دریاؤں کا پانی پیتے پھرتے رہے۔ زیادہ عرصہ کلکتہ اور کولمبو میں بطور کمان افسر متعین رہے۔ فوجی خدمت سے قبل گورنمنٹ کی اجازت سے ایک ہفتہ وار دینی جریدۃ العدل بھی نکالا جو ۱۹۲۶ء تک نہایت آب و تاب سے جاری رہا۔ اس اخبار کی سرپرستی

---

[1] افسوس کہ ڈاکٹر شادانی کا حال ہی میں انتقال ہو چکا ہے۔

Marfat.com

حکیم الامت مولانا تھانویؒ کرتے رہے۔ کچھ عرصہ کے لئے رسالہ ماہانہ معاون بھی نکالا۔ یہ سارا رسالہ ادب و لطفِ سخن کے لئے وقف کیا گیا تھا۔

اپریل ۱۹۵۲ء میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوئے اور دراصل یہ عرصہ ہے جب وہ دل لگا کر شعر و شاعری میں مشغول ہو سکتے تھے۔ لیکن ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۰ء تک گوجرانوالہ کی میونسپل کمیٹی میں ایگزیکٹو آفیسر متعین ہو گئے اور یہاں سے شہری سیاست میں داخل ہو کر انکی زندگی ایک نئے موڑ پر چلنے لگی گزشتہ ۱۱ سال سے ضلعی ریڈ کراس سوسائٹی کے آنریری سکریٹری ہیں امپروومنٹ ٹرسٹ کے ٹرسٹی اور سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔ طالب علمی کے زمانہ سے کرکٹ سے شغف ہے آج کل ڈسٹرکٹ کرکٹ ایسوسی ایشن کے سکریٹری ہیں اس کے علاوہ مذہبی سرگرمی کی ایک یہ مثال ہے کہ مدرسہ عربیہ رجسٹرڈ کے بانی مبانی ہیں جسے پاکستان کے مشہور عالم دین مولانا محمد چراغ صاحب چلا رہے ہیں۔ گوجرانوالہ کی سب سے قدیمی انجمن اسلامیہ کے فنانشل سکریٹری ہیں اس انجمن کے زیرِ اہتمام ایک ڈگری کالج اور دو ہائی اسکول چل رہے ہیں، اسلامیہ کالج کے ٹرسٹی بھی ہیں۔

اولاد و احفاد شان دار باپ کے شان دار فرزند دو ہی ہیں :۔

☆ــ(۱) راجہ سلیم اختر (تمغۂ خدمت) ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ پی۔ سی۔ ایس ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر جنرل لاہور۔ عربی کے فاضل ادیب اور لاہور انتظامیہ کے نہایت مقبول اور ہر دل عزیز افسر ہیں۔ باپ کی طرح نہیں بلکہ انچہ پدر نتواند کرد پسر تمام کند کرکٹ کے بہترین کھلاڑی ہیں والد اگر گوجرانوالہ کی ضلعی کرکٹ ایسوسی ایشن کے سکریٹری ہیں تو فرزند اکبر لاہور ڈویژن کی کرکٹ ایسوسی ایشن کے سکریٹری ہیں، سلیم صاحب کے فرزند وسیم حسن ان سے بھی اچھے کرکٹ کے کھلاڑی ہیں!

(۲) راجہ سعید اختر بی۔ ایس۔ سی انجینئرنگ پی۔ ایس۔ ای I لاہور میں محکمہ برقیات کے سپرنٹنڈنگ انجینئر سیکنڈ سرکل ہیں اور واپڈا کے نہایت قابل ترین دیانت دار انجینئروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

Marfat.com

(۳) مسٹر احمد بشیر چیف ایڈیٹر اے۔ پی۔ پی لاہور کیپٹن صاحب کے بھتیجے ہیں لائق اور ہر دلعزیز ایڈیٹروں میں اِن کا نام سرِ فہرست ہے، مہمان نواز بذلہ سنج اور حاضر جواب بالکل اپنے چچا کی طرح

(۴) میجر چوہدری محمد اکرم پنجاب رجمنٹ، ماموں زاد بھائی ہیں جو آج کل کھاریاں میں تعینات ہیں،

اس خالص ذاتی تعارف کے بعد کتاب کی نسبت کچھ لکھنا میری قابلیت سے بالاتر ہے اہلِ علم ہی اس کے مطالعہ کے بعد صحیح رائے قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ اُردو ادب میں یہ پہلی جامع کتاب ہے جو آج تک فن تاریخ گوئی پر لکھی جا چکی ہے اور اسے بجا طور پر سرمایۂ اُردو کہا جا سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ارباب علم اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کر کے اِسے اُردو اور فارسی کے طالبانِ علم کے مطالعہ کے لئے بہترین اور مفید کتاب قرار دیں گے ؛

۱۳۰۔ نیو سمن آباد لاہور

★۔ قیوّم نظامی۔ ایم۔ اے

Marfat.com

تمہید (از مصنّف)

○

مشہور روزنامہ "امروز" کی قسمتِ علمی و ادبی میں ۲۴، ۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء کی اشاعتوں میں کسری منہاس صاحب کا ایک دلچسپ اور مفید مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا جسے منہاس صاحب نے حضرت جلال لکھنوی کے مشہور رسالہ "افادہ تاریخ" کی روشنی میں لکھا تھا مجھے تو یقین ہو چکا تھا کہ فن تاریخ گوئی سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم اس زمانے میں کبریتِ احمر کا حکم رکھتے ہیں۔ خود منہاس صاحب نے آج سے بارہ سال پہلے ہفت روزہ قندیل لاہور کی ۹ نومبر ۴۸ء کی اشاعت میں قائداعظم کی وفات کے مادہ ہائے تاریخ کی نسبت قواعد زبان کی غور طلب اغلاط بیان کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ "فنِ تاریخ گوئی ایک مشکل ترین فن ہے۔ ہندوستان اور پاکستان میں بہت کم ایسے بزرگ باقی رہ گئے ہیں جو اس فن کے قواعد سے واقف ہوں" لیکن "امروز" میں اس موضوع پر منہاس صاحب کا مضمون جب دو قسطوں میں یوسف سدیدی صاحب کے قابلِ داد خوشخط قلم سے چھپا تو مجھے حوصلہ ہوا کہ اس مضمون کے پڑھنے والے اور سمجھنے والے ابھی کچھ لوگ باقی ہیں، مضمون زیرِ نظر میں کسری منہاس صاحب نے جلال لکھنوی مرحوم کے رسالہ "افادہ تاریخ" اور تسلیم سہسوانی کی مفصّل تصنیف "ملخص تسلیم" کو سامنے رکھ کر علمی تنقید کا حق ادا کر دیا، کسری منہاس صاحب کے پہلے مضمون سے جو قندیل میں شائع ہوا تھا۔ میں نے بھی متاثر ہو کر قندیل میں "مسالکِ تواریخ" کے عنوان سے ایک مفصّل مضمون لکھنا شروع کیا، ۱۹۴۹ء میں سن ہجری ۱۳۶۸ء تھا اور "مسالکِ تواریخ" سے بھی ۱۳۶۸ اعداد نکلتے تھے۔ اس مضمون کے دیباچے کی پہلی چند سطریں ملاحظہ فرمالیجئے۔

"قندیل میں تاریخ گوئی کے اصول و قواعد کے استفسار اور جواب سے متعلق ہاشمی صاحب

---

[1] یہ بزرگ لاہور کے اسلامیہ کالج میں ملازم ہیں اور فنِ تاریخ گوئی کے مشہور تنقید نگار ہیں۔

اور کسریٰ منہاس صاحب کے مضمون شائع ہوئے۔ لیکن ان دونوں مضمونوں میں بہت ہی اختصار سے کام لیا گیا جس کی وجہ سے مسئلہ تشنۂ تحقیق رہ گیا، راقم الحروف نے فنِ تاریخ گوئی کے قیود اور حدود اور اس کے قواعد سے متعلق مفصل مضمون لکھنے کی کوشش کی تاکہ اس مضمون پر ایسا مواد مستقل طور پر زبانِ اردو میں جمع ہو جائے۔ جو فن سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے مطالعہ کا باعث بن سکے۔ قندیل والوں نے میرے مضمون کی صرف چار اقساط ہی شائع کیں، اور باقی مسودہ مجھے ایک عزیز کی مہربانی اور کوشش سے واپس مل گیا، معلوم یہ ہوا کہ اس مضمون سے دلچسپی رکھنے والے لوگ قندیل کے ناظرین میں بہت کم ہیں، اس لیے اس مضمون کی اشاعت ملتوی کر دی گئی ہے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ عرق ریزی سے لکھے ہوئے مضمون کا باقی ماندہ مسودہ تو مل گیا، ورنہ مسودہ ہی اہلِ جریدہ کی بے اعتنائی کی نذر ہو سکتا تھا۔

بات دراصل یہ ہے کہ اس فن کی کتابیں نایاب ہیں اور اردو میں تو بالخصوص اس موضوع پر آج تک قولِ فیصل کے طور پر کوئی رسالہ نہیں لکھا گیا۔ لے دے کر حکیم ضامن علی جلال لکھنوی کا ایک نہایت ہی مختصر رسالہ افادہ تاریخ ہے۔ لیکن چونکہ جلال خود اس فن کے استاد نہیں تھے اس لیے میری دانست کے مطابق اس میں بعض تسامح اور اغلاط ہیں۔ رسالہ کو البتہ اولیت کا شرف ضرور حاصل ہے جلال لکھنوی کی کوشش کو دیکھ کر منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی نے "ملخصِ تسلیم" کے نام سے ایک کتاب بزبانِ فارسی لکھی جس میں جلال کے رسالہ کی اغلاط پر بحث کی گئی، مزے کی بات یہ ہے کہ اس فارسی کتاب کا تاریخی نام "ملخصِ تسلیم" سنہ ۱۳۰۰ھ رکھا گیا لیکن اس میں سنہ ۱۳۰۲ء کی تصنیف پر ردّ و قدح تھی۔ اس کی یہی تاویل ہو سکتی ہے کہ تسلیم نے سنہ ۱۳۰۰ھ میں کتاب لکھنا شروع کی ہو گی اور اس کے خاتمہ سے قبل سنہ ۱۳۰۲ھ میں رسالہ افادہ تاریخ شائع ہو گیا ہو گا۔ جس کی تردید یا تنقید بھی تسلیم نے اپنی کتاب میں شامل کر لی۔ کتاب کے خاتمہ پر جو تقریظی قطعاتِ تاریخ ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ "ملخص تسلیم" سنہ ۱۳۱۴ھ میں مطبع میں بھیجی گئی، بہرکیف یہ فارسی رسالہ تسلیم کی کامیاب کوشش ہے اور اس سے پہلے اس موضوع پر اتنی مفصل کتاب نہیں لکھی گئی، اور اردو کا ذخیرہ علم و ادب تو آج تک

Marfat.com

اس سرمائے سے خالی ہے۔

جلال کے افادۂ تاریخ کا آغاز سنہ ۱۲۹۲ھ میں ہوا اور یہ تالیف ختم سنہ ۱۳۰۲ھ میں ہوئی تسلیم کی تصنیف چھپی اگرچہ سنہ ۱۳۱۱ھ میں تھی لیکن آغاز سنہ ۱۳۰۰ھ میں ہو چکا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ "افادۂ تاریخ" کے مسودے کے اوراق کہیں سے تسلیم کے ہتھے چڑھ جاتے تھے۔ ورنہ یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ ایک کتاب جس کی اشاعت ہی سنہ ۱۳۰۲ھ میں ہو اس پر تنقید سنہ ۱۳۰۰ھ میں لکھی جائے بہر کیف جلال لکھنوی اور تسلیم سہسوانی نے اپنے رسائل میں قیودِ تاریخ بیان کرنے میں کافی محنت سے کام لیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ بزرگ نہ تو فنِ خطاطی کے اُستاد تھے اور نہ عربی میں انہیں درجۂ فضیلت حاصل تھا، اس لئے خصوصاً ایسے بیانات میں جہاں فنِ کتابت یا رسم الخط کا تعلق تھا، یا عربی علم ادب کا ذکر تھا، دونوں بزرگ غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے تسلیم خود اعتراف کرتے ہیں کہ وہ پہلے الفِ ممدودہ کے دو عدد لیا کرتے تھے لیکن بعد میں تحقیق سے ان پر واضح ہوا کہ ایک عدد ہی لینا صحیح ہے۔

جلال لکھنوی کے رسالے کی خود تسلیم نے اپنے "ملخص" میں جابجا تردید کی ہے۔ اور جلال نے جہاں محض انکسار سے خود کو ہیچمدان لکھا ہے، وہاں تسلیم نے اسے حقیقتِ نفس الامری تسلیم کر کے جلال کے قیاسات کا یوں رد کیا ہے کہ جلال نے سارے رسالے میں اگر کوئی صحیح بات کہی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ہیچمدان ہے۔ اور بعض مقامات پر تو اس سے بھی سخت کلمات کہے ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

"چونکہ حکیم جلال خود را مولفِ ہیچمدان بدست و قلم خود نوشتہ اند من معلم نیم کہ سبق دہم اگرچہ ایں قدر گفتن مے زیبد کہ :-

۶۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

یہ اُس زمانے کی طرزِ تحریر ہے آج کل اس قسم کا خطاب معیوب سمجھا جاتا ہے۔

اُدھر تسلیم کا خود یہ حال ہے کہ جلال لکھنوی کے شاگرد تمیز کے ایک صحیح مادۂ تاریخ پر اعتراض کر دیا تمیز نے حکیم جلال کے ایک رسالہ "سکار آمد شعرا" کی تاریخ طبع تکلف تاریخ پیدا کرنے کے طریقے سے

نکالی قطعہ تاریخ یہ ہے۔

۵۔ میرے اُستاد نے حقیقت میں | یہ رسالہ لکھا عجیب و غریب
متحرک حروف کو جو لیا | ہُوئی تاریخ کیا عجیب غریب

"عجیب غریب کی ترکیب میں سوائے "و" "ب" نکال کر باقی حروف کے اعداد جمع کریں تو سال طبع ۱۲۹۳ھ ظاہر ہوتا ہے۔" مادہ تاریخ بالکل درست ہے۔ لیکن چونکہ اعتراض کرنا ہی مقصود تھا فرماتے ہیں "عجیب غریب" غلط محاورہ ہے۔ حالانکہ تسلیم کو اچھی طرح علم تھا کہ مادہ تاریخ میں محاورات کا سقم نظر انداز کر دیا جاتا ہے، لیکن تمیز جلال کا شاگرد تھا، اس لئے وہ تسلیم کی زد سے بچ کر کہاں جا سکتا تھا۔ استخراجِ تاریخ میں سب سے زیادہ غلط فہمی اربابِ علم کو ہمزہ الف ممدودہ اور تائے کی نسبت ہوئی ہے۔ باقی حروفِ ابجد کی نسبت کوئی غلط فہمی نہیں ہو سکتی، اس لئے میں نے اپنے مقالے میں ان حروف پر بحث زیادہ تفصیل سے کی ہے۔ میں منہاس صاحب کی اس تجویز سے نہایت ادب سے اختلاف کروں گا کہ ایک زمانے میں الف ممدودہ کے دو عدد لینے کا رواج تھا لیکن موجودہ دور کے اساتذۂ تاریخ الفِ ممدودہ کا ایک ہی عدد لیتے ہیں، اب اس زمانے میں دو عدد لینے کا رواج مطلق نہیں رہا، دراصل بات یہ ہے کہ ہر دور میں الفِ ممدودہ کا ایک ہی عدد لیا جاتا رہا ہے۔ اعداد و استخراج کے معاملہ کو کسی دور سے تعلق نہیں ہے، جس دور میں بھی اگر کسی شاعر نے خواہ وہ منتہی ہو یا مبتدی الفِ ممدودہ کے دو عدد لئے ہیں تو غلط کیا ہے۔ محض اس کی بزرگی کی وجہ سے وہ غلطی صحت کا مقام حاصل نہیں کر سکتی، الفِ ممدودہ کے دُو عدد لے کر جو بھی مادہ تاریخ کہا گیا ہے۔ وہ یقیناً غلط ہے، حرفِ آخر یا قولِ فیصل کا یہ طریق تو بہرحال نادرست ہے کہ الفِ ممدودہ کے دُو عدد لینے والوں کو بھی صحیح کہا جائے۔ اور ایک عدد لینے والوں کو بھی دُرست کہہ دیا جائے۔ بہرحال دونوں میں سے ایک غلط رَو ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ الفِ ممدودہ کے دو عدد لینے والا غلط ہے الفِ ممدودہ ہو یا سادہ الف اُس کا عدد ایک ہی ہے۔

چونکہ مضمون تفصیل سے لکھنا مقصود تھا اس لیے راقم الحروف نے اس فن کے آغاز و ابتدا سے لے کر موجودہ دور تک کے واقعات و حوادث کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے موضوع واقعی خشک ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی صاحبِ علم نے اس پر زبانِ اردو میں کچھ تفصیل سے لکھنے کی کوشش نہیں کی، یا شاید اللہ کو یہ کام مجھ جیسے بے ہنر سے ہی لینا تھا۔ بہرحال میں نے یہ احتیاط کی ہے کہ موضوع بالکل ہی خشک اور خاص طور پر علمی بن کر ہی نہ رہ جائے اور صرف وہی اہلِ علم ہی اسے دیکھیں جن کو اس فن سے شغف ہے یا منتہی قسم کے طلبا جن کو علم ادب کی انتہائی سند حاصل کرنا لازم ہو، سوائے چند جدولوں کے یا ابجد کے اقسام کے جو خاص فن کی چیزیں ہیں شوق سے مطالعہ کرنے والے قارئین کرام کے لیے یہ مضمون کافی دلچسپ ہو گا

زبانِ اردو کا دامن اب تک اس سرمایہ سے خالی تھا اس لحاظ سے تو نیاز مندی کی یہ کوشش ضرور مشکور ہو گی کہ اردو ادب میں میرے ناچیز قلم سے ایک مفید کتاب کا اضافہ ہو گیا، "حیاتِ عزیزیہ" جو اس کتاب کا آخری باب ہے بجائے خود ایک تحقیقی مقالہ ہے صرف اسی مقالہ کو پیش کر کے اربابِ بابُ العلم سے شاباشیں مل سکتی تھیں :

★ — منظور حسن غفرلہٗ

گوجرانوالہ —— ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۷ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

از ملک عبدالحمید ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ای ۔ ایس پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ

فن تاریخ گوئی علم بدیع کی ایک مشہور شاخ ہے جس میں حروف کی عددی قیمتوں سے مادہ ہائے تاریخ مرتب کیے جاتے ہیں ۔ قدیم علمائے فن نے اس سلسلے میں ایسی ایسی لطیف صنعتیں پیدا کیں اور ایسے ایسے معجز نما کمالات دکھائے ، جو انھی کا حصّہ تھے ۔ مرور ایام کے ساتھ ساتھ جوں جوں پرانی قدریں بدلتی گئیں ، باکمال لوگ اُٹھتے گئے ، یہ فن بھی زوال پذیر ہوتا گیا ۔ یہاں تک کہ آج اس علم کے جاننے والے خال خال نظر آتے ہیں اور اس سے دلچسپی رکھنے والے بھی شاید چراغ لے کر ڈھونڈنے ہی سے کچھ مل سکیں ۔

خوش قسمتی سے اس بھولے بسرے فن کے ماہرین کی ایک یادگار نشانی کپتان منظور حسن ایم آ ہیں ، جنھوں نے فنِ تاریخ گوئی پر نور التعلیم میں بلند پایہ علمی اور ادبی مقالات قلم بند فرمائے ۔ اُن کے علمی مقالات کا سلسلہ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں شروع ہوا تھا ، جواب اکتوبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت کے ساتھ پورے تین سال بعد ختم ہو رہا ہے ۔ مضمون کے عنوانات ہر سال قمری سال کی رعایت سے تاریخی تھے : اقوال التاریخ (۱۳۸۰) ۔ اصطلاح التاریخ (۱۳۸۱) ۔ علم التاریخ (۱۳۸۲) اور مصباح التاریخ (۱۳۸۳)

لہ افسوس ہے کہ یہ بزرگ اس مضمون کو کتابی صورت میں دیکھنے سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں ، نہایت باغ و بہار طبیعت پائی تھی اور اپنے تمام ہمعصر اساتذہ میں خاص ادب و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے ۔ (ناشر)

Marfat.com

فنِ تاریخ گوئی کے موضوع پر یہ بے مثال مضمون جو بے شمار علمی و ادبی خوبیوں کا حامل اور اپنے باکمال ماہرِ فن مضمون نگار کی علمی و ادبی کاوشوں اور فنی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ نورالتعلیم کے تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر چھپ چکا ہے۔ اب اسے مزید اضافہ کے ساتھ کتابی صورت دی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ اہلِ ذوق بالخصوص مشتاقانِ فنِ تاریخ گوئی کے لئے ایک بے نظیر تحفہ ہوگا۔

کیپٹن صاحب کا یہ طویل مضمون فنِ تاریخ گوئی پر ایک قابلِ قدر مقالہ ہے اور اس فن پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بلند پایہ مقالے میں جہاں انھوں نے تاریخ گوئی کے متعلق بڑے بڑے لطیف نکتے بیان کر کے بہت دقیق مسئلے حل کئے ہیں، وہاں اُن مسامحات کا بھی اشارۃً ذکر کر دیا ہے جو اکابرینِ فن سے سرزد ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ علمی بحث اتنی پُرلطف، اور اتنی علم افزا ہے کہ اہلِ ذوق اسے حرزِ جاں بنائیں گے، کیونکہ اس کا ایک ایک لفظ گنجینۂ معنے کا طلسم ہے۔

عبدالحمید ایم اے

محرکاتِ تصنیف

اِس بھولے بسرے فن سے متعلق تمہیدی مقالہ پیش ہو چکا ہے۔ اردو میں اب تک اس موضوع پر کوئی جامع رسالہ نہیں لکھا گیا۔ لے دے کر ایک مختصر سا رسالہ[1] سید ضامن علی صاحب جلال لکھنوی[2] کا "افادۂ تاریخ" کے نام سے آج سے تقریباً ۷۰ برس قبل شائع ہُوا تھا لیکن اسے بھی اس موضوع پر قولِ فیصل نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ جلال صاحب خود اس فن کے اُستاد نہیں تھے۔ اس لئے اس میں بعض تسامح اور اغلاط ہیں۔ اس رسالے کو البتہ اوّلیت کا شرف ضرور حاصل ہے۔ جلال لکھنوی کی کوشش کو دیکھ کر منشی انوار حسین سہسوانی نے "ملخصِ تسلیم" کے نام سے ایک کتاب بزبانِ فارسی لکھی۔ جس میں جلال لکھنوی کے رسالہ کے اغلاط پر بھی بحث کی گئی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اس فارسی کتاب کا تاریخی نام سنہ ۱۳۰۰ ہجری سالِ تصنیف ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اس میں سنہ ۱۳۰۱ھ

---

[1] یہ رسالہ صرف ۳۲ صفحات کا ہے۔ مختصر حالاتِ زندگی اس کتاب کے آخر میں درج ہیں۔

[2] المتوفی ۲۰ شوال ۱۳۰۹ھ مطابق ۹ مئی ۱۸۹۲ء

کی تصنیف پر رد وقدح ہے۔ اس کی یہی تاویل ہو سکتی ہے کہ تسلیم نے ۱۳۰۰ھ میں کتاب کا آغاز کیا ہو گا۔ اور اس کے خاتمہ سے قبل ۱۳۰۳ھ میں جلال کا رسالہ شائع ہو گیا ہو گا، جس کی تردید بھی تسلیم نے اپنی کتاب میں شامل کر لی۔ کتاب کے خاتمے پر جو قطعاتِ تاریخ بطور تقریظ درج ہیں، اُن سے پتہ چلتا ہے کہ "ملخصِ تسلیم" ۱۳۱۲ھ میں مطبع میں بھیجی گئی۔ بہرکیف یہ رسالہ تسلیم کی نہ صرف کامیاب کوشش ہے، بلکہ فنِ تاریخ گوئی کے موضوع پر بے مثل کتاب ہے۔ اور آج سے پہلے ایسی مکمل کتاب نہیں لکھی گئی۔ چونکہ زبان فارسی تھی اس لئے عام اشاعت نہ ہو سکی۔

ہندو پاکستان میں بہت سے تاریخ گو شعراء گزرے ہیں، جن کے علمی پایہ تک یقیناً غیر ہندی شعراء اب تک نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے تاریخ گوئی پر دوسرے ملکوں کے اہلِ ادب نے کیا معلومات بہم پہنچانا تھیں۔ اِسی سرزمین کے قابلِ قدر ادیبوں نے آخر اس خدمت کو سرانجام دیا اور تاریخ گوئی کے قواعد وضوابط پر کئی رسالے لکھے۔ لیکن یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایران کے اہلِ علم حضرات میں سے کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اس موضوع پر کچھ لکھیں۔ زبانِ فارسی میں بھی اگر اس فن کے قواعد پر کوئی کتاب لکھی گئی، تو وہ بھی ہندوستان ہی میں لکھی گئی۔ لہٰذا احبابِ تسلیم کی "ملخصِ تسلیم" ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُدھر کا دامن بہرحال اب تک اِن پھولوں سے خالی ہے۔

ضامن علی جلال کے رسالے سے بھی قبل کئی کتابیں اِس موضوع پر لکھی گئیں۔ مثلاً کانِ تاریخ (۱۲۸۲) اُمّ التواریخ (۱۲۸۹) سرِّ غیبی (۱۲۹۲) آئینۂ تواریخ (۱۲۹۳) جو ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوئی۔ لیکن ان میں تاریخ گوئی کے فن پر کسی قسم کا کوئی مواد نہیں ملے گا۔ یہ دراصل ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت علّامہ اقبال مرحوم کا یہ قول مشہور ہے۔ کہ تاریخ کی کتاب لے کر بیٹھ جائیے۔ اور جس واقعہ پر چاہے تاریخ لکھ لیجئے۔ یہ قول اگرچہ خود محلِ نظر ہے۔ اور اسے علّامہ اقبال کی طرف منسوب کرنے کی صرف ایک ہی ضعیف سی روایت ہے۔ لیکن یہ درست ہے کہ یہ کتابیں مساوی الاعداد الفاظ کی ایک قسم کی ڈکشنریاں ہیں کہ جس عدد کا لفظ ڈھونڈنا چاہو ان کتابوں کی امداد سے فوراً نکال لو۔ اِن سب کی موجودگی میں جلال کا رسالہ باعتبارِ فن ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔ اور زیادہ اہمیّت اسے اس لئے بھی حاصل

ہے کہ یہ زبانِ اردو میں اس فن پر پہلا مقالہ ہے۔ "ملخص تسلیم" کی افادیت بہرحال مسلّم ہے۔ لیکن اگر یہ کتاب اردو میں ہوتی، تو آج اس موضوع پر ایک خاص مستقل تصنیف لکھنے کی ضرورت نہ رہتی۔ البتہ تنقیح و تنقید کے لیے میدان موجود ہوتا۔

پاک و ہند میں اس وقت جبکہ علم و فن کا دورِ انحطاط ہے، صرف چند بزرگ ایسے ہیں جنھیں تاریخ گوئی سے دلچسپی ہے۔ پنجاب میں حفیظ ہوشیارپوری کو تاریخ گوئی میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ کسریٰ منہاس صاحب کے بعض مضامین اس موضوع پر اخبارات میں نظر سے گزرے ہیں۔ ان سے اگرچہ نیاز حاصل نہیں ہوا، لیکن مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان بزرگوار کو اس فن سے متعلق وسیع معلومات حاصل ہیں۔

راقم الحروف برسوں سے یہ محسوس کر رہا ہے کہ اردو میں اس قسم کی مفصل اور جامع و مانع تصنیف کی ضرورت ہے۔ جس میں اس فن کے الف ابجد سے لے کر تائے تمت تک کی سیر حاصل بحث ہو۔ اس ضرورت کا سب سے پہلے اس وقت احساس ہوا جب قائدِ اعظم کے انتقال پر ہر کہ ومہ نے قطعاتِ تاریخ لکھے۔ جن میں غلط قطعاتِ تاریخ زیادہ تھے اور صحیح بہت کم۔ اس کے بعد لیاقت علی خاں مرحوم کی شہادت پر پھر قطعاتِ تاریخ شائع ہوئے، اور ان کی بھی وہی صورت تھی، جو قائدِ اعظم سے متعلقہ تاریخی قطعات کی تھی۔ میں نے اگرچہ ان دونوں موقعوں پر امروز اور زمیندار میں تنقیدی رنگ میں مختصر سے مضامین لکھے۔ اور غالباً کسریٰ منہاس صاحب نے بھی اس موضوع پر اپنے مفید خیالات کا اظہار فرمایا تھا۔ لیکن اخباری مضامین کی جو حیثیت ہوتی ہے، وہ ظاہر ہے۔ ایسے مضمون لکھنے والے کی رائے کو وہ وقعت حاصل نہیں ہوتی، جو ایک صاحبِ تصنیف کو ہوتی ہے۔ کہ کتاب اخبار کی بہ نسبت مستقل حیثیت رکھتی ہے۔

چونکہ اردو آج تک اس موضوع کی کتاب سے تہی دامن ہے۔ اس لئے اس ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یہ ارادہ کر لیا کہ ایک جامع و مانع مقالہ تیار کیا جائے، جو واقعی حرفِ آخر کی حیثیت سے مطالعہ کیا جا سکے۔ تاریخی نام اس مقالہ کا "اقوال التاریخ" رکھا گیا تھا، جس سے ۱۳۸۰ھ سال ہجری ظاہر ہے۔ لیکن مضمون کی اقساط چھپتی گئیں اور یہ سلسلہ ۱۳۸۳ھ تک جاری رہا اور ہر سال

Marfat.com

کے آغاز میں الگ تاریخی عنوان دیا جاتا رہا۔ جیسا کہ اشارات سے ظاہر ہے۔

راقم الحروف نے ۱۹۴۳ء میں بھی ہفت روزہ قندیل لاہور میں ایک سلسلۂ مضامین بعنوان "مسالکِ تواریخ" اس موضوع پہ لکھنا شروع کیا تھا۔ "مسالکِ تواریخ" سے ۱۳۶۲ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں جو ۱۹۴۳ء کے مطابق سال ہجری تھا۔ لیکن اہلِ علم کی بے مہری اور بے توجہی سے اسے خشک مضمون سمجھا گیا۔ اور اس سلسلے کو مکمل کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اب چونکہ اس سلسلے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ اُردو اس سرمایہ سے خالی نہ سمجھی جائے۔ اس لئے اس خدمت کو مدِ نظر رکھ کر یہ مقالہ سپردِ قلم کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ کام واقعی علم کی خدمت کا درجہ رکھتا ہے، تو وہ اسے قبولِ عام کی سند عطا فرمائے گا۔

السّعیُ مِنّا والاتمامُ من اللہ

٭ — منظور حسن غفرلہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فنِ تاریخ گوئی

۱۳۸۷ھ

تاریخ گوئی کا فن عجمیوں کی ایجاد ہے۔ مگر اس کے باوجود حسابِ جُمّل کے لئے ابجد میں وہی حروف لئے گئے ہیں جو عربی میں مستعمل ہیں۔ فارسی اور ہندی حروف پ ٹ چ ڈ ڑ ژ گ کو ابجد میں جگہ نہیں مل سکی۔ حسابِ جمل کے موجد کے کمال کی داد دیجئے کہ فارسی اور ہندی حروف کے لئے الگ جگہ بنانے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی۔ اور مجبوراً فارس اور ہند کے ادیبوں نے اپنے اپنے حروف کو ابجد کے حروف کے ماتحت رکھنے میں خیر سمجھی۔ چنانچہ پ ٹ چ ڈ ڑ ژ گ کو علی الترتیب ب ت۔ ج د ر ز اور ک کا ہم عدد قرار دیا گیا۔

تاریخ گوئی کا پہلا اصول یہ ہے کہ صرف حروفِ مکتوبی کا اعتبار کیا جائے۔ اور اگر صرف اسی ایک اصول کی پوری طرح سے پابندی کی جائے تو تاریخ کہنے میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔ تاریخ گوئی میں حروف مکتوبی محسوب ہوتے ہیں۔ بخلاف عروض کے جہاں قابلِ اعتبار صرف ملفوظی حروف ہی ہوتے ہیں۔ عروض کے قاعدے کی قاعدے کی رو سے الفِ ممدودہ، حروفِ مشدد اور حروف مکسور یا مضاف کو دو حروف قرار دیا جاتا ہے۔ کبھی ساکن اور موقوف کو متحرک کر لیتے ہیں۔ اور کبھی متحرک کو ساکن، اور موقوف کو تو اکثر موقوف ہی کر دیتے ہیں۔ مثلاً ناسخ (المتوفی ۱۲۵۴ھ) کا یہ شعر لیجئے ؎

نہیں ممکن کہ ہو اصلاح ظالم کی طبیعت کی
رہے خوں ریز خنجر گر بجھائیں آبِ حیواں میں

یہ ساری غزل بحر ہزج مثمن سالم میں ہے۔ جس کا وزن مفاعیلن آٹھ بار ہے۔ اس کی تقطیع یوں ہو گی

نہیں ممکن — کہ ہو اصلا — حِ ظالم کی — طبیعت کی،
رہے خوں رے — ز خنجر گر — بجھائیں آ — بِ حیواں میں

لیکن حسابِ جمل میں جو حروف کتابت میں آئیں گے، خواہ وہ پڑھنے میں آئیں یا نہ آئیں، اُن کے اعداد شمار کیے جائیں گے۔ عربی کتابت میں اٰمنوا بَنُوا و توجہوا کے آخری الف پڑھنے میں نہیں آتے۔ لیکن حسابِ جمل میں الف کے عدد گنے جائیں گے۔ رحمٰن کی کتابت اگر رحمان کی جائیگی تو میم کے بعد کے الف کا عدد محسوب ہوگا، ورنہ نہیں۔ اسی طرح عیسیٰ، موسیٰ کا الف محسوب نہیں ہوگا، "ی" کے ہی دس عدد لیے جائیں گے۔

ابجد کے حروف کے اعداد سے پہلے تو بچوں کو پہلی جماعت کے قاعدے ہی میں روشناس کرایا جاتا تھا، لیکن اب تو ہمارے گریجوایٹ اصحاب کو بھی (اِلّا ماشاءاللہ) اس اعداد شماری سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰
ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ								
۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰								

ابجد — ہوز — حُطّی — کلمن — سعفص — قرشت — ثخذ — ضظغ

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ تاریخ گوئی کا فن عجمیوں کی ایجاد ہے۔ لیکن اس دعوے کی دلیل راقم الحروف کے پاس کوئی نہیں بایں ہمہ مدّعی اگر یہ کہے کہ یہ فن عربوں کی ایجاد ہے، تو یہ

136780

دعوے بھی بے دلیل ہے۔

حسابِ جُمل حروفِ ابجد کے اعداد کو کہا جاتا ہے۔ اور ابجد سے مراد وہ مفرد حروف ہیں جو الف، با، تا سے آخر یا تک موجود ہیں۔ اور متذکرہ صدر آٹھ جملے جنھیں یہ ترتیب حسابِ جمل معین کیا گیا ہے، یہی ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ ثخذ۔ ضظغ کہلاتے ہیں۔ صاحب غیاث اللغات نے بعض لوگوں کا حوالہ دے کر یہ بیان فرمایا کہ ابا جاد ایک بادشاہ کا نام تھا اور ابجد اُسی نام کا مخفف ہے۔ اور باقی سات کلمے اُس بادشا

Marfat.com

کے فرزندوں کے نام تھے۔ اور اس بیان اور روایت کے بھی وہی ذمہ دار ہیں کہ مرامر ایک شخص تھا جس نے خط ایجاد کیا۔ اور یہ آٹھ کلمے اس کے لڑکوں کے نام ہیں۔ (غیاث اللغات صفحہ ۱۱)

ایک یہ بھی روایت ہے کہ ابجد حضرت ادریس علیہ السلام نے ترتیب دئے۔ ۲۸ حروف کو باہم ترتیب دے کر آٹھ بامعنی کلمے بنا دئے اور اس کا نام ابجد ادریس قرار دیا۔

(۱) ابجد۔ بمعنی شروع کیا (۲) ہوز۔ بمعنی آپس میں جوڑنا (۳) حُطّی: واقف ہوا (۴) کلمن: بات کی (۵) سعفص: جلدی یاد کیا (۶) قرشت: ترتیب دی (۷) ثخذ: دل میں جگہ کی (۸) ضظغ: خاتمہ

غیاث اللغات میں صاحب مدار الافاضل کے حوالہ سے ان کلمات کے اور بھی دلچسپ معنی بیان کئے گئے ہیں۔

جناب تسلیم سہسوانی فرماتے ہیں کہ پرانی معتبر کتب سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ابجد حضرت آدمؑ کے ساتھ ہی روئے زمین پر ظاہر ہوا۔ اور سریانی زبان میں صرف چار چار حروف کے سات کلمے تھے، جن کے بظاہر معنی کچھ بھی نہیں، اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) ابتپ (۲) ثحجذ (۳) ذرزس (۴) شصغط (۵) ظصغض (۶) تکلم (۷) نوہی

یہ چار چار حروف کے کلمے اعراب بھی ساتھ لائے ہر کلمہ کا پہلا حرف مفتوح، دوسرا مکسور، تیسرا مضموم اور چوتھا ساکن ہے۔

تسلیم صاحب کی کاوش قابلِ داد ہے۔ وہ اپنے رسالے کے صفحہ ۱۰ پر مزید تحقیق کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور ارقام فرماتے ہیں کہ فرہنگِ ناصری میں جو بزمانہ ناصرالدین شاہ قاچار ملک الشعراء رضا قلی خاں ہدایت نے ترتیب دیا، کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں، شمس المعارف نے محاضرات الاوائل میں بیان کیا ہے کہ اول چیز جو آدم علیہ السلام پر نازل ہوئی، وہ حروفِ ہجا ہی تھے۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس طریق کو ترقی و ترفع دیا۔ اور ذیل کا دائرہ نظیرہ انہی صاحب مطلع العلوم کا مرتب کیا ہوا ہے۔

سطرِ اوّل	ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
سطرِ دوم	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ

Marfat.com

نظام الدین نظام مصنف نسخہ عقل و شعور صفحہ ۳۶۴ پر لکھتے ہیں۔ کہ دائرہ نظیرہ میں ابجدی دو سطریں مقابل لکھی جاتی ہیں۔ سطر اوّل کو اساس اور سطر دوم کو نظیرہ کہتے ہیں۔ ان حرفوں کا مبادلہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ اُوپر کا حرف اپنے نیچے کے حرف سے، اور نیچے کا حرف اپنے اُوپر کے حرف سے بدل کر تحریر میں آتا ہے۔ اور اسی قاعدے پر غیر منقوط اور منقوط کو بھی لکھ کر اپنا مطلب اصطلاح میں ادا کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ علم جفر جس کے جاننے والے آج ہند و پاکستان میں شاذ و نادر ہیں۔ اور النادر کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں، اس کی بنا بھی انھی اعداد ابجد پر ہے۔ اور سارا علم جفر اسی حساب جُمل سے چلتا ہے۔ علم جفر کی مختصر سی تعریف جو غیاث اللغات میں (صفحہ ۱۳۵ پر) ہے وہ یہ ہے کہ یہ مشہور و معرُوف علم ہے، جس سے احوال غیب سے آگاہی ہوتی ہے۔ علم تو یہ اپنی جگہ پر ٹھیک ہے، لیکن اس علم کا عبقریِ عالم ناپید ہے۔ اندھیرے میں ٹامک ٹوئے جفر کے نام پر مارنے والے ہر شہر میں مل جائینگے بعض لوگوں نے رمل کو جفر کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اور وہ نہ علم الجفر رہا ہے اور نہ علم الرمل۔ اسی سلسلے میں اہل تنجیم کا ذکر کرنا بھی خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کہ ان لوگوں نے اپنا الگ ابجد ایجاد کیا ہوا ہے۔ وہ چہار حرفی ہفت لکھے ہیں، چونکہ ان کلمات کا ہمارے موضوع سے تعلق نہیں، اس لئے ان کی تفصیل یہاں ضروری سمجھی گئی۔

علم جفر کی بنیاد حساب جمل پر ہے اور حساب جمل درحقیقت علم ہندسہ سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس علم میں کمال حاصل کرنے والوں میں ابوریحان البیرونی کا نام سرِ فہرست ہے۔ جسے علم ہندسہ میں بھی کمال حاصل تھا۔ حکیم بزرجمہر اور بید پاے ہندی کے ناموں کے ساتھ علم ہندسہ کے ماہرین کی فہرست میں عمر خیام نیشاپوری، ابونصر فارابی، بُو علی سینا، نصیرالدین طوسی، شہاب الدین مقتول ناصر خسرو اور محمد باقر ایسے علماء دوش بدوش نظر آتے ہیں۔ لیکن البیرونی کا پایہ ان سب سے بلند شمار کیا جاتا ہے۔ غالباً اس لیے کہ وہ علم جفر پر پُوری دسترس رکھتا تھا۔ اور سُلطان محمود غزنوی کو اُس نے قائل کرالیا تھا کہ علم جفر اگرچہ علم غیب نہیں، لیکن مستقبل کے واقعات علم جفر

Marfat.com

کی رُو سے قریب قریب صحیح معلوم ہو سکتے ہیں۔

مقدمہ تاریخ ابن خلدون میں علمِ جفر سے متعلق صاحب تاریخ نے برسبیل تذکرہ چند باتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس علم کا موجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ لیکن حال ہی میں اہلِ تشیع کے مقتدر عالم علامہ کفایت حسین[۵] کا ایک بیان نظر سے گزرا، جسے من و عن نقل کیا جاتا ہے:۔

"علمِ جفر اُن علومِ مخفیہ سے ہے، جو ہر شخص کو باوجود سعی بلیغ حاصل نہیں ہو سکتے علمِ کیمیا کی تحصیل جد و جہد کے بعد ممکن ہو سکتی ہے، لیکن علمِ جفر وُہ پاک و پاکیزہ علم ہے، جسے حاصل کرنا بغیر افضال پروردگار عالم کے ناممکن ہے، دُنیا میں اس کے مدعی ہزاروں نظر آئیں گے، لیکن حقیقت میں اس کے جاننے والے کبریتِ احمر کی طرح نادر الوجود ہیں، مَیں خود اس علم سے واقف نہیں ہوں۔ میں نے اس علم کے بعض مقدمات پڑھے ہیں، جن کا سمجھنا چنداں مشکل نہیں۔ لیکن ان میں بعض وُہ مقدمات ہیں، جن پر سائل کے سوال کا جواب مکمل عبارت میں حاصل ہونا موقوف ہے۔ ان سے ابھی تک بے بہرہ ہوں حضرت علامہ ابن خلدون نے اپنی کتاب تاریخ کے مقدمے میں اس علم شریف کا تذکرہ کیا ہے۔ موصوف نے اس علم کا مُوجد جناب امام عالی مقام جعفر صادق علیہ السلام کو تبلایا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ان کا تسامح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے موجد سیّدنا امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعض قواعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے مخصوص شاگردوں تعلیم کیے، جس کی وجہ سے علامہ موصوف کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ آں حضرت ہی اس کے مُوجد ہیں۔ اس علم کے واسطے علمِ نجوم کا جاننا بھی لازم ہے۔ علم الحرف کے انواع میں علمِ جفر ایک نوعِ اعظم و اشرف ہے۔ اس کے مقامات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نہایت وسیع و عریض علم ہے۔ اور انواع سوالات کے اعتبار سے جوابات کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ میں نے اس علم کی مختلف کتابیں پڑھی ہیں، جن میں بعض ایسی ہیں

۵۔ افسوس ہے کہ علامہ ممدوح کا اب انتقال ہو چکا ہے۔

جن کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے مؤلف نے کسی کتاب کو سامنے رکھ کر ترجمہ شروع کر دیا ہے۔ اور وہ خود بھی نہیں سمجھتا کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ یہاں تک کہ علامہ ابن خلدون نے بھی جو کچھ لکھا ہے، وہ بالکل سطحی چیزیں ہیں۔ جن سے کوئی شخص اس علم کی گہرائی تک نہیں پہنچا۔

کتاب "مفتاح الجفر" کے مصنف نے بہ نسبت دوسری کتابوں کے مقامات کی وضاحت اچھے طریقے سے کی ہے۔ اور اس علم کو سمجھانے کی بڑی کوشش فرمائی ہے۔ لیکن تمام قواعد کا علم تو صرف حضرات معصومین ہی کو ہے"

یہ بیان کسی مزید تشریح کا محتاج نہیں۔ اور آج کل جو علم الجفر رائج ہے، اس کی نسبت علامہ کفایت حسین صاحب نے نہایت لطیف پیرایے میں اپنی رائے کا بھی اظہار فرما دیا ہے۔

بہر حال یہ بات ناقابلِ تردید ہے، کہ علم ابجد جسے علمِ حروف یا علمِ اعداد بھی کہا جا سکتا ہے، اس پر علم نجوم اور علم جفر کی بنیاد قائم ہے۔ اور سب سے پہلے حساب جمل کا جاننا اور اُس کے جملہ قواعد پر پوری طرح سے عبور ہونا لازم ہے۔ علوم فلکیات کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا دارومدار بڑی حد تک اعداد کی مختلف قدروں پر مبنی ہے۔ اور یہ علم، علم جفر کی مشہور و معروف شاخ کا نام ہے۔ اعدادِ مفردہ ۱ سے ۹ تک ہیں۔ اور ہر عدد کی خاص نسبت الگ مقرر ہے۔ اور اسی عدد کو کسی سوال کی نسبت قائم کرنے کے بھی مختلف طریقے ہیں۔ اس سلسلے میں لاہور کے ایک مکتبے نے دو تین کتابیں حال ہی میں مصباح الجفر، مصباح الاعداد اور مصباح النجوم کے نام سے شائع کی ہیں۔ لیکن دراصل ان کتابوں میں علم کی اشاعت سے زیادہ تاجرانہ حیثیت کو فروغ دیا گیا ہے

ان علوم کی افادیت سے انکار نہیں، لیکن آج دُنیا میں آپ کو ایسا کوئی رہنما یا قابل اُستاد نہیں ملے گا، جو آپ کو البیرونی کے درجے تک تو نہیں، اُس کے حاصل کئے ہوئے علم کے پہلے زینے تک ہی رہنمائی کر سکے۔

حسابِ جمل کے سلسلے میں چونکہ اعداد کی مختلف قدروں کا ذکر آ گیا ہے، جس سے علم جفر تک

Marfat.com

رسائی ہو سکتی ہے۔ اس لیے میں نے یہ مناسب خیال کیا ہے، کہ پہلے اعدادِ مفردہ پہ چند مقدمات عرض کیے جائیں۔ باقی رہی حسابِ جمل کی ایجاد، تو اس کی نسبت کچھ سراغ نہیں ملتا کہ ابجد کے اعداد کس بزرگ کی عالی دماغی کے مرہونِ منّت ہیں۔ لیکن یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ ایسی ساعتِ میں کسی خاص اللہ کے بندے نے یہ اعداد ایجاد کیے؛ اور ان اعداد کا حروف سے اس قسم کا تعلق قائم ہو گیا، گویا ازل سے ہی ان حروف کے لیے یہ اعداد مقرر ہو چکے تھے۔ اور عربی زبان کو بھی جب تحریر کا جامہ پہنایا گیا، تو یہ ترتیبِ اعداد بذریعہ الہام نازل کر دی گئی، اور ہر حرف کو ایک مقدس الہام کی حیثیت دے دی گئی۔

سر اڈورڈ براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا کی نسبت یہ اُمید کی جا سکتی تھی، کہ فاضل مستشرق نے کہیں فارسی کی تاریخ گوئی کے ذکر میں اس فن پہ کوئی سیر حاصل بحث کی ہو گی لیکن کتاب کے مطالعہ سے راقم الحروف کو مایوسی ہوئی۔ لٹریری ہسٹری کی جلد دوم کے صفحہ ۱۰۱، پہ تاریخ گوئی کے لیے صرف تین سطریں ہیں، کہ کسی واقعہ یا سانحہ کی تاریخ کے سلسلے میں ابجد کے حروف کے اعداد کے مطابق شعر، فقرہ یا الفاظ کا ایسا مجموعہ تیار کیا جائے جس سے تاریخ ظاہر ہو۔ اور اس سلسلے میں لائق مُصنّف نے حافظ کے لوحِ مزار پہ جو قطعۂ تاریخ درج ہے، اُسے بے حد پسند کیا ہے،

اسی قطعہ کا سر اڈورڈ نے لٹریری ہسٹری کی جلد سوم کے صفحہ ۵۱۲ پہ بھی ذکر کیا ہے ؎

چراغِ اہلِ معنیٰ خواجہ حافظ — کہ شمعے بود از نورِ تجلّی
چو در خاکِ مصلّیٰ یافت منزل — بجو تاریخش از خاکِ مصلّیٰ
۷۹۱ھ

عہدِ چنگیزی میں قطعاتِ تاریخ کا کوئی حوالہ نہیں آتا۔ تاریخ جہاں کشائے جوینی (سالِ تکمیل ۶۵۸ھ مطابق ۱۲۶۰ء) جو جلال الدین عطا ملک جوینی کی مشہور عالم تصنیف ہے۔ اس میں عہدِ مغول سے متعلقہ کئی قصیدے اور کئی اشعار مدح وستائش پر مشتمل ہیں، لیکن تاریخی قطعہ ایک بھی نہیں، البتہ جب سلطان تیمور کی پیدائش ہوئی اور اسی سال ایلخانی خاندان کے آخری فرمانروا ابو سعید کی وفات واقع ہوئی، تو مطلع السعدین کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ "لوذ" یعنی پناہ گزینی سنہ سال

Marfat.com

۳۶ھ ہویدا ہوتا ہے۔ اور یہ سالِ وفاتِ ابوسعید اور سالِ ولادتِ سلطان تیمور ہے (لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد سوم صفحہ ۵۸) ورنہ اس عہد میں تاریخی قطعہ کہنے کا سیدھا سادا طریقہ تھا کہ شعروں میں سال متعلقہ کا ذکر آجاتا، جیسا کہ نصیر الدین طوسی کے فرزند صدر الدین عالی نے جلال الدین عطا ملک کی تاریخ وفات پر یہ قطعہ کہا ہے

آصفِ عہد علاء حق و دیں زبدۂ کون — کرد پدرود جہاں را چو سرآمدش زماں

در شبِ شنبہ چہارم ز مہِ ذی حجہ — سال بر ششصد و ہشتاد و یکے دور آراں

یا سلمان ساوجی کا واقعات نگاری سے متعلق ایک شعر ہے

ز ہجرتِ نبوی رفتہ ہفصد و چہل و چار — در آخرِ رجب افتادہ اتفاقِ حق

یا ابنِ یمین کا قطعۂ تاریخ وفات ہے

بود از تاریخِ ہجرت ہفت صد با شصت و نہ — روزِ شنبہ ہشتم ماہِ جمادی الآخرین

گفت رضواں حور را برخیز و استقبال کن — خیمہ بر صحرائے جنت بر زند ابنِ یمیں

(بحوالہ تاریخ براؤن جلد سوم صفحہ ۲۱۱)

ابوریحان البیرونی کی نہایت ہی قیمتی تصانیف تفہیم اور قانون المسعودی جو علم نجوم سے متعلق ہیں ان میں بھی حسابِ جمل کی تاریخ یا ابجاد کے سلسلے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، حالانکہ وہ علمِ جفر و علم نجوم کا کامل استاد تھا۔ اور جیسا کہ بیاں کیا جا چکا ہے علمِ جفر کا حسابِ جمل سے چولی دامن کا ساتھ ہے البیرونی سلطان محمودؒ بن سبکتگین کا مصاحب خاص الخاص تھا، اس سے پہلے وہ طبرستان کے حاکم شمس المعالی قابوس بن واشمگیر کے دربار سے منسلک تھا۔ اس کی تاریخ تولد ۹۷۳ء اور سالِ وفات ۱۰۴۸ء ہے البیرونی کی بہت سی قیمتی تصانیف گم ہیں اس مسئلہ پر اس کی حکمت کے کسی گم شدہ لعل میں اس علم کی تابانی موجود ہو۔

ابجد کے زمانۂ ایجاد کا سراغ لگانے کی کوششوں کا ذکر کیا گیا تھا تاکہ اس علم کے ایجاد کے اصلی زمانے کا تعین کیا جا سکے۔ ورنہ تسلیم سہوانی کا یہی ارشاد کہ پرانی کتبِ معتبرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم

ابجد حضرتِ آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی روئے زمین پر ظاہر ہوا، کافی تھا۔ لیکن چونکہ ممدوح نے اپنے بیان کے ثبوت میں کسی معتبر کتاب کا حوالہ نہیں دیا تھا، اس لئے جستجو اور تحقیق کا اس وقت تک دروازہ کھلا سمجھنا چاہیئے جب تک سہسوانی صاحب کے سوا کسی اور محقق کا حوالہ مل جاتے۔ ویسے میرے اس مقالے کے لئے سہسوانی صاحب کا حوالہ کافی ہو سکتا تھا۔ علاّمہ عنایت اللہ المشرقی جو علمِ ریاضی و ہندسہ میں کیمبرج کے فارغ التحصیل اور فاضل ہونے کے لحاظ سے ایک محقق کا درجہ رکھتے تھے اُن سے اس معاملے میں استفسار کیا گیا، تو اُنھوں نے صرف یہاں تک رہنمائی کی کہ:

ابجد کے موجد اہلِ بابل تھے۔

اہلِ تشیع کا یہ قول کہ علم جفر (جس کی بنیاد ہی حساب جمل پر ہے) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی ایجاد ہے۔ اس لئے محلِ نظر ہے کہ اگر حضرتِ علی رضؓ کو اِس علم پر عبور تھا تو یقیناً اس خیر دوجہاں اور عالمِ کون ومکاں کو جن کا لقب ہی "مدینۃ العلم" ہے، اس علم پر کامل دسترس تھی۔ حضرتِ علیؓ تو آخر مدینۂ علم کے دروازے تھے، خود تو مدینۂ علم نہیں تھے۔ حسابِ ابجد دراصل الہامی حساب ہے۔ اور جملہ انبیاءِ کرام کو بذریعۂ وحی اس حساب کی تعلیم ملتی رہی۔ اور حضرت فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بھی اس کے تمام رموز واسرار اور جملہ مقدمات حضرت جبریل امین نے سکھلادیئے تھے۔ اور اُن کے نور سے صحابۂ کرام کے علم کی شمعیں بعد میں روشن ہوئیں، پہلے انبیاء کے ذریعے سے علمائے یہود ونصاریٰ کو بھی اس علم سے کچھ نہ کچھ آگاہی تھی۔ اور شعرائے عہدِ جاہلیت کو بھی اس فن کے مبادیات کا علم تھا۔ اس طرح یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قرآنِ پاک کے نزول سے قبل اس علم کا سراغ ملتا ہے اور اس کی ایجاد کا سہرا نبیِ اوّل حضرتِ آدم علیہ السّلام ہی کے سر ہے۔ کیونکہ کُل انبیائے کرام کو رسالت کے فرائض تفویض کرنے سے قبل اس نورِ علم سے بھی آراستہ کیا جاتا تھا۔ وعلّم آدم الاسماء غالباً اسی جانب اشارہ ہے۔

اس جگہ مشہور دست شناس جوتشی کیرو[1] (CHEIRO) کی جو لوہے سے تیس سال تک پوشیدہ

---

[1] سالہا سال تک کیرو کا اصلی نام عوام سے مخفی رہا، اور جب اس کی شہرت کمال نصف النہار تک جا پہنچی تو اُس نے اپنے اصلی نام سے دُنیا کو آگاہ کیا۔ یہ نارمن شریف زادہ کونٹ لوئی ہیمن تھا جس کے علم کا ماخذ زیادہ تر ہندی علم ہندسہ اور جوتش تھا۔

میں اپنے ہنر کی بنا پر کوس لمن الملکی بجاتا رہا۔ کتاب (Book of Numbers) کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا اس کتاب میں مصنّف نے نہایت محنت سے علم الاعداد سے متعلق ایسا مواد فراہم کیا ہے جس کے مطالعہ سے لذت محسوس ہوتی ہے۔ کیرو کی (بعض اس تخلص کو "شیرو" پڑھتے ہیں، لیکن صحیح تلفّظ کیرو ہی ہے) کتابوں کا ایک خصوصی پہلو یہ ہے کہ ان میں عیسائیت کی تبلیغ کے جذبے کو سامنے رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کتابوں کی ترویج ریلیجس بُک سوسائٹیاں زیادہ کرتی ہیں۔ کیرو نے اس علم کا رہنما کلدانیوں، مصریوں اور اہلِ ہند کو قرار دیا ہے۔ اور وہاں سے اہلِ یونان تک اس علم کے پہنچنے کا سراغ لگایا ہے۔ اس کے دعویٰ کے مطابق سریانی زبان میں علم الاعداد کے مقدمات موجود ہیں۔ اور اس نظریے میں تو شک ہی نہیں کہ یہ علم سینہ بسینہ قوم در قوم آتا رہا ہے۔ اس علم پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، صرف اشارات تھے جو ایک خاص منتخب طبقے کو سبقاً سبقاً سکھاتا تھا، اور اس طرح چراغ سے چراغ جلتا گیا۔ لیکن یہ کوشش ضرور کی گئی کہ اس فن کو عام نہ کیا جائے۔ جتنی قیمتی چیز ہو اتنا ہی اسے نہ ورنہ پردوں میں پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح اس فن اور علم کو بھی نہایت قیمتی سمجھ کر قابلِ اعتماد سینوں میں مقفل کرنے کا بندوبست کر دیا گیا۔ اور نتیجہ یہ ہُوا کہ آہستہ آہستہ اس خزانے کی کُنجی ہی گم ہو گئی۔ کیرو نے اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۱ پر صحیح طور پر لکھا ہے کہ انسانی خیالات و جستجو جو ایک نکتہ کی صُورت میں چل رہے ہیں، بہت ممکن ہے ایک عرصے کے بعد اسی مقام پر آجائیں اور وحدتِ خیالات سے یہ راز خود بخود منکشف ہو جائیں۔ علمائے ہند کے علم الحساب کے مطابق ۲۵۸۲۷ سالوں میں ایک مرتبہ پھر حرکت تقویمیہ اعتدالین کے ماتحت وہی صُورتِ حالات پیدا ہو جائے گی جو پہلے تھی۔ کیرو اس رائے کا ذمہ دار ہے کہ کلدانیوں (اہل بابل) اور مصریوں کے علماء کامل طور پر علم الاعداد پر دسترس رکھتے تھے۔ اور اُن کے اثرات سے کما حقہٗ واقف تھے۔ قدیم ہندی عالموں کی تحقیقات کا یہ نہایت ہی روشن کارنامہ ہے۔ کہ اُنھوں نے سب سے پہلے یہ اندازہ قائم کر لیا کہ ۲۵۸۲۷ سالوں میں صرف ایک بار خطِ استوا کے ایک خاص مقام کو آفتاب کی شعاعیں قطع کرتی ہیں۔

Marfat.com

اور یہ ان کے کمالِ حساب دانی کا نہ مٹنے والا نقش ہے۔ موجودہ سائنس نے کئی سو سالوں کی تحقیق اور کاوش کے بعد اس اندازہ کی تصدیق کی ہے۔ اور اس حساب کو بالکل صحیح قرار دیا ہے۔ اور وہ بھی اس وقت جب سائنس نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ آخر قدیم علمائے ہند کے پاس کون سے ذرائع اور وسائل تھے، جن سے انھوں نے اس قدر صحیح حساب لگا کر ۲۵۸۲۷ سالوں کی صحیح مدت معلوم کر لی تھی۔

اسی سلسلے میں شیخ محمد اکرام[1] آئی۔ سی۔ ایس حال سی۔ ایس۔ پی کی فاضلانہ تصنیف "آبِ کوثر" سے ایک حوالے کا ذکر خالی از لطف نہ ہوگا۔ آبِ کوثر کے صفحہ ۴۲ (طبع ثالث) پر فاضل مصنف نے لکھا ہے کہ عربوں نے ہندوستان کی علمی ترقیوں سے اپنے آپ کو پوری طرح باخبر کیا تھا۔ ہندوستان کی پہلی کتاب جس کا عربی میں ترجمہ ہوا "سدھانت" تھی۔ ۷۷۱ء میں سندھ کے ایک وفد کے ساتھ علمِ ہیئت اور ریاضیات کا ایک فاضل پنڈت یہ کتاب لے کر بغداد پہنچا، اور خلیفہ کے حکم سے ایک عرب ریاضی دان نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ہندو فاضل کے کئی شاگرد بغداد میں ہوئے جنھوں نے سدھانت کے اصولوں کو اپنے طور پر عربی علمِ ہیئت میں منتقل کیا۔ آگے چل کر یہی مصنف رقم طراز ہیں کہ علمِ ہیئت کے علاوہ حساب میں بھی عرب ہندوستانیوں سے اور تمام اہلِ مغرب عربوں سے مستفید ہوئے۔ عربوں کا بیان ہے کہ انھوں نے حسابی رقوم (ہندسے) لکھنے کا طریقہ ہندوؤں سے سیکھا، اور یورپ نے یہ ہندسے عربوں سے سیکھے۔ اسی لیے وہ انھیں اعدادِ عربیہ (Arabic Numbers) کہتے ہیں۔ اس سے پہلے عرب لفظوں میں عدد لکھتے تھے، پھر حروفِ ابجد میں لکھنے لگے۔ اور پھر یہ ہندسے شامل ہو گئے۔ اہلِ مغرب رومن ہندسوں میں (جن کا استعمال بہت پیچیدہ تھا) اعداد کو بیان کرتے تھے یہ امر صحیح طور پر معلوم نہیں کہ ارقامِ ہندیہ عرب میں کب پہنچے لیکن خیال یہ ہے کہ جو پنڈت "سدھانت" لے کر بغداد گیا تھا، اسی نے عربوں کو حساب کا نیا طریقہ سکھایا ہوگا۔"

---

[1] پنجاب یونیورسٹی نے ان کے علم و فضل کی بنا پر حال ہی میں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی ہے۔

Marfat.com

"آبِ کوثر" کے لائق مصنّف کی تحقیق قابلِ داد ہے۔ لیکن اس تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ ابجد کا علم عربوں کو قدیم سے معلوم تھا اور کہ وُہ اس معاملے میں ہندوؤں کے مرہونِ منت نہیں تھے۔ باقی "سدھانت" کا ترجمہ بغداد کے خلفاء کے زمانے میں ہونا تو محقق ہوگیا لیکن اس سے پہلے علم اعداد عرب میں رائج تھا۔

اس علم کے نہایت ہی قدیم ہونے پر بحث کرتے ہوُئے کیرو نے حضرت سلیمان کی شخصیت کو اس علم کا جامع دمانۂ عالم قرار دیا ہے قرآن مجید میں تو حضرتِ سلیمانؑ کی نسبت مجمل طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جن و انسان اور ہوائیں اُن کے زیرِ فرمان کردی گئیں لیکن قدیم عبرانی کتاب (Book of Solomon) (کتابِ سلیمان) میں ان کی نسبت یہ الفاظ پائے جاتے ہیں:

> "الحمدللہ! اے خالقِ کائنات تُو نے مجھے بروج اور سیارگان کے راز سکھلائے تاکہ میں وقت، موسمیات اور مزاجِ زمانہ کو سمجھ سکوں، لوگوں کے دِلی بھیدوں کو جان سکوں، اور اُن کی ذات اور خیالات کی قدرت کا کھوج لگا سکوں۔ تُو نے ہی اے خالق مجھے یہ علم بخشا ہے، جو کہ میری تمام حکمت و عقل کی بُنیاد ہے"!
>
> (صفحہ ۰، کتاب الاعداد از کیرو)

یہی وُہ حکمت تھی جس کے باعث اُنھوں نے جن و انس اور ہواؤں کو مسخر کر لیا تھا، اس پر مزید حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں، اس کے بعد اس رُوحانی مخفی علم کا نشان حکیم فیثا غورث تک ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور یہ پتہ چلتا ہے کہ قدیم کلدانیوں، مصریوں اور ہندیوں کے بعد اس علم کے وارث اہلِ یُونان ہوئے۔ اور اس طرح یُونان سے یہ علم کا خزانہ عرب تک پہنچا۔ جب قرآن کا نازل ہُوا تو عربوں کی زباندانی کی دھاک اقوامِ عالم پر بیٹھی ہُوئی تھی۔ سبعہ معلقہ کے قصیدے اور قصائد کاسات کی تعداد میں موجود ہونا سب عربوں کے ادبی فروغ کو ظاہر کرتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں یہود میں ان کے علماء ربّانیوں اور نصاریٰ میں ورقہ بن نوفل ایسے پادری موجود تھے، وُہ اس سے عاری نہیں تھے۔ اور یہاں تک کہ حسابِ جمل پر انھیں عبور حاصل تھا۔ علم جفر تو اس کی شاخیں ٹھہرا

قرآنِ کریم کے اعجاز کا چیلنج سارے عالم کے لیے تھا۔ کیونکہ اس کتاب مبین میں اس علم کے ماہرین کے لیے بھی بین نشانات تھے۔ لیکن جیسا کہ قرآن حکیم کی فصاحت و بلاغت کا تقضا ہے، تمام علوم کو ایک ایک کر کے گنوایا نہیں گیا، کہ اس سے حصر لازم آجاتا تھا۔ اور وہ سرچشمۂ علوم جسے ابدالاباد تک کے لیے جاری رہنا تھا، اور اگلے اور پچھلے تمام علوم پر حاوی ہونا تھا اسے کیونکر محدود کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے اپنی تفسیر عزیزی پارہ الم (۶۷ مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی) میں حروفِ مقطعات پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے ارقام فرمایا ہے کہ بخاری اپنی تاریخ میں اور ابنِ جریر میں بسندِ ضعیف از ابنِ عباسؓ جابر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ابو یاسر بن اخطب یہودی کی جماعت کے ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا، جبکہ حضورِ مقبولؐ سورۂ بقر کی تلاوت فرما رہے تھے۔ وہ بھاگا بھاگا اپنے بھائی حیی بن اخطب یہودی کے پاس گیا۔ یہ شخص یہودیوں کا عالم تھا۔ اُسے کہنے لگا کہ آج میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے ایک عجیب بات سنی ہے۔ کہ وہ قرآن میں حروف الف، لام، میم پڑھ رہے تھے حیی کہنے لگا کہ کیا واقعی تو نے یہ لفظ اپنے کانوں سے سنے ہیں۔ ابو یاسر کا جواب اثبات میں سن کر حیی اُچھل پڑا۔ اور یہودیوں کی جماعت کو ہمراہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پوچھا کیا واقعی یہ حروف جبریل علیہ السلام آپ کے پاس لائے ہیں۔ آں حضرتؐ نے جواب دیا، ہاں۔ اس پر وہ یہودی اپنے ہمراہیوں سے کہنے لگا کہ کسی پیغمبر کو آج تک اپنی مدتِ حکومت اللہ نے نہیں بتائی۔ اس پیغمبر پر یہ میعاد ظاہر کر دی گئی ہے۔ اور پھر کہنے لگا کہ الف، لام میم کے اعداد گن لو ۷۱ بنتے ہیں، جس نبی کی میعادِ پیغمبری ہی ۷۱ سال ہو ہم اُسے کیوں قبول کریں۔ پھر حضورؐ سے پوچھا۔ کیا اِن حروف کے علاوہ بھی کوئی اور حروف آپ پر ظاہر کیا گیا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا ہاں "المص، الرا، المرا، کھیعص، حمعسق"، تو وہ گھبرا گیا کہ اس طرح تو اس کی پیغمبری کی مدت بہت زیادہ لمبی ہو جاتی ہے۔ اور ایک طرح سے مایوس ہو کر چلا گیا۔

روایت ضعیف سہی لیکن اس قدر تو پتہ چلتا ہے کہ حسابِ جمل کے جاننے والے علمائے یہود و نصاریٰ اُس وقت موجود تھے حروفِ مقطعات پر حضرت شاہ عبدالعزیز رحؒ نے نہایت مفصّل بحث کی ہے۔ لیکن اس روایت کو سامنے رکھتے ہوئے ذہن خواہ مخواہ اعجازِ قرآنی کی طرف چلا جاتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان و فضل ہے کہ اس سلسلے میں تھوڑی سی تحقیق اور جستجو سے ایسے نکتے دِل پر منکشف ہو رہے ہیں جن کا اس سے قبل کسی بزرگ نے اعجازِ قرآن کی نسبت ذکر نہیں کیا۔ اِن نکاتِ لطیفہ کا بیان آگے آئے گا۔

یہ باور کر لینے میں کوئی اُشکال نہیں کہ قرآن مجید حسابِ جمل پر مبنی معجزات کا بھی حامل ہے، اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے علم اعداد کے تمام قدروں سے آگاہی فرما دی تھی۔ لیکن حضورؐ نے مصلحتاً اس گوشہ کو بے نقاب نہ کیا۔ کیونکہ یہ علم عوام کے لئے زیادہ گتھیاں پیدا کرنے کا موجب ہو سکتا تھا۔ اور صرف معدودے چند اصحاب اس علم سے باخبر تھے راسخون فی العلم کا درجہ رکھنے والے اصحاب تھے۔ وہ قرآن کریم کی آیات میں اس معجزے کا ظہور دیکھ کر سجدہ میں گر پڑتے تھے۔

کیرو نے اپنی کتاب (Book of Numbers) میں عیسائیت کے پرچار کے سلسلے میں انجیل اور زبور کی ترتیب و تدوین کے معجزات بیان کرتے ہوئے صفحات ۷۴ سے ۸۲ تک عجیب تاویلات کا ذکر کیا ہے۔ اور عبرانی زبان کے ۲۲ حروف پر ہی انحصار کیا ہے۔ اور عبرانی زبان کے الف، با اور جیم کو سامنے رکھتے ہوئے زبور کے پہلے، دوسرے، تیسرے الغرض ۲۲ ابواب کا ذکر کیا ہے۔ ہر باب اپنے متعلقہ حرف سے شروع ہوتا ہے۔ یعنی پہلا باب الف سے دوسرا با سے، تیسرا جیم سے، غرض بائیسواں باب بائیسویں حرف سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسے معجزہ قرار دیا ہے۔ کیرو کو عربوں کے ابجد اور علمِ جفر کا حال یقیناً معلوم ہے، لیکن اس متعصب مصنّف نے خاص احتیاط برتی ہے۔ اور کہیں بھی مسلمانوں کے اس حساب کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس حساب سے انجیل اور زبور کے سارے معجزے باطل ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

"فتح العزیزیہ" میں صفحہ ۱۰۵ پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی زبان عربی تھی لیکن جب انہیں جنت سے نکالا گیا تو ان سے عربی زبان سلب کر لی گئی اور زبان سریانی ان کے ہونٹوں پہ جاری ہو گئی قبول توبہ کے بعد پھر عربی زبان انکو عطا کر دی گئی جو آج تک زندہ زبان ہے۔ سریانی کو پائیداری نہ مل سکی، عبرانی نے اس کی جگہ لی۔ عبرانی کی جانشین یونانی زبان ہوئی۔ اور یہ زبان اب تک سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ اب اسے باوجود علمی زبان ہونے کے زندہ زبانوں کی حیثیت حاصل نہیں۔ عربی ابجد کے مقابلے میں کیرو نے قدیم کلدانی اور عبرانی ابجد کا ذکر کرتے ہوئے اُن کے اعداد یعنی حروف کی قدروں کو بیان کیا ہے۔ (صفحہ ۷۰) اور وہ حساب اس قدر نامکمل ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ اس علم الاعداد پر انحصار کر کے عبرانی علماء کس طرح ساحرانہ کمال کا اظہار کر سکتے تھے۔ اُن کے حساب کے مطابق حروفِ ابجد کے اعداد بحساب جمل مندرجہ ذیل قرار دیئے گئے ہیں۔ اور عبرانی اور یونانی ابجد کو یکجا کر کے آج کل کے انگریزی کے مروجہ حروف کے اعداد قائم کر لیے گئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو حساب کیرو)

A	B	C	D	E	F	G	H	I	J	K	L	M	N	O	P	Q	R	S
1	2	3	4	5	8	3	5	1	1	2	3	4	5	7	8	1	2	3

T	U	V	W	X	Y	Z
4	6	6	6	5	1	7

بادی النظر میں ہی اس حساب کی فرومایگی اور تہی دامانی معلوم ہو سکتی ہے۔ کیرو کے بیان کے مطابق ۹ کے عدد کو کسی حرف کے لیے مقرر نہیں کیا گیا۔ اور عبرانی روحانیات کے رازدارانِ فلکیات نے ۸ ہندسوں تک اپنے آپ کو محدود رکھا، اُن کا عقیدہ تھا کہ ۹ کا عدد ذاتِ الٰہ کے لیے مخصوص ہے۔ اور اُن کے خدا کے چونکہ ۹ حروف تھے۔ اس لیے ۹ کا عدد مقدس سمجھ کر کسی اور حرف کو نہیں دیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ۹ کا عدد واقعی خصوصی قدروں کا حامل ہے۔ اور اس عدد کو خاص الہامی قوت اور ساحرانہ طاقت حاصل ہے۔ ۹ سے جو بھی مرکب عدد بنتے ہیں، دراصل اُن کا آخری جملِ صغیر ۹ ہی بنے گا۔ جملِ صغیر اس رقم کو کہا جاتا ہے جو دو عددوں کے آپس میں جمع کرنے سے

Marfat.com

چھوٹی سے چھوٹی رقم بنے مثلاً ۶۶۶ کو جمع کیا جائے تو ۱۸ بنتا ہے۔ اور ۱۸ کو جمع کریں تو ۹ کا عدد آئے گا۔ اور یہ ۶۶۶ کا جملِ صغیر کہلائے گا۔ ۹ کے ہندسے کا یہ رُوحانی تصرف ہے کہ جس بڑی سے بڑی رقم کو بھی ۹ سے ضرب دی جائے۔ تو حاصل کا جملِ صغیر ۹ ہی آئے گا۔ ۹ کے پہاڑے میں ۱۸، ۲۷، ۳۶ - ۴۵ - ۵۴ - ۶۳ - ۷۲ - ۸۱ - ۹۰ - ۹۹ و علیٰ ہٰذا القیاس سب کا جملِ صغیر ۹ ہی رہے گا۔ اور یہ شان کسی اور ہندسے کو حاصل نہیں۔ ۹ کا جذر ۳ ہے۔ اور اس لحاظ سے اس عدد کو بھی رُوحانی قوت اور مرتبہ حاصل ہے۔ جملِ صغیر کے لئے انگریزی یا یُونانی میں کوئی لفظ نہیں

عربی ابجد کے ۲۸ حروف الہامی ہیں۔ اور ہر حرف ایک مقدس الہام کی حیثیت رکھتا ہے

دُعائے حزب البحر ایک مشہور دُعا ہے جس کی نسبت یہ مرقوم ہے کہ اس دعا کا القا حضرت شیخ سیّد ابوالحسن شاذلی مقیم قاہرہ پر ہُوا۔ اس دعا کے عامل اب تک لاکھوں بزرگ گزر چکے ہیں۔ اور کئی صوفیائے کرام کے خاندانوں میں یہ دُعا بطور اوراد و وظائف شامل ہے۔ اس دعا کا حضرت حاجی حافظ امداد اللہ شاہ صاحبؒ کے خاندان اور اُن کے مُریدان باصفا میں خاص رواج ہے۔ اس دُعا کے ساتھ بعد میں کئی بزرگوں نے اضافے کئے۔ اور اسے دُعائے متبرک و الہامی قرار دیا گیا۔ خود حضرت حاجی صاحبؒ اور ان کے مُریدِ خاص حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اجازت سے یہ دُعا طبع ہوتی رہی[1] بعض بزرگوں نے اعتصام اور اختتام کے طور پر اس دُعا کے آغاز اور انجام پر اور دُعائیں شامل کر دیں۔ اور اعتصام کی دُعاؤں میں خاص طور پر یہ جملے درج ہیں[2]:-

"الف باتا تاجیم تانون، دا، ھا، یا ایک سانس میں پڑھے، اسکے بعد دُعائے حزب البحر پڑھے"، ہمارے اوراد و وظائف میں ہی نہیں، بلکہ قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلے میں اکثر مفسّرین نے ان اعداد کو خاص اہمیت دی ہے، سورہ ق کی تفسیر میں بعض علماء نے ق کے ۱۰۰ اعداد کو سامنے رکھ کر تفسیر

---

[1] مناجات مقبول مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور۔

[2] دعائے حزب البحر مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ صفحہ ۱۲

[3] جملِ صغیر کا ذکر پہلے آچکا ہے، جملِ وسط کے سمجھنے کیلئے یہی کافی ہے کہ لفظ سُورۃ کے اعداد ۶۶۶ ہیں، انکو جمع کرنے سے ۱۸ کا عدد حاصل ہوتا ہے، اور پھر ۱۸ کو جمع کرنے سے ۹ کا عدد ملتا ہے۔ ۱۸ جملِ وسط کہلائیگا اور ۹ جملِ صغیر۔ اور ۳ کا عدد ۹ کا جذر ہوگا۔

Marfat.com

بیان کی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد ۷۸۶ اور اس کا جمل صغیر ۳ کا عدد صوفیائے کرام کی دینی تحریروں میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے بسم اللہ کا ورد روزانہ ۷۸۶ مرتبہ کرنا کلیدِ دریہ گنج حکیم قرار دیا ہے۔ اور اسم اعظم کا درجہ دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کے اسمائے حُسنیٰ کے اعداد بہ حساب جمل نکال کر وظیفے مقرر کیے گئے ہیں ـــ باسط کے ۷۲ اعداد ہیں اور مُغنی کے ۱۱۰۰ عدد ہیں۔ انھی اعداد کی بنا پر بزرگوں نے صبح کی نماز کے بعد یا باسط کا ورد ۷۲ مرتبہ اور یا مغنی کا ورد بعد نمازِ عشا ۱۱۰۰ مرتبہ کشائشِ رزق کے لیے اکسیر بتایا ہے۔ اور یہ یقینی امر ہے کہ یہ ورد پڑھنے سے واقعی اللہ تعالیٰ رزق کی کشائش اور عہدے میں ترقّی عطا فرما دیتے ہیں۔

اس موضوع پر کتاب جنّت الخلود مطبوعہ مطبع سلطان المطابع کا پہلا صفحہ ہی خاص توجہ کا مستحق ہے۔ جہاں کتاب کی جدولوں کی تشریح کے سلسلے میں یہ لکھا گیا ہے۔

"جدولِ اوّل در شناختن پارہ از اسماء الحسنیٰ و معنی ہائے و خواص ہائے آں و عددِ آنہا"

چنانچہ اس دلچسپ کتاب کے پہلے ۹ صفحوں پر تمام اسماء حسنیٰ کے اعداد بحساب جمل بحساب جملِ وسط اور جملِ صغیر درج کیے گئے ہیں۔ راقم الحروف نے اعجازِ قرآنی کے سلسلے میں جملِ وسط کو پردہ اخفا میں رکھا ہے۔ اور صرف جملِ صغیر کے پیشِ نظر کلام مجید کے اعجاز کو اگلے صفحات میں بے شمار رنگوں میں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

قرآنِ کریم اور اعدادِ ابجد

سابقہ صفحات میں قرآنِ عزیز کے اعجاز پر حسابِ ابجد کے سلسلے میں روشنی ڈالنے کا ذکر کیا گیا تھا۔ کہ صرف اگر حسابِ جملِ صغیر کو ہی پیشِ نظر رکھا جائے تو قرآنِ حکیم کے ایک ایسے پہلو کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے جس کی طرف آج تک کسی مفسّر کا خیال نہیں گیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ گوشہ عمداً پردہ اخفا میں رکھا گیا تھا۔ کیونکہ دُنیا کے ادیبوں کے سامنے یہ چیلنج تھا کہ اس پاک کلام جیسی ایک سُورت ہی بنا کر

لاؤ اگر تم سچے ہو۔ لیکن اس چیلنج کے سامنے ساری دُنیا گونگی ہو کر رہ گئی۔ اگر کوئی شخص دعوے کر کے ایک سورت تو کیا ایک آیت ہی مقابلے میں لے آتا تو اس گنجِ گراں مایہ کے اس گوشے کو بھی شاید بے نقاب کرنے کی ضرورت آپڑتی۔ اور دُنیا پر واضح ہو جاتا کہ کلامِ پاک کا مقابلہ تو کیا، اس کے مقابلے کا خیال کرنا بھی ناممکن ہے۔ عرب بے چارے تو مجبوراً سر کے بل گر گر کہہ اُٹھے کہ یہ کلام بشر نہیں، اس لئے قرآنِ مجید کا یہ کمال پوشیدہ کا پوشیدہ رہ گیا اب جبکہ عیسائی جوتشی کیرو نے (THE BIBLE AND NUMBERS) کا باب لکھ کر انجیل کی برتری اور صداقت اُن اعدادِ ابجد کے ذریعہ ظاہر کرنی چاہی جو ایک نامکمل علم کا حصّہ ہیں تو راقم الحروف کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ سعادت و توانائی نصیب ہو گئی کہ نہایت ہی اجمالی صورت میں قرآن مجید کے اعجاز عددی پر کچھ لکھا جائے۔

آج سے پہلے تیرہ سو سال تک کیوں کسی بزرگ کی توجہ اس طرف نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ علمائے اسلام کو اس کے راز سے آگاہی نہیں تھی، بلکہ ان کے سامنے اس موضوع سے زیادہ اہم، زیادہ مفید اور زیادہ شان دار موضوع تھے اور وہ اس قسم کے حساب میں اپنے آپ کو سرگرداں کر کے اپنا وقتِ عزیز ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ورنہ جب اس علم کے تمام رموز کی طرف حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشارے کئے ہیں، تو یہ محال ہے کہ اُن کو اس موضوع پر شرح و بسط سے لکھنے کی دسترس نہیں تھی، ممکن ہے کہ یہ باب مجھ خطا کار اور سراپا عصیاں شعار کے لئے چھوڑ دیا گیا ہو کہ یہ میرے لئے وسیلۂ مغفرت بن سکے۔ ہر چند کہ یہ موضوع اصل مضمون تاریخ گوئی سے کچھ زیادہ متعلق نہیں سمجھا جا سکتا، اور اگر میں اس مقالے میں اس بحث کو حذف کر دوں تو اصلی مضمون پر شاید کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو چونکہ یہ بحث بھی اعدادِ ابجد پر مشتمل ہے اس لئے اگر اس مقالے کا حصّہ ضروری بھی سمجھ لیا جائے تو مفید مطلب ہی ہو گا۔

جملِ وسط اور جملِ صغیر کا براہِ راست فنِ تاریخ سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ بعد میں ظاہر ہو گا۔ بہت سے اکابرِ فن نے ایسی تاریخیں کہی ہیں جن کا حل اس حساب کے بغیر ناممکن ہے۔ جملِ صغیر کے علاوہ تاریخ گو

اہلِ علم نے حسابِ ہندسہ۔ حسابِ وسط۔ حسابِ صغیر۔ حسابِ لفظی اور حساب توالی سے بھی تاریخی مادے لکھے ہیں۔ اور جناب تسلیم سہسوانی ایسے شہسوارانِ میدانِ تاریخ گوئی نے تو توصیع اور توضیع جمع و تفریق کے قاعدوں کے مطابق بھی تقریظیں مرتب کی ہیں۔ تو ان حالات میں کم سے کم ان حسابات کا مختصر سا ذکر بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا، جو اس مقالہ کے کسی حصہ میں آئے گا۔

جملِ صغیر کے اعداد کے سلسلے میں آیاتِ قرآنیہ کا مجمل ذکر بھی آگے آئے گا۔ لیکن یہاں فی الحال بعض ادعیہ کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا، ایک بزرگ نے اسمِ اعظم کے طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے۔ اور اور اس ہیچمدان گناہگار کے تجربے میں بھی آچکا ہے کہ حاجت مند سائل اپنے نام کے عدد بحسابِ جمل حاصل کرکے اُن کا جملِ صغیر لے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ عزّ اسمہٗ کے اسماء الحسنیٰ میں سے اس اپنے عددِ جملِ صغیر کے برابر جملِ صغیر رکھنے والا اسمِ الٰہی ڈھونڈ لے۔ اور روزانہ وہ اسم کم سے کم اتنی بار ورد لازم کرلے۔ تو یہ اس شخص کے لئے اسمِ اعظم کی حیثیت رکھے گا۔

مثال کے طور پر بابر کا نام لیجئے۔ بحسابِ جمل بابر کے عدد ۲۰۵ ہیں۔ اور جملِ صغیر پانچ جمع دو سات ہیں۔ اب اسمائے الٰہی میں سے اللہ نورٌ فیاض غفارٌ رحیم کے مجموعہ اعداد شمار کریں تو ۲،۷۵۲ ہوں گے جن کا جملِ صغیر، کا عدد آتا ہے۔ بابر نام رکھنے والا حاجت مند اگر روزانہ ۷ مرتبہ بعد نمازِ صبح ان ناموں کا ورد لازم ٹھہرا لے تو یہ ورد اس کے لئے اسمِ اعظم کا کام دے گا۔ شہنشاہ بابر کے لوحِ مزار واقع کابل میں بھی ۵ اسماء حسنیٰ کندہ ہیں۔ اسی طرح مشہور ہے کہ سر سکندر حیات خاں مرحوم کو کسی بزرگ نے یہ دعا یہ وظیفہ بتایا تھا کہ اللہ الصمد روزانہ ۶ مرتبہ ضرور پڑھیں۔ "اللہ الصمد" کے عدد ۲۳۱ ہیں جن کا جملِ صغیر ۶ ہے۔ اور اور سکندر حیات کے عدد بحسابِ جمل ۷۵۳ ہیں جن کا جملِ صغیر ۶ ہے گویا "اللہ الصمد" سر سکندر حیات خان کے لئے اسمِ اعظم تھا۔ [۵]

---

[۵] بادشاہ بابر کے لوحِ مزار کے سلسلے میں جہانگیر کا لوحِ مزار یاد آگیا۔ جس پر سورہ حشر کی یہ آیت کندہ ہے۔ "ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم" اس آیت مبارک کے اعداد ۸۸۴۳ ہیں اور جملِ صغیر ۵ ہے۔ اور جہانگیر کے اصلی نام سلیم کے اعداد ۱۴۰ ہیں جن کا

وکیل اللہ تعالیٰ کا جمالی نام ہے (بحوالہ صفحہ ۸۳ اورادِ رحمانی و اذکارِ سبحانی" مرتبہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی) بزرگوں کا قول ہے کہ اسم یا وکیل ہر کہ از باد و آتش ترسد ایں اسم را بسیار گوید و چوں مظلوماں در سحرگاہ بخضوع و خشوع شصت و شش مرتبہ بگوید و بر ظالم خویش بد دُعا کند۔ آں ظالم را زوال برسد (صفحہ ۱۷۹ کتاب خلاصۃ الاوراد مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۶ء) واضح رہے کہ لفظ وکیل کے اعداد ۶۶ ہیں۔

مدعا اس بحث کا یہ ہے کہ اعدادِ حروف کا ضرور کچھ نہ کچھ اثر ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اعداد اثرِ نجوم کے ماتحت اثر انداز ہوتے ہوں۔ علمِ جفر جس کی بنا ہی ان اعداد پر ہے اور جو بجائے خود ایک جامع علم ہے، وہ انھی اعداد کے اثرات کو ظاہر کرتا ہے۔ اب جبکہ نئی ایٹمی تحقیقات کے مطابق خلا میں بجلی کی ایسی رَو کا بھی علم ہوا ہے، جس کے متعلق ظن کیا جاتا ہے کہ انسانی زندگی کے ساتھ اس کا براہِ راست تعلق ہے (رسالہ لائف ماہ جون ۱۹۶۰ء) تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ اِن اعداد کا بھی انسانی زندگی کے ساتھ بجلی کی رَو کی مانند کچھ تعلق ہے۔ البیرونی کی صحیح پیشگوئیاں اسی علم کی بنا پر تھیں۔ افسوس ہے کہ آج اس علم کا جاننے والا کوئی بھی نہیں۔

"ملخص تسلیم" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تسلیم سہسوانی کو جفر میں بھی کچھ نہ کچھ دخل تھا اُنھوں نے حسابِ ابجد کے ماتحت علم تنجیم اور جفر کا ذکر کیا ہے۔ اور چند اشارات بھی لکھے

جملِ صغیر بھی ۵ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت پوری مناسبت سے انتخاب کی گئی تھی۔ اسی طرح یہ اتفاق بھی حیران کن ہے کہ جہانگیر کی کُنیّت نورالدین کے عدد ۳۰۵ ہیں جن کا جملِ صغیر ۹ کا مشہور عدد ہے جو قسمتِ انسانی پر خاص اثر رکھتا ہے۔ اور نورجہاں کے عدد ۳۱۵ ہیں جن کا جملِ صغیر بھی ۹ ہے۔ اس کے بعد بادشاہ کے نام، کنیت اور لقب پر اگر غور کریں تو سلیم نورالدین جہانگیر کے عدد ۸۰۰ نکلتے ہیں جن کا جملِ صغیر ۸ کا ہندسہ ہے۔ ان میں اگر نورجہاں کے اعداد ۳۱۵ کو ضم کر دیں تو پھر بھی جملِ صغیر وہی ۶ رہتا ہے۔ شاہ جہاں کے عدد ۳۶۵ ہیں، جن کا جملِ صغیر ۵ ہے۔ اور تاج محل کے عدد ۴۸۲ ہیں۔ ان کا جملِ صغیر بھی ۵ ہی ہے۔ ہم اسے اتفاقات کہہ سکتے ہیں لیکن یہ اتفاقات اسی دن مقدر ہو چکے تھے، جب یہ لقب تجویز کیے گئے۔ (منظور)

ب۔ لیکن وُہ بھی اس درجہ کے ہیں کہ استاد کی مدد کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور اب اُستاد کہاں سے
ہیں؟ قرآن حکیم کی جن سُورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات الٓمٓ۔ حٰمٓ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ حٰمٓعٓسٓقٓ۔
یٰسٓ۔ قٓ۔ نٓ۔ صٓ سے ہوتا ہے۔ ان حروف کا جملِ صغیر سورت کی کل آیات کا مظہر ہے اور یہی
ب ثبوت کلام پاک کے مِن جانب اللہ ہونے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ یہ کام انسانی دماغ اور طاقت
سے بالاتر ہے کہ اس سورت میں آیتوں کی آیتیں ایسی ترتیب وار آتی ہیں جن کا جملِ صغیر وہی ہو
و سُورت کے شروع کے حروفِ مقطعات کا ہے۔ قرآن کریم سے چند مثالیں پیش کرنے سے قبل
یں ایک مشہور دعا "حزب البحر" کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، جس میں متعدد آیاتِ قرآنی کو بطور دُعا
یا گیا ہے۔ اس دُعا کی نسبت مشہور ہے کہ ایک خاص مصیبت کے وقت اس کا القا حضرت
بوالحسن شاذلی مصری پر ہُوا۔ اور اسے حلِّ مشکلات کے لیے بعض خاندان شیوخ اُمت میں
خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے بعض مقامات پہ جو قرآن کریم سے اخذ کئے گئے ہیں، راقم الحروف
نے تھوڑی سی محنت کی۔ تو اس دُعا کے کمال کا یقین ہو گیا، اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ علم مناسبہ
میں ۹ کا عدد ایک خاص اہمیت اور حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہی عدد ہے جسے کیرو نے اپنے مرتبہ
ابجد میں اس لئے شامل نہیں کیا کہ کلدانیوں کے بڑے خدا کے نام کے ۹ حروف تھے اور ۹ عدد
تھے لفظ الٰہ جس پہ ہمارے کلمہ طیبہ کا دارومدار ہے اس کے عدد بھی بحساب جمل ۳۶ ہیں اور
جملِ صغیر ۹ ہے۔ چنانچہ اس دُعا میں قرآن حکیم کے ان دو مبارک جملوں کو خاص طور پر لایا گیا ہے
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اور حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ
ان میں سارا زور اللہ پاک کے الٰہ اور حاکم مطلق ہونے کے اقرار پر دیا گیا ہے۔ اور یہ وہی الٰہ
ہے جس کے عدد بحساب جمل صغیر ۹ ہیں، چنانچہ جب میں نے اس دعائے مختصر پر تھوڑا سا غور
کیا تو دُعا کے شروع کے ہی اسمائے حسنیٰ "علیٌّ"، "عظیمٌ"، "حلیمٌ، علیمٌ" لئے گئے تو ان کا مجموعہ
اعداد ۱۳۲۶ نکلا جس کا جمل صغیر ۹ ہے۔ اسی طرح اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کا جملِ صغیر ۹ ہے۔
اُنصرنا فانّك خیر الناصرین اور ارزقنا فانّك خیر الرازقین کے اعداد کا جمل صغیر ۹ نکلا، اسیطرح

Marfat.com

اس دعا کا مشہور جملہ جو مقہوری اعداد کے لئے ہے (وعنتِ الوجوہ للحیّ القیوم وقد خاب من حمل ظلما۔ طٰسٓ) اس کے جملہ اعداد ۲۷۶۳ برآمد ہوتے ، جن کا جمل صغیر ۹ ہے۔ دعا میں ہدایت ہے کہ طٰسٓ کے حروفِ مقطعات کو ۳ بار پڑھا جائے۔ طٰس کے اعداد ۶۹ ہیں اگر ۳ بار جمع کیے جائیں تو ۲۰۷ بنتے ہیں جن کا جمل صغیر پھر ۹ آتا ہے۔ اسی طرح کھٰیٰعٓصٓ سے متعلق ہدایت ہے کہ ۳ مرتبہ کہیں۔ ان حروف کے اعداد ۱۹۵ ہیں۔ ان کو اگر ۳ دفعہ جمع کریں تو حاصل ۵۸۵ آئیگا جن کا جمل صغیر ۹ ہے۔ اس کے بعد حٰمٓ کے حروفِ مقطعات کی نسبت ہدایت ہے کہ ۶ مرتبہ یعنی ایک ایک مرتبہ ہر جہت کی طرف منہ کر کے پڑھیں۔ حٰمٓ کے عدد ۴۸ ہیں۔ ان کو ۶ مرتبہ پڑھنے سے ۲۸۸ حاصل ہوتے ہیں۔ جن کا جمل صغیر وہی ۹ آتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے اللہ کے عدد کا جمل صغیر ۹ ہے۔ اسی طرح لا الٰہ الا اللہ الملک الحق المبین کے اعداد کا جمل صغیر بھی ۹ کا ہندسہ ہے۔ اس ہندسے کی نسبت ماہرین علم ہندسہ نے نہایت سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور اسے اعجازی ہندسہ کہا گیا ہے جس میں ایک بے پناہ مقناطیسی یا طلسمی قوت مخفی ہے۔ اس ہندسہ میں وہ طاقت ہے کہ اسے جس کثیر سے کثیر قلیل رقم سے ضرب دیں تو حاصل ضرب کا جمل صغیر بہر حالت ۹ آئے گا۔ اس عدد کا جذر ۳ کا عدد ہے۔ اس لئے ۹ اور ۳ کے ہندسے علم ہندسہ میں ایک خاص حیثیت اور قدر رکھتے ہیں۔ اہل یونان کے خدا کا ہندسہ ۹ ہے تو دونوں جہان کے اللہ کا ہندسہ بھی وہی مقدس ۹ ہے۔ یونانی تو ۹ کے ہندسہ کو اس کی برکت اور قدوسیت کی وجہ سے شمار میں نہیں لاتے۔ وہ اس ہندسہ پر بحث کرنا بھی سوئے ادب سمجھتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ اس ہندسہ کو اگر کسی شمار میں نہیں لاتے تھے ، تو یہ خود سوئے ادب میں شامل ہے۔

قرآنِ پاک کی آیت مبارکہ (سورۃ الجن کی آخری آیت) میں علم الاعداد کی طرف صحیح اشارہ ہے۔ واحاط بما لدیہم واحصٰی کل شیءٍ عددا ○ (ترجمہ: اور قابو میں رکھا ہے جو کچھ ان کے پاس ہے۔ اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی ، ترجمہ شاہ عبدالقادر قرآن مجید مطبوعہ کریمی بمبئی

Marfat.com

نسخہ قرآن مجید مترجم و محشی مطبوعہ بجنور، ترجمہ از مولانا محمود الحسنؒ و مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم
میں اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے کہ: ہر چیز اللہ کی نگرانی اور قبضہ میں ہے۔ کسی کی طاقت
نہیں کہ وحیِ الٰہی میں تغیر و تبدل یا قطع و برید کر سکے۔ اور یہ پہرے، چوکیاں شانِ حکومت
کے اظہار اور سلسلہ اسباب کی محافظت کے لیے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں، ورنہ جس کا علم اور
قبضہ ہر چیز پر حاوی ہو اس کو ان چیزوں کی کوئی احتیاط نہیں۔

اس تفسیر سے ظاہر ہے کہ جس طرح ہر حکومت اپنے خزانے کا حساب مکمل طور پر رکھتی ہے
قرآن پاک بھی ایک لازوال گنج گراں مایہ اور خزانہ رحمتِ الٰہی ہے۔ اس کا حساب دنیوی طور پر رکھنا
نہایت ضروری تھا، رسولِ دو جہاںؐ چونکہ اس خزانہ کے امین اور منیب ہو کر تشریف لائے تھے،
لیے ان کو قرآن پاک کے ایک ایک حرف اور نقطہ کی قیمت اور قدر سے آگاہ فرما دیا گیا، اور
ارشاد ہوا کہ ہر چیز کی گنتی کر رکھو یہ خزانہ آپ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

اس سچی کتاب کی خدمت کرنے والے علمائے صالحین کی بے لوث والہانہ دینی خدمت کی
یہاں تک داد دی جائے کہ اس کتابِ کریم کے ایک ایک حرف، ایک ایک نقطہ اور ایک ایک لفظ کو
انہوں نے گن لیا، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور قرآنِ پاک کے اعجاز کا ایک زندہ نشان
تھا کہ ہم اس کے محافظ ہیں۔ اور حسابِ جمل کی رو سے اس کی صداقت پر ابد الآباد تک کے لیے ایسی
مہر لگ گئی کہ ع ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اہلِ علم حضرات راقم الحروف کی اس کاوش کو یقیناً پسند فرمائیں گے کہ یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش
اور دیدہ ریزی ہے۔ اور اس طرف آج سے پہلے کسی بزرگ نے دوسرے مشاغلِ دینیہ کی وجہ
کوشش سے خیال نہیں فرمایا۔

قرآنِ کریم کے جتنے حروف ہیں ان کا شمار مطبع کریمی بمبئی کے نسخہ قرآن مجید کے آخری صفحہ
سرورق پر دیا گیا ہے۔ ہموزِ قرآنیہ کو نظر انداز کر کے باقی تمام حروف کے اعداد بحسابِ
جمل ۶۳۶۸۹۲۱ بنتے ہیں۔ اور اس رقم کا جملِ صغیر اعجازی عدد ۹ آتا ہے۔ جو لفظِ الٰہ کا جملِ صغیر ہے

Marfat.com

جس کی حاکمیت کے اعلان کے لیے مسلمانوں کا وجود ظہور میں آیا۔

اِنَّما اِلٰھُکُم اللّٰہُ وَاحِد نہایت ہی لطف کی بات ہے کہ اس کلمہ مبارکہ کے اعداد کا جمل صغیر بھی ۹ ہے۔ یہی وہ اعجاز تھا جس کو سامنے رکھکر اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا: کہ آؤ اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنالاؤ۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرما دیا کہ وہ ہرگز ہرگز نہیں بنا سکیں گے دنیا کی کوئی طاقت ایک سورت تو کیا ایک فقرہ بھی ایسا وضع نہیں کرسکتی، جو قرآن کے ایک نقرہ کی جگہ رکھ دیا جائے۔ اور جملہ قرآن کا جمل صغیر قائم رہ سکے۔

اِلٰہ کے عدد ۳۶ و جمل صغیر ۹ کے ذکر میں ایک اتفاقیہ اعداد و شمار کا بیان خالی از لطف نہ ہوگا۔ اِلٰہ کے عدد ۹ کے بعد بفحوائے ع۔ بعد از خدا بزرگ۔ توئی قصہ مختصر رسولِ کریم کے اسمِ مبارک احمد کا جملِ صغیر ۸ ہے۔ اور لفظِ نبوّت کا جملِ صغیر بھی ۸ ہے اس کے نیچے خلافت الرّسول یا خلافت النبی کا زینہ ہے۔ ان کا جمل صغیر ۷ ہے۔ اس کے نیچے حضرت "ابوبکر" کا اسمِ گرامی ہے[۵] جس کا جملِ صغیر ۶ ہے۔ لفظ "صدیق" کا بھی جملِ صغیر ۶ ہے۔ ان کے بعد "عمر فاروق" کا جملِ صغیر ۵ ہے۔ "عثمان ذوالنورین" کا جملِ صغیر ۴ ہے۔ اور ان کے بعد "علی مرتضیٰ" کا جمل صغیر ۳ ہے یہ حساب ایک طرح سے خلافت کے درجوں کی شہادت دیتا۔ لیکن ایسے حسابات کو وزن دار نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال یہ چیزیں علم آدم الاسماء کے ماتحت اس علم کی طرف ہماری رہنمائی ضرور کرتی ہیں۔

اعداد ابجد و کتب قدیم

کیرو نے اپنی کتاب Book of Numbers میں عمداً حساب جمل کا ذکر نہیں کیا، کہ اس طرح ا عیسائیت کا تفوق قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ اور اس نے اپنے خود ساختہ اعداد یا علی طریق الق عبرانی حروف کے اعداد کو درج کر کے ان کے اعداد پیش کر دیے۔ ورنہ اگر وہ دیانت سے لے کر عربی حروفِ ابجد اور حسابِ جمل کا ذکر کرتا تو اہلِ علم کے لیے زیادہ دلچسپی کا باعث

---

[۵] آپ کا نام عبداللہ تھا اس کا جمل صغیر بھی ۶ ہے۔

یہ ظن نہیں کیا جا سکتا کہ اُسے نصیر الدین طوسی، عمر خیام اور ابو ریحان بیرونی کی کوششوں کا علم نہ ہو۔ اور علمِ جفر کی تحقیق و جستجو سے بھی بالکل ناواقفیت ہو، غالب خیال یہی ہے کہ اُس نے عمداً اس مکمل علم کو تعصبِ مذہبی کے ماتحت اپنے ناظرین سے مخفی رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور انگریزوں جیسے قومیت کے نشے میں سرشار وطن پرستوں کے لیے تو کیرو کے دو مضمون ہی جواہرات میں نکل جاتے تھے، وہ ہزار غنیمت تھے، وہ سرزمین جہاں ایک انگریز کو محض اس لیے متبرک سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ سانپ پال سکتا ہے، یا بندر نچا سکتا ہے، وہ اگر یہاں کے قلندروں اور سپیروں کو دیکھ لیں تو خبر نہیں انہیں کیا ہو جائے۔

کیرو نے اپنے پیش کردہ یونانی علمِ ابجد کی صحت پر زور دیا ہے۔ لیکن اس حساب کا نقص اسی سے آشکارا ہے، کہ چار پانچ مختلف حروف کو مساوی الاعداد قرار دیا گیا ہے Q, Y, A, I, J, سب کا عدد ایک ہے B, K, R مساوی الاعداد ہیں، عربی میں ض۔ ظ۔ ز۔ ذ مختلف حروف ہیں۔ لیکن کیرو کے حساب میں ان سب کے لیے صرف Z ہی آئے گا، اسی طرح س۔ ث۔ ص کے لیے صرف S ہو گا۔ جو اوّل نظر میں ہی حساب کے نامکمل ہونے کی غمازی کر رہا ہے۔ دوسری طرف ڈاکٹر براؤن اپنی لٹریری ہسٹری آف پرشیا میں حافظ کے قطعۂ تاریخ وفات "بجو تاریخش از خاکِ مصلیٰ" کے تحت رومن حروف کے اعداد پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ رومن علمِ ہندسہ میں V, X, M, L, C وغیرہ کے مختلف اعداد ہیں۔ لیکن اس خامی کے باوجود کیرو نے اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے کافی محنت سے کام لیا ہے۔ اور میں اس کا شکر گزار ہوں کہ اس مقالہ کی ترتیب کے سلسلے میں مجھے اس کی کتابوں سے مفید نکتے بحث کے لیے مل گئے۔

لاہور کے ایک بزرگ نے حال ہی میں مفتاح الاعداد کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جو یقیناً کیرو کی بک آف نمبرز سے سرقہ تو نہیں کہا جا سکتا، اس کے خیالات کا توارد ضرور ہے

اِن مقدمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابجد کا حساب تمام قدیم کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ اور کیرو کا علم الاعداد محض ایک ڈھکوسلا ہے۔ اُسے ہمارے علمِ ابجد کا یقیناً علم تھا، لیکن اگر وہ اس

Marfat.com

حقیقت کا دا شگاف الفاظ میں اعتراف کرتا تو اس کی عیسائیت پرستی کی عمارت اور بائیبل کی صداقت قائم نہ رہتی، اور اُسے قرآن عزیز کی عظمت کا اور جس بیکراں علم و حکمت کا وہ حامل ہے اور علم الاعداد کا ایک گنجینۂ مخفی اپنے اندر لیے ہوئے ہے، اس کا دل سے اقرار کرنا پڑتا۔ اس لیے اُس نے نہایت ہوشیاری سے حساب جمل سے اغماض کیا ہے۔ اور اہلِ یونان سے منسوب کیے ہوئے حسابِ اعداد پیش کر کے اہلِ غرض سے داد پائی ہے۔

انجیل (نیا عہد نامہ) کے آخری حصہ "یوحنا عارف کا مکاشفہ" باب ۱۳۔ آیت ۱۸۔ تھوڑی سی توجہ کا محتاج ہے:۔

Here is wisdom, let him that hath under standing count the number of the beast for it is the number of man and his number is 666

The Revelation Page, 1259

ترجمہ (از انجیل مقدس مطبوعہ لندن ۱۹۵۱ء صفحہ ۲۵۲)

"یہ حکمت کا موقعہ ہے۔ جو سمجھ رکھتا ہے وہ اس حیوان کا عدد گن لے کیونکہ وہ آدمی کا عدد ہے۔ اور اس کا عدد ۶۶۶ ہے۔"

بقول مسٹر کیرو اس آیت کی تفسیر نے بڑے بڑے پادریوں کو سرگرداں کر رکھا ہے، ۶۶۶ کی کوئی تاویل اُن کے علماء اور اہلِ دینیات کے پاس نہیں، اور خود کیرو صاحب اس عدد کا جمل صغیر ۹ کا ہندسہ بتا کر آگے چپ ہو گئے رہیں۔ یہ آیت جو دراصل ابجد کے حساب جمل کی صحت کا اعلان کر رہی ہے پادریوں کے لیے دلی خلجان کا باعث بنی ہوئی ہے۔ راقم الحروف کو عیسائیوں کے ایک معزز مبلغ سے اس آیت پر گفتگو کرنے کا موقعہ ملا، وہ بیچارے پریشان ہو گئے کہنے لگے کہ ہٹلر کے خروج پر بھی اُس کے مخالفوں نے کوشش کی تھی کہ ہٹلر کے نام کے عدد کسی طرح سے ۶۶۶ نکل آئیں" لیکن اب تک کسی شخص کے نام کے یا حیوان کے یہ عدد نہیں نکل سکے

Marfat.com

فرمانے لگے دراصل یہ یوحنا کا مکاشفہ ہے۔ اسے جوں کا توں کتابِ مقدس میں نقل کر دیا گیا ہے۔ رازِ سربستہ مکاشفہ کی خاصیت ہے۔ اس لئے ہم اسے رازِ سربستہ سمجھ کر زیادہ موشگافی نہیں کرتے۔

اس سے یہ بھی ضمناً ثابت ہو گیا کہ حسابِ جمل حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں بھی رائج تھا۔ اور ان کے حواری بھی ان رموز و نکات کے عالم تھے۔

یوحنا کے مندرجہ صدر مکاشفہ کا حل صرف اسلامی ابجد کے جمل صغیر سے ہی ہو سکتا ہے، جب کیرو نے خود ۶۶۶ کے عدد کا خلاصہ ۹ کا عدد قرار دیا ہے تو ظاہر ہے کہ Man اور Beast کے عدد یکساں ہیں اور وہ ہمارے حساب سے دُرست نکل سکتے ہیں Man کا صحیح ترجمہ آدم ہے۔ اور آدم کے عدد بحسابِ جمل ۴۵ ہیں جن کا جملِ صغیر ۹ ہے۔ اور Beast کا ترجمہ انعام ہے۔ جس کے عدد ۱۶۲ ہیں اور جمل صغیر ۹ ہے۔ آدم کا مترادف اور مساوی الاعداد لفظ انسان/۱۶۲ بھی ہے جس کا جملِ صغیر ۹ آتا ہے۔ اگر ۹ کے عدد کا جذر ۳ کا ہندسہ پیش نظر رکھا جائے تو Beast کا ترجمہ حیوان جو کیا گیا ہے اس کے اعداد ۷۵ ہیں جن کا جملِ صغیر ۳ کا عدد ہے۔ اسی طرح حیوان کا ہم معنیٰ لفظ عربی میں دابہ ہے جس کے عدد ۱۲ ہیں۔ اور جمل صغیر وہی ۳ کا ہندسہ ہے۔

کیرو نے عربی جمل صغیر کی طرف اشارہ تو کر دیا لیکن اس کے آگے حیوان اور آدم کے اعداد کی مطابقت کرنے میں اپنے پیش کردہ یونانی ابجد کی وجہ سے بالکل ناکام رہا ہے۔ یوحنا کے اس کلام کے سیاق و سباق کو غور سے دیکھا جائے تو وہ ایک فتنہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو اس سے پہلے حضرتِ موسیٰ کے دورِ نبوت میں اُمتِ موسوی کو گمراہ کر چکا ہے۔

حیوان کے لفظ پر اگر غور کیا جائے تو ہمیں ۶۶۶ اعداد کا حامل ایک لفظ "دستور" ملتا ہے۔ غیاث اللغات صفحہ ۲۰۴ پر درج ہے کہ استعمالِ این لفظ بمعنی اشتر واسپ آمده (از جہانگیری و برہان و سراج و بہار و موید و کشف) گویا کہ لغات کی سب کتابوں میں دستور کے

معنے حیوان کے ہیں۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ کے چلّہ کے باعث بنی اسرائیل میں جو فتنہ سامری نے برپا کیا تھا وُہ "بقرۃ" کی صورت میں تھا، بقرۃ کے اعداد ۲۰۷ ہیں جن کا جملِ صغیر ۹ آتا ہے۔ اور "بقرۃ" ستور کی صنف میں شامل ہے اس لیے یہی دُرست تاویل ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز بحوالہ حضرت حسن بصری ابن ابی حاتم فتح العزیز صفحہ ۲۴۱ پر ارقام فرماتے ہیں کہ "گوسالہ سامری کا عبرانی زبان میں نام بہیوت تھا"[۱] بہیوت کے اعداد ۴۲۳ بنتے ہیں جن کا جملِ صغیر ۹ ہے جو آدم کا ہے، گوسالہ سامری کے سحر کو توڑنے کے لیے حضرت موسیٰ کی آمد کی جانب فوراً ذہن منتقل ہو جاتا ہے، حضرت موسیٰ کا اصل نام جو عبرانی میں تھا، وہ "میشا" تھا۔ مے بمعنی آب اور شا بمعنی درخت۔ چونکہ فرعون نے ان کو نہر میں درختوں کے نیچے پایا تھا۔ اس لیے ان کا نام میشا رکھ دیا گیا، اور عبرانی لفظ میشا کا معرب مُوسیٰ بن گیا میشا کے اعداد کا بحساب ابجد جملِ صغیر ۹ آتا ہے۔ اس سلسلے میں جہاں قرآن حکیم دابہ کی نسبت اس کھلی ہوئی حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وما من دابۃٍ فی الارض الا علی اللہ رزقُھا اور انجیل کی ۶۶۶ کی گتھی کو سلجھاتا ہے، وہاں گوسالہ سامری سے متعلق جو ارشاد وارد ہے:۔

اتخذ قومُ موسیٰ مِن بعدہٖ مِن حُلّیھم عجلاً (پ ۹۔ رکوع ۸) اس آیت کے اعداد بحساب جمل ۲۴۲۱ ہیں جن کا جملِ صغیر ۹ ہے۔ صرف آیت کے اس ضروری ٹکڑے پر ہی غور کیا جائے جو گوسالہ سامری کی شرارت کا مظہر ہے اور کمال یہ ہے کہ سامری (۳۱۱) اور عجلاان (۱۰۴) دونوں کا جملِ صغیر ۵ کا عدد ہے جس سے ان دونوں کی آپس میں مناسبتِ تامہ پائی جاتی ہے اُدھر میشا (۳۵۱=۹) اور ہارون (۲۶۱=۹) کا جمل صغیر ایک ہی ہے[۲] عدد ۹ کی نسبت پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ علم اعداد میں اسے

۱۔ ممکن ہے عربی کا لفظ بہیمت جس کا قرآن حکیم میں بہیمۃ الانعام میں ذکر ہے، اسی عبرانی لفظ کا معرب ہے۔

۲۔ اس آیت کے اعداد بحسابِ جمل ۲۱۸۷ ہیں۔ اور جمل صغیر ۹ ہے۔

۳۔ یہ یوحنا کے مکاشفہ کی تاویل کہی جا سکتی ہے، بہرحال یہ تاویل ہر مذہب کی تاویلوں سے بہتر ہے اور یہ بحث محض اس لیے کی گئی ہے کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ عربی علم ابجد تمام دُوسرے حساباتِ ابجد سے فائق ہے۔

Marfat.com

عدو الہی قرار دیا گیا ہے۔

قرآنِ عزیز کے اعجاز کی نسبت میرے جیسے گنہگار کا کچھ لکھنا زیب نہیں دیتا، البتہ جب کیرو جیسا جوتشی انجیل کے اعجازِ مفروضہ کو پیش کر سکتا ہے اور انہی ہندسوں کے عجائبات کے پیشِ نظر اس کی برتری کا دعویٰ کر سکتا ہے تو پھر ہر مسلمان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کیرو کے حساب کو غلط قرار دے اور قرآن حکیم کے معجزوں کا اعلان کرے۔ اس مسئلہ پہ اگرچہ روح المعانی اور تفسیر ابن کثیر میں نہایت خوبصورتی سے بحث موجود ہیں، لیکن ان سب کی تفصیل نہایت شاندار طریقہ سے حضرت مولانا شبیر احمدؒ نے اعجاز القرآن کے نام سے ایک مستقل رسالے میں قلمبند فرمائی ہے۔

سورۂ یونس کی آیت مبارکہ وَمَا هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی شرح کے سلسلے میں مولانا محمود حسن نے جو نفیس حاشیہ لکھا ہے، اُس کا خلاصہ یہاں درج کرنا باعثِ برکت ہوگا۔

قرآنِ پاک کے علوم و معارف، احکام و قوانین اور معجزانہ فصاحت کے پیشِ نظر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ خداوندِ قدوس کے سوا کوئی انسان ایسی کتاب پیش نہیں کر سکتا، پورا قرآن تو بجائے خود رہا۔ اس کی ایک سورۃ $\frac{}{\text{۲۲۶}}$ کا مثل لانے سے بھی تمام جنّ و انس عاجز ہیں، ایسا جامع، بلیغ، پُر حکمت اور نورِ صداقت سے لبریز کلام خدائے دو جہاں کا ہی ہو سکتا ہے۔ دُنیا کی ساری مخلوق کو دعوتِ عام ہے کہ ایک چھوٹا سا کلام قرآن کی مانند پیش کرے۔ لیکن آج تک کوئی ایک سورت بھی بنا کر نہ لا سکا۔ کلام اللہ کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت، مؤثر اور دلربا طرزِ بیان، بُرکاری، تموّج، سہلِ ممتنع، سلاست و روانی، اسالیبِ بیان کا تفنن، اُس کی لذّت و حلاوت اور ہیبت و شکوہ، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنھوں نے بڑے شور اور بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلے کا چیلنج دے دیا ہے۔ جس وقت سے قرآن کے جمالِ جہاں آرا نے غیب کی نقاب اُلٹی، اور اولادِ آدم کو اپنے سے روشناس کیا، اُس کا برابر یہ دعوے رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں، اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین خدا کے سورج جیسا سورج اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دُنیا عاجز ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دُنیا عاجز رہے گی [۵]

۵۔ حاشیہ سورہ یونس قرآن مترجم مطبوعہ بجنور صفحہ ۲۷۵

Marfat.com

چونکہ قرآن جیسا قرآن تو لایا نہیں جا سکتا، بعض لوگوں نے انجیل اور زبور و توریت کے اعجاز کو پیش کر کے قرآنِ عزیز کے آفتابِ عالمتاب کی ضیا کو دھندلا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس ناکام کوشش میں وہ یہ بھول گئے ہیں کہ یہ آسمانی کتابیں بھی تو قرآن کریم کی تصدیق سے مسلمانوں کے لئے آسمانی ہیں۔ اور اگرچہ اب محرّف اور بہت حد تک تبدیل کر دی گئی ہیں، اور وہ زبر و زبان کی تحریف عمل میں لائی جا رہی ہے، پھر بھی اگر ان کتب کی ایک آدھ آیت یا پیراگراف سے متعلق کوئی اعجاز بیان ہو جائے تو اس سے قرآنِ پاک کی حقانیّت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ راقم الحروف کا مقصد ان سطور سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ قرآن مجید کی غلغلہ انداز فصاحت و بلاغت کے علاوہ بھی ایک اور اعجاز ہے جس کی طرف اب تک علمائے حق نے توجہ نہیں کی، اور وہ اعجاز ہے اس کی ترتیب و تدوین کا، جو اعداد ابجد سے بے مثل ثابت ہوتی ہے۔ اس کلام پاک میں آیتوں کی آیتیں اس طریق سے لائی گئی ہیں کہ اگر صرف ایک حرف بھی اس آیت سے نکال لیا جائے تو فوراً اس خزانے کے شمار میں کمی رونما ہو جائے گی، اس لئے ابد الآباد تک کسی سارق اور بٹ مار کو یہ جرأت نہیں ہو سکے گی کہ وہ تحریفِ قرآن کی ملعونانہ کوشش کا خیال بھی دل میں لائے۔

ہر چند کہ اس موضوع کا اقوال: التاریخ کے ماتحت لانا ضروری نہیں، لیکن چونکہ جملِ صغیر کے طریقہ کا ذکر کرنا ضروری تھا اس کی تشریح میں یہ مسئلہ اتفاقاً نظر کے سامنے آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے مسئلہ اعجاز القرآن پر بھی ایک مختصر سی بحث قارئینِ کرام کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش کر دی گئی۔

قرآن کریم کے اعجاز سے متعلق عربی کا مشہور شعر ہے

جمیعُ العلمِ فی القرآنِ لٰکن ۔۔۔ تقاصُرُ عنهُ افهامُ الرِّجال

بالکل واضح ہے ہم اپنے قصورِ فہم سے نہ سمجھ سکیں، لیکن قرآنِ عزیز میں سارے ہی علم موجود ہیں۔ اور یہ اعداد وہی ہیں جو سورۃ الجن کی آخری آیت وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا میں اشا

کیا گیا ہے۔ یا پارہ عم سورۃ النبا میں وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ کِتٰبًا، یعنی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے اور اسی علمِ محیط کے موافق دفاتر میں باقاعدہ مندرج ہے ۵۱

مکاشفہ زیرِ بحث کے ترجمہ میں جیسا کہ مترجم انجیلوں میں خود عیسائیوں نے کیا جس کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے، پہلا جملہ یہ ہے :۔

یہ حکمت کا موقع ہے (Here is Wisdom

ہمارے ابجد کے حساب کا کمال اسی سے پایا جاتا ہے کہ جہاں انعام/۱۶۲ آدم/۴۵ کا ایک ہی جملِ صغیر یعنی ۹ کا عدد ہے، وہاں حکمت/۴۶۸ اور موقع/۲۱۶ کا جملِ صغیر بھی ۹ کا ہی عدد ہے۔ اس لئے آج سے ۱۹۶۰ برس پہلے یوحنا نے جس طرزِ بیان سے کام لیا ہے وہ عربی ابجد کی اکملیت کا ہی ثبوت ہے اعداد اور حساب کے عجائبات کا ذکر یوحنا کے مکاشفہ سے بھی بہت پہلے کی اہلِ ہند کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ کبھی اس خاص پہلو کی طرف لوگوں کا ذہن منتقل نہیں ہوا اس لئے مسائل ریاضی تازہ معلوم ہوتے ہیں۔

حسابِ ابجد میں جملِ صغیر اور جملِ وسیط پر تاریخ گوئی کے فن کے ماتحت کوئی مفصل بحث موجود نہیں، لیکن علم الاعداد میں بعض اعداد کے اقدار ضرور ایسے ہیں جن کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ۹ کے عدد سے متعلق پہلے اشارات گزر چکے ہیں ۹ کے بعد ۶ کا ہندسہ، ۳ کا ہندسہ اور ایک عدد یہ خاص طور پر اہم ہیں، عدد ۳ کی اہمیت اگرچہ پہلے بھی بہت زیادہ ہے کہ یہ ۹ کا جذر ہے اس لئے تمام قدروں کا حامل ہے لیکن موجودہ ترقی یافتہ سائنس نے ایٹم کے ذرات کی کل تعداد کا جملِ صغیر بھی ۳ کا عدد قرار دیا ہے۔ بقول جارج گیمو[۵۲] یہ تعداد ۳ کے عدد کو ۴ دہائیوں سے ضرب دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ازمنہ قدیم میں ہندسوں کو اس طرح لکھنے کا طریق معلوم تھا، نہ اعشاری نظام کا علم تھا۔ لیکن اب یہ رقم جو ۳ کے عدد کے ساتھ

---

۵۱ قرآن مترجم حضرت شیخ الہند، مطبوعہ بجنور صفحہ ۸۰۵
۵۲ جارج گیمو کا شمار دنیا کے اُن سب سے بڑے تین سائنس دانوں میں ہوتا ہے، جنھیں ایٹم بم کے راز کا علم ہے۔ ان کو آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کا ماہر تسلیم کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

۴، صفر لگانے سے لکھی جاتی ہے، اب اس طریق سے لکھی جاتی ہے :- 3.10^{74}

جارج گیمو کی رائے میں یہ طریق شمار قریباً دو ہزار سال قبل ایک نامعلوم الاسم ہندی ریاضی دان کے دماغ کی کاوش کا مرہونِ منت ہے۔ اس حساب دان کے طریق سے قدیم مصریوں کا طریقِ نگارشِ اعداد بہت مختلف رہا ہے۔ جیساکہ جارج گیمو نے مثال کے طور پر اپنی کتاب[۵۱] میں نقل کیا ہے :-

قدیم مصریوں میں ۸۷۳۲ کی رقم حسب ذیل طریق سے لکھی جاتی تھی۔

اور یہی رقم جولیس سیزر کے زمانہ کا دفتری عہدہ دار یوں لکھتا تھا :-

MMMMMMMM DCCXXXII

موخر الذکر طریق تحریر کچھ مانوس معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ رومن ہندسوں کا اب بھی بعض بعض تحریروں میں رواج پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ طرز بہر حال بہت ہی پیچیدہ اور مشکل ہے۔ خصوصاً جب کروڑوں کی رقم لکھنی پڑے تو کلرک کے سر پہ مصیبت کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اسی لیے زمانہ قدیم میں اعداد و اشیاء کو جو ہزاروں سے اوپر ہوتی تھیں، انھیں بیروں از حد شمار اور لا انتہا کہہ دیا جاتا تھا۔

عجائباتِ اعداد

باوجود اس کے کہ حکیم ارشمیدس[۵۲] کی کوششوں سے لے کر اب تک سائنس نے ترقی کی کئی منزلیں طے کر لی ہیں، اور وہ اجرام جن کو لاتعد و لاتحصیٰ سمجھا جاتا تھا، اب وہ حیطہ شمار میں آگئے ہیں۔ مثلاً قدیم ہندوستان کے ایک راجہ شری رام اور اس کے ریاضی دان وزیر اعظم سیسا بن داہر[۵۳] کا قصہ جو شطرنج کی بساط سے متعلق ہے

۵۱- جارج گیمو کی دلچسپ تصنیف "One Two Three Infinity" صفحہ ۱۶

۵۲- حکیم ارشمیدس تیسری صدی قبل مسیح کے زمانے کا مشہور یونانی سائنس دان تھا۔

۵۳- سیسا بن داہر کے نام سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہ روایت عربی سے دنیائے سائنس میں پھیلی ہے۔ سیسا بن داہر کی ترکیب خالص عربی ہے۔

Marfat.com

اہلِ علم نے سُنا ہوگا، یہ وزیرِ اعظم شطرنج کے کھیل کا موجد بیان کیا جاتا ہے۔ راجے نے جب اس کھیل کی تفصیل سُنی تو بے حد خوش ہُوا اور وزیر سے وعدہ کیا کہ وُہ اسے منہ مانگا انعام دیگا بساطِ شطرنج کے ۶۴ خانوں کی نسبت ہشیار حساب دان وزیر نے یہ "عاجزانہ سی درخواست" نہایت سادگی سے پیش کر دی کہ حضور اگر کرم فرمائی کریں تو اس بساط کے پہلے خانے پر گیہوں کا ایک دانہ رکھ کر دُوسرے خانہ پر دُو دانے۔ تیسرے خانے پر چار دانے، چوتھے خانے میں آٹھ دانے، علیٰ ہٰذا القیاس ہر خانے پر پچھلے خانے سے دُگنے دانے کر کے مجھے وُہ گندم کے حقیر سے دانے ۶۴ خانوں تک شمار کر کے عطا فرمائیں تو ساری عمر حضور کے مال و جان کو دُعائیں دیتا رہوں گا۔ بھولا بادشاہ اس درخواست کی تہ تک نہ پہنچ سکا، حساب دان تو تھا نہیں چالاک وزیر کے اس مطالبے پر کھلکھلا کر ہنسا اور حکم دیا کہ فوراً گندم کی ایک بوری لے آؤ۔ اور ۶۴ خانوں تک دانے گن کر وزیر کا مطالبہ پُورا کر دو، لیکن اس سادہ لوح راجہ کو کیا خبر تھی کہ وُہ اس مطالبے کے پُورا کرنے میں اگر ساری سلطنت بھی بیچ ڈالے تو یہ مطالبہ پُورا نہ ہوسکیگا

جب راجہ کے سامنے گنتی شرُوع ہوئی تو بیسویں خانے میں پہنچنے تک وُہ گیہوں کی بوری ختم ہوگئی۔ اب دراصل بیسویں خانے سے بوریوں کا حساب شرُوع ہو رہا تھا، یعنی گیہوں کا ایک دانہ جو پہلے خانے سے شرُوع ہُوا تھا، اب اکیسویں خانے میں دو بوریاں بن چکا تھا اور بائیسویں خانے میں اسے چار بوریاں بننا تھا، حکم ہُوا کہ اور کچھ بوریاں لے آؤ۔ لیکن جلدی ہی یہ ظاہر ہوگیا کہ ہندوستان میں سارا پیدا ہونے والا غلہ بھی اس مطالبے کے سامنے ہیچ ہے۔ اب تک کسی نے یہ تعداد و شمار نہیں کی تھی، اور اسے لاتعداد سمجھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن جارج گیمو[سلہ] کے مرہونِ منت ہیں کہ اُنھوں نے یہ تعداد بھی گن کر رکھ دی، ان کے حساب کے مطابق کل ۱۸۴۴۶۷۴۴۰۷۳۷۰۹۵۵۱۶۱۵ دانے درکار تھے۔ اور گیمو نے ہی حساب لگایا ہے کہ اگر تمام دُنیا کی گیہوں کی پیداوار کو بھی شامل کر لیا جائے، تو تقریباً دو ہزار سال میں یہ انعام

سلہ۔ جارج گیمو کی کتاب (ONE TWO THREE) صفحہ نمبر ۲۰

Marfat.com

ادا ہو سکے گا۔

سیسا بن داہر وزیر اپنے بادشاہ کے سامنے شطرنج کے کھیل کی تفصیل بیان کر رہا ہے :۔

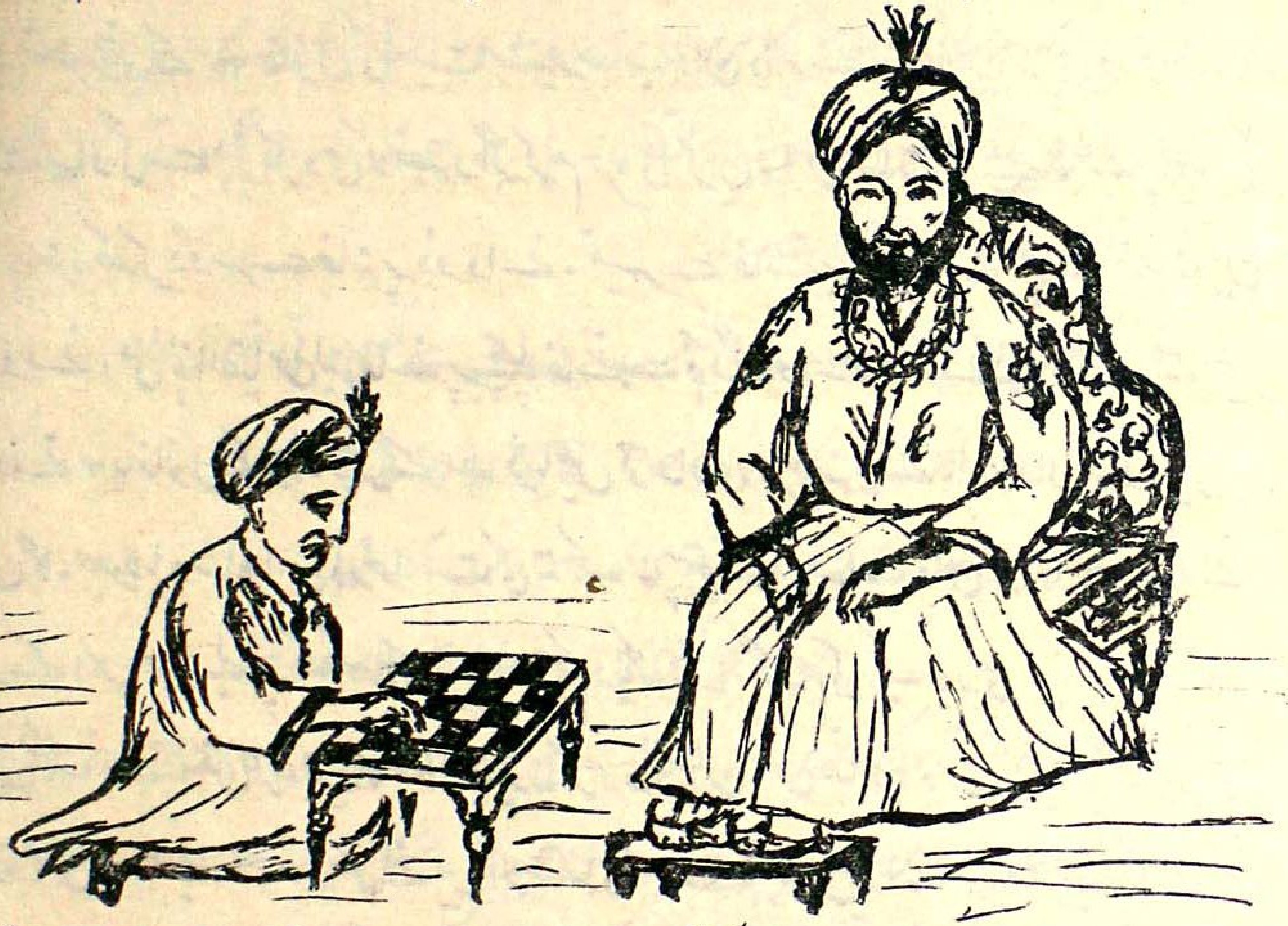

اِسی طرح کے حساب کے عجائبات کی ایک اور مثال بھی ہے۔ اور وُہ بھی قدیم اہلِ ہند کے دماغ کی اختراع ہے۔ جس کا ذکر ریاضی کے دِل چسپ مسائل کے مورّخ بال[لہ] نے محض تفننِ طبع کے لیے درج کیا ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ کاشی (بنارس) کے مشہور مندر میں جہاں برہما کا بُت قدیم الایام سے نصب ہے۔ اس کے سامنے پیتل کی ایک تختی میں ہیرے کی تین باریک سلاخیں جو معمولی پنسل سے موٹی نہیں اور بیس بیس انچ لمبی ہیں، نصب ہیں۔ اِن میں سے ایک سلاخ پر سونے کے ۶۴ سُوراخ دار پیسے یا حلقے پروئے ہُوئے ہیں۔ اس ترتیب سے کہ سب سے نیچے بڑا پیسہ ہے۔ اس کے اُوپر اس سے چھوٹا۔ حتیٰ کہ بیس انچ لمبی سلاخ پر ایک مخروطی شکل کا چھوٹا سا مینار ۶۴ حلقوں سے بن گیا ہے، جس میں یہ ہیرے کی باریک سی لاٹھ ہے۔ اور دو سلاخیں خالی کھڑی ہیں۔ اس نقشہ کا نام برہما کا خاتمہ کائنات کا مینا

لہ W.W.R BALL "MATHEMATICAL RECREAHONS ESSAYS"

Marfat.com

رکھا گیا ہے۔ اس کی نسبت یہ عقیدہ ہے کہ برہما بُت نے تخلیقِ کائنات کے وقت خالص سونے کے یہ ۶۴ حلقے یا بار یک پہیے اس شکل میں پرو کر رکھ دیے تھے۔ اور مندر کے پُجاری کی عبادت یہ مقرر کی کہ وہ روزانہ یہ کام کرے کہ یہ حلقے ایک ایک کر کے پہلی سلاخ سے اُٹھائے اور پھر سے کی دُوسری سلاخ میں اِن تینوں سلاخوں کی مدد سے اس ترتیب سے پرو دے کہ بیک وقت ایک ہی حلقہ سلاخ سے اٹھایا جائے۔ اور دُوسری سلاخوں میں سے ایک میں اس طرح پرو کر ختم کر دیا جائے کہ چھوٹے حلقے کے اُوپر کسی حالت میں اس سے بڑا حلقہ نہ رکھا جائے۔ بلکہ جب دوسری سلاخ میں یہ سارے حلقے منتقل ہو جائیں تو پھر اس سلاخ پر وہی مخروطی شکل کا ۶۴ حلقوں کا مینار بن جائے۔ کوئی حلقہ زمین پر نہ رکھا جائے۔ بلکہ جب پہلی سلاخ سے ایک حلقہ اٹھایا جائے تو اُسے رکھنے کے لئے باقی ماندہ دونوں سلاخوں سے مدد لی جائے۔ اور ضرورت پڑے تو پہلی سلاخ پر لوٹایا جا سکتا ہے۔ لیکن چھوٹے پر بڑا حلقہ نہ آنے پائے۔ جب بھی دُوسری سلاخ پر یہ مخروطی مینار مکمل ہو جائے گا، تو وہ دُنیا کی تباہی کا دن ہو گا۔

برہما کے بُت کے سامنے پجاری سونے کے حلقے ایک سلاخ سے نکال کر دُوسری سلاخوں میں پرو رہا ہے

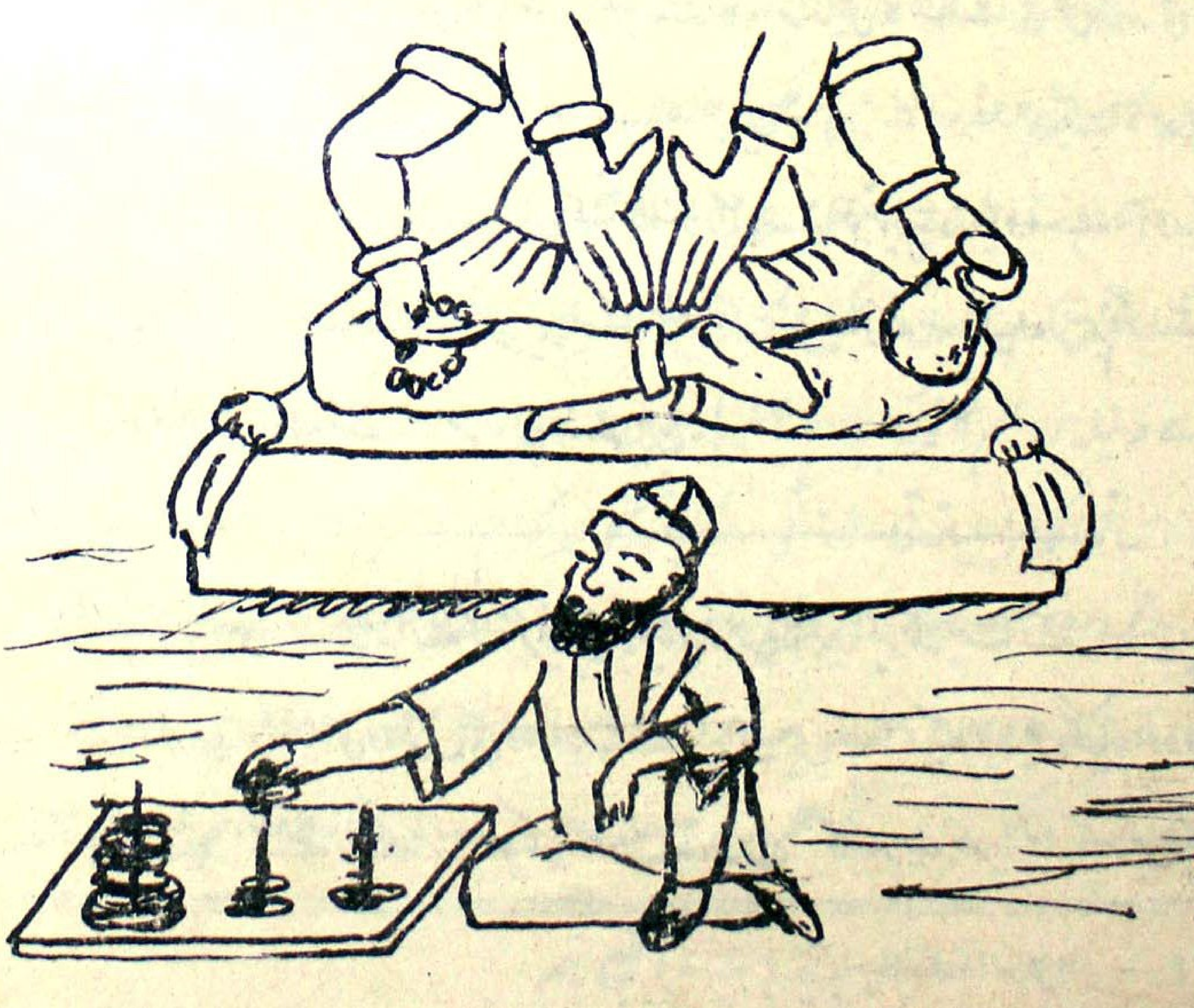

Marfat.com

—— اور کچھ نہیں تو اس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ خود ہندوؤں میں قیامت واقع ہونے کا عقیدہ موجود ہے۔ جسے بعد میں آریاؤں کے مسئلہ تناسخ نے مکدّر کر دیا۔ اس طریقہ کو اوپر کی فرضی تصویر میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بظاہر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کس طرح یہ سوراخ دار پہیے اُلٹے پلٹے جائیں۔ تصویر سے کچھ مدد مل سکے گی —— اس ناقابلِ شمار عرصہ کو بھی جارج گیمو جیسے سائنس دان نے شمار کر لیا ہے۔ اور قدیم اہلِ ہند کی حساب دانی کی داد دی ہے۔ ان ۶۴ چھلوں یا پہیوں کو ایک سلاخ سے دوسری سلاخ تک منتقل کرنے میں جو مدّت درکار ہو گی، اس کا تصور بھی اس سے پہلے نہیں آ سکتا تھا، اور بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک گھنٹے کا کام ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔ اس سارے کام کے لیے بھی اتنی ہی مرتبہ حرکت کرنی ہو گی جتنی شطرنج کے خانوں میں دانے پُر کرنے کی تعداد ہے۔ اور اس ساری تعداد کا جمل صیغہ کا ہندسہ ہے۔ جارج گیمو کے حساب کے مطابق اگر اس مندر کے پجاری دن رات اسی کام میں لگے رہیں اور ایک دن بھی ناغہ نہ کریں، اور ایک حلقہ کو پہلی سلاخ سے نکالنے اور دوسری سلاخوں میں ادل بدل کر ایک سوراخ میں لانے کی ہر حرکت میں ایک سیکنڈ کا عرصہ خرچ ہو تو ۵۸ ہزار ارب سال میں دوسری سلاخ پر وہ مخروطی مینار بن سکے گا، ہماری کائنات کی کل زندگی کی نسبت مادہ پرست سائنس دانوں کا یہ نظریہ ہے کہ ۲۰ ارب سال میں یہ ہیولے ضرور ہی تباہ ہو جائے گا۔ اس حساب سے قدیم اہلِ ہند کا ۵۸ ہزار ارب سال تک کا شمار کر لینا تو بہت زیادہ ہے۔ اور ان کی حساب دانی میں یکتائی کی دلیل ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ حساب کے مسائل اور علم فلکیاتِ بروج و کواکب میں قدیم عرب اہلِ ہند کے مرہونِ منت ہیں۔

ریاضی کے عجائبات کا ذکر یونہی بر سبیل تذکرہ آ گیا، کیونکہ بحث کے لیے یہ پہلو نکل آیا تھا کہ علم ہندسہ تو ہندی ریاضی دانوں کی وساطت سے ایران میں خلفاء کے عہد میں گیا، اور ریاضی داں بھی سندھ سے گئے۔ جبکہ محمد بن قاسم سندھ پر حملہ آور ہو چکا تھا اگر اس نظریہ

کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر علم جفر اور حسابِ ابجد کا آغاز اس زمانے سے ہی سمجھنا چاہیئے۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے گزارش کر چکا ہوں، عرب علم ہندسہ سے بہت پہلے سے واقف تھے۔ بادشاہی مسجد لاہور میں اگر تبرکات پر نظر غائر ڈالی جائے تو وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ایک تعویذ صد در صد کا محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس تعویذ کے ہندسے نہایت ہی خوشخط لکھے ہوئے ہیں۔ اس تعویذ کو اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عرب علم ہندسہ سے بہت قدیم عرصے سے آشنا تھے۔ ہمیں اسلام سے قبل کے عربوں کا کچھ اس طرح کا تصوّر ہے کہ وہ جاہلِ مطلق تھے، اُجڈ اور گنوار تھے۔ اور علم سے انھیں مس تک نہیں تھا، لیکن خود قرآن منیر میں اس عہد کے مدرسوں اور خانقاہوں کا ذکر موجود ہے۔ قرآن مجید جیسی مہتم بالشّان فصیح اور سلیس کتاب مبین کا عربی میں نازل ہونا ہی ثابت کرتا ہے کہ وہ ایسی قوم کے لئے آیا جو اس وقت عربی علم ادب میں معراجِ کمال حاصل کر چکی تھی، وہ قوم جو سبعہ معلقہ کا چیلنج دُنیا کے سامنے پیش کر سکتی تھی، وہ قوم جو اپنے مقابلے میں غیر عربوں کو عجمی کہہ سکتی تھی، کیا وہ جاہل اور اجڈ قوم تھی؟ قرآن مجید جیسی نورانی کتاب کا نزول ہی ظاہر کرتا ہے کہ اس کتاب کی نکتہ وری کو سمجھ کر دل و جان کھو دینے والے علم کے سرتاج تھے۔ ورنہ ایسی ارفع و اعلیٰ اور جامع کتاب ان کے سامنے پیش نہ کی جاتی۔ یہی بات ثابت کرتی ہے کہ ہندسوں کا موجودہ صورت میں لکھنے کا رواج نزولِ قرآن سے قبل عربوں میں رائج تھا اور حسابِ ابجد سے لازمی طور پر انھیں شناسائی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ ہندسوں کی مکمل صورت ابوجعفر محمد بن الخوارزمی کی مرہونِ منت ہے جس کی روشن شمع سے دُنیا میں علم کا نور پھیلا اور آخر بارھویں صدی میں صِفر کے اضافہ سے جو علمائے عرب کی ایجادِ خاص ہے، اس فن کو مزید ترقی ملنے لگی۔ غالباً شیخ محمد اکرام صاحب کا ماخذ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ (Numerala) ہے جس میں اس جامع اللغات کے مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ خلیفہ ولید (۷۰۵ - ۷۱۵ھ) تک عربوں میں علم ہندسہ کا رواج نہیں تھا[۵۱] لیکن اسی مقالہ میں یہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ قدیم عربوں کے نامکمل ہندسوں کا علم پانچویں صدی میں یورپ تک جا چکا تھا، بہرکیف ہمیں اصل

---

۵۱. صفحات ۶۲۵ — ۶۲۶ - انسائیکلوپیڈیا جلد ۷ الطبع نہم

Marfat.com

مضمون کی طرف رجوع کرنے کے لئے اس بحث کو اب یہیں ختم کرتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا کے فاضل مدیران نے تسلیم کیا ہے۔ ہندسہ اور ابجد (ALPHABAT) کا ماخذ بالکل غیر واضح ہے۔[۵۱]

اگر ہندسہ کا کوئی علم کسی حد تک محدود قرار دیا جا سکتا ہے تو یقینی ہے کہ شطرنج کے موجد کا زمانہ بہترین زمانہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ شطرنج ایک ماہر حساب دان کے شگفتہ دماغ کا نتیجہ ہے اس زمانے میں علم ہندسہ اگرچہ عام نہ ہو لیکن کروڑہا کروڑ من گیہوں کے دانوں کا شمار کرنے کے لئے ایسے نشانات ضرور موجود تھے جس کا ثبوت وزیر نے اس کھیل کے ایجاد پر انعام حاصل کرتے وقت دیا۔

شطرنج کی ایجاد کے زمانے کے تعین کے لئے انسائیکلوپیڈیا کے باب (CHESS (شطرنج) سے مدد لینا پڑی، اس کتاب کے صفحات ۵۹۶ سے ۵۹۹ تک کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے اہلِ ہند کی ایجاد قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ کھیل تین چار ہزار سال پہلے ایجاد ہوا تھا، لیکن کافی بحث کے بعد فاضل مصنفین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کم سے کم ایک ہزار سال قبل یہ کھیل ایک ہندی برہمن نے ایجاد کیا تھا، اور ہندوستان سے عربوں تک پہنچا، ہندی نام چترنگا تھا، جسے عربوں نے شطرنج بنا لیا اس کھیل میں میدانِ جنگ کا نقشہ جمایا جاتا ہے اور گھوڑے ہاتھیوں کے مہروں سے یہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ ہاتھی ہندوستان کا حیوان ہے۔ اس وقت افریقہ کے جنگل نامعلوم تھے اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ اہلِ بابل یا کلدانیوں نے پرانے سواروں سے کھیل لڑنے کا نقشہ جمانے کا خیال کیا ہو، بہرکیف اس کھیل کے موجد کی حساب دانی یہ ظاہر کرتی ہے کہ علم ہندسہ اس وقت تک اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ کمال ہی سے اس علم کو عروج حاصل ہونا شروع ہو گیا تھا۔

اس طولانی تمہید کے بعد اصل مطلب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں، حسابِ جمل سے بھی قرآن حکیم کے معجزات کا ایک پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ راقم الحروف

---

۵۱ - صفحہ ۶۲۶ انسائیکلوپیڈیا مذکور

نے تو آسانی کے پیشِ نظر صرف جملِ صغیر کے اعداد کا ہی ذکر کیا ہے اور ان کا ہی مجمل بیان کروں گا لیکن جس طرح کہ اپنی ہیچ نشناسی کے باوجود میں نے لکھا تھا کہ اس پہلو کے بے نقاب کرنے کا خیال اگر مجھ گنہگار کو آیا ہے تو یہ اُس خدائے رحیم وکریم کی خاص رحمت وفضل ہے۔ لیکن مجھ سے بہت پہلے ایک اور بزرگ بھی اسی طرح کا خیال پیش کر چکے ہیں، اور وہ واقعی صاحبِ علم بھی تھے۔ اگرچہ ان کے خیال و طریق میں کافی فرق ہے۔ ملا حسین واعظ کاشفی کی تفسیر حسینی ہندوستان میں منشی نول کشور کے مطبع سے بار دوم ۱۲۸۸ھ میں طبع ہو کر اشاعت پذیر ہوئی تو جیسا کہ اُس وقت کا طریقہ تھا، اس تفسیر کی تاریخ اشاعت کے قطعات تاریخ بھی اچھے اچھے فاضل شعراء نے لکھے خود منشی انوار حسین صاحب تسلیم مرحوم کے قطعات ملاحظہ ہوں:۔

جو تفسیر مطلوب تھی وہ چھپی | خدا کی قسم مشکل آساں ہوئی
لکھو جلد تسلیم تاریخ تم | عجب طبع تفسیر قرآں ہوئی

۱۲۸۸ھ

دیگر

چوں بافضالِ خدا ایں تفسیر | گشت در وقتِ حسن طبع پذیر
گفت تسلیم سنِ طبعش خوب | کہ شدہ طبع حسینی تفسیر

۱۲۷۹ فصلی

اسی طرح تسلیم مرحوم نے "چاپہ تفسیر حسینی شد عجیب" بھی مادہ سال ہجری لکھا ہے۔

اس تفسیر پر تسلیم کے ایک ہمعصر فاضل شاعر نے بھی ایک تقریظ لکھی ہے جو تفسیر کے بڑے ۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ آغاز ہے:۔

"تقریظ چکیدۂ خامۂ ظہیر ثانی رشکِ ظہوری و خاقانی منشی محمد ظہیر الدین خان صاحب ظہیر"

تقریظ میں جو قابلِ ذکر نکتہ ظہیر مرحوم نے پیش کیا ہے، وہ ان کی زبان سے سُن لیجیے۔ یہ ذکر کرتے ہوئے کہ اب تک قرآن عزیز کی لاتعداد تفاسیر اس لیے کی گئی ہیں، کہ ہر شخص اپنے حصہ کے مطابق جو اسے مشیت سے ملا ہے، اپنے ادراک علم کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

"ازاں جملہ صنعتے عجیب محال عقلی کہ از مکان و اختیار بشر بیرون است در بسم اللہ دیدہ شد کہ اظہارِ آں غالباً کہ بہ سجعہ ہیں کاتب تقریظ باشد۔ زیراکہ در ہیچ کتاب دیدہ و شنیدہ نہ شد"
اس کے بعد انھوں نے بسم اللہ کے مشہور اعداد بحساب ۷۸۶ کا ذکر کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف ۱۹ ہیں، اور کمالِ کلام الٰہی یہ ظاہر کیا ہے کہ اس جملہ شریفہ کے زبر و بیّنات کے عدد مساوی ہیں، اور یہ ایسا کمال ہے کہ انسانی طاقت ایسے کمال کے اظہار سے عاجز ہے۔ فرماتے ہیں کہ بحساب جمل تو اعداد بسم اللہ ۷۸۶ ہوئے۔ لیکن اگر ان ۱۹ حروف کے صرف بیّنات کے اعداد جمع کریں تو وہ ۷۶۷ آئیں گے۔ اور ان میں اصل بسم اللہ کے ۱۹ حروف کی تعداد شامل کر دی جائے تو پھر یہ حاصل جمع بھی ۷۸۶ ہوگی، جو فی الواقع عجیب معجزہ ہے۔ اس موضوع پر قطعۂ ظہیر ملاحظہ ہو:-

ؔ۱ چوں نوزدہ حروف بہ بسم اللہ آمدہ است — خوش نکتۂ لطیف دریں است یاد دار
یعنی کہ بیّنات و زبر متّحد شود — در بیّنات نوزدہ کم شد چو در شمار
آں نوزدہ حروف کند جبر ایں کمی — تا در شمار ہر دو برابر شد آشکار
ایں صنعتے ست معجزہ از قدرت خدا — انسان بہیچ صنع نمی دارد اختیار
چوں شد مشیّش پئے اظہار مقتضی
در حصّۂ ظہیر شد اظہار استتار

حضرتِ ظہیر مرحوم کے اچھوتے خیال کی داد نہ دینا ظلم ہوگا، وہ صاحبِ علم و فضل بزرگ تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ گوئی کا ملکہ ان میں بے نظیر تھا۔ اُن کا دعویٰ ہے کہ ابجد کے حساب سے قرآن کریم نے لا رطب ولا یابس الا فی کتابٍ مبین کے ماتحت ہر واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی تاریخ کا مادہ بھی قرآن پاک میں موجود ہے لیکن انھوں نے اپنے ممدوح شاہ محمد علی والیِ اودھ کا سال جلوس ۱۲۴۴ فصلی اور سال ہجری ۱۲۵۳ قرآن مجید کی آیات سے نکالنے کا دلچسپ مشغلہ پیش کیا ہے۔ اور آیت کریمہ رب ادخلنی

ؔ۱۔ صفحہ ۱۰۸ تفسیر حسینی مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو ۱۸۷۴ء بار دوم

مدخل صدقٍ واخرجنی مخرج صدقٍ واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیرا سے بطور
تعمیہ وتخرجہ کسی طریقے بیان کرکے ممدوح کا سالِ جلوس نکالا ہے۔ چھوٹتے ہی انھوں نے ربّ (۲۰۲)
کے اعداد کو ممدوح کے نام محمد علی (۲۰۲) سے برابر کرکے کئی کرشمے تاریخ کے پیش کیے ہیں۔ اُن کا
یہ بھی اچھوتا خیال ہے کہ تاریخ گوئی کی صنعت تعمیہ وتخرجہ بھی (جس کا ذکر بعد میں آئے گا) اسی
تذکرۃ الصدر آیت کی مرہونِ منت ہے۔ اور اسی آیت نے یہ دخل وخرج تاریخ گوئی
کو عطا کیا ہے۔ ظہیر، تسلیم کے ہمعصر تھے، لیکن عجیب بات ہے کہ تسلیم نے اپنے ایسے باکمال
ہمعصر کی اس نازک خیالی کا کہیں ذکر تک نہیں کیا۔ اور جلال لکھنوی کے خلاف ہی زورِ قلم
صرف کیا گیا ہے۔

بسم اللہ کے اعداد اور حروف سے متعلق آپ ظہیر کی نکتہ پروری اور بدیہہ آفرینی ملاحظہ
فرما چکے ہیں، اس سے دوسرے درجے پر فیضی کی بدیہہ آفرینی ہے، اگرچہ فیضی کے سر اولیت
کا سہرا ہے۔ فیضی اپنے بھائی ابوالفضل کی طرح دربارِ اکبری کے نورتن میں تھے۔ اور دراصل
یہی دونوں بھائی اکبر کے نئے دین کے موجد اور محرک تھے، دینِ الٰہی میں بادشاہ اکبر کو آفتاب
کا درجہ دیا گیا تھا، دوسرے شعرائے دربار نے بھی جا و بے جا آفتاب کا لفظ اپنے شعروں میں
استعمال کرنا شروع کر دیا، کہ یہ بادشاہ کی خوشنودی کا موجب بنے گا، چنانچہ اکبری عہد کے مشہور
شاعر فغانی نے ایک نعتیہ شعر میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آفتاب سے تشبیہ دے کر
یہ مشہور شعر بادشاہ کو سنایا ؎

مسیحا یار و خضرش ہمرکاب و ہمعنان عیسیٰؑ ٭ فغانی آفتابِ من بدیں اعزاز می آید

اکبر جو قدرتی طور پر سخن فہمی اور سخن شناسی کا جوہر اپنے اندر رکھتا تھا، اس شعر کو سن کر
بے حد خوش ہوا۔ لیکن کہنے لگا کہ آفتاب کی جگہ اگر شہسوار ہوتا تو شعر زیادہ فصیح اور بلند
ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ اس شاہانہ اصلاح سے شعر چمک اٹھا ہے۔

فیضی نے جس کا پیشہ ہی اپنے بھائی کی طرح تملق اور چاپلوسی ہو چکا تھا، بادشاہ کی تعریف

Marfat.com

میں یہ پُر معنی اور برجستہ رباعی کہی ہے

نورے کہ زمہرِ عالم آرا پیداست　　　　از جبہۂ شاہنشہ والا پیداست

اکبر کہ ز آفتاب دارد نسبت　　　　این نکتہ ز بیّناتِ اسما پیداست

فیضیؔ نے اس رباعی میں اپنی تاریخ گوئی کے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ لفظ اکبر کے عدد بحسابِ جمل ۲۲۳ ہیں۔ لیکن آفتاب سے اکبر کی نسبت ثابت کرنے کے لیے شاعر نے آفتاب کے لفظ کے عدد نہیں لیے جو ۴۸۴ نکلتے ہیں، بلکہ آفتاب کے بیّنات کے حروف لیے ہیں جن کا مجموعۂ اعداد ۲۲۳ بنتا ہے۔ اور اس طرح آفتاب اور اکبر میں شاعرانہ کوشش تاریخ گوئی سے مناسبتِ تامہ پیدا کر دی ہے۔ زبر و بیّنات، تاریخ گوئی میں ایک نہایت ہی مشکل صنعت ہے جس سے حروف کے صوتی لحاظ سے اعداد لیے جاتے ہیں، صوتی لحاظ کا مطلب یہ ہے کہ حرف نٓ کا تلفظ نون ہے۔ نٓ کے اعداد بحسابِ جمل ۵۰ ہیں۔ لیکن اگر ن کی صوتی صورت نون لی جائے تو اعداد ۱۰۶ ہوں گے۔ مطلب یہ کہ نٓ کے اعداد ۵۰ کو الگ رکھ لیا جائے تو باقی صوتی صورت کے اعداد ۵۶ رہیں گے، پہلے نٓ کو زبر اور باقی و اور نٓ کو بیّنات کہا جاتا ہے۔ مزید تفہیم کے لیے اَلف لے لیجیے۔ الف کا عدد بحسابِ ابجد ایک ہے۔ لیکن لِ اور فِ کے عدد شامل کرنے سے الف کے اعداد ۱۱۱ ہوں گے۔ ایک کا عدد نہیں ہوگا۔ گویا زبر و بیّنات کی صنعت میں الف کے اعداد ۱۱۱ ہوں گے، اساتذہ ادب کے نزدیک آ موسوم کہلائے گا اور الف کو ادا کرنے میں جو آواز نکلتی ہے یعنی لام اور ف، اسے اسم کہا جائے گا۔

رباعی مذکورہ بالا میں تو آفتاب کی تحریری صورت حروف ا۔ ف۔ ت۔ ا۔ ب پر مشتمل ہے۔ ان حروف کو زبر کہیں گے۔ یعنی "موسوم"۔ اور الف کا لف/۱۱۰، فا کا ا/۱، تا کا ا/۱، اور الف لف/۱۱۰ با کا ا/۱ یہ اسماء مضمر ہے ان کے اعداد ۱۱۰ + ۱ + ۱ + ۱۱۰ + ۱ مساوی ہوتے ۲۲۳ کے۔ اس طرح اکبر اور آفتاب کے اعداد کو برابر کر کے بادشاہ سے داد حاصل کی ہے اور واقعی یہ بہت بڑا کمال ہے۔

میرا خیال ہے کہ فیضی کو اتنی دُور کی کوڑی لانے کی ضرورت نہیں تھی - اس کا تخیل صنعت جملِ صغیر کی طرف نہیں گیا، راقم الحروف ہوتا تو خوشامد کے طور پر فی البدیہہ یہ قطعہ نذر گزارتا۔

۵۔ اکبر سے آفتاب کو نسبت اِنا ہے ہے ۔۔۔ لفظوں میں گرچہ فرق حسابِ جمل سے ہے
(۲۲۳ ۔ ۴۰۲)

لیکن اگر بغور حسابِ صغیر ہو ۔۔۔ باہم مناسبت یہ ادب کے محل سے ہے

اکبر اور آفتاب دونوں لفظوں کا جملِ صغیر سات کا عدد ہے۔

اس قطعۂ خاکسار کو محض لطیفۂ ادبی کے طور پر مطالعہ فرمایئے۔ سچ یہ ہے کہ ظہیرؔ کی بسم اللہ میں بینات کے اعداد کو لے کر ایک خاص ہندسہ اور ایک خاص عدد کی طرف اشارہ کرنا نہایت ہی قابلِ تعریف جدّت و ذہانت ہے۔

زبر و بینات کی صنعت کو تحریری طور پر سمجھانے کے سلسلے میں میں نے نہایت ہی آسان الفاظ میں کوشش کی ہے۔ لیکن پھر بھی میرا خیال ہے کہ تاریخ گوئی کے کسی استاد سے اگر یہی رموز اور اصطلاحات زبانی سمجھی جائیں تو آسانی سے ذہن نشین ہو سکتی ہیں ۔۔۔۔۔۔ زبر و بینات کی صنعت میں تاریخ کہنا نہایت ہی مشکل امر ہے۔ اور اکثر اساتذۂ فن اس قسم کی تاریخ کہنے سے گریز کرتے رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں حسابِ جمل کی رُو سے مادۂ تاریخ تیار کرنا آسان ہے۔ اور لغت، اصطلاحِ ادب کی کچھ کتابیں ایسی ہیں جن کی مدد سے تاریخ گوئی سے دلچسپی رکھنے والا طالب علم مادۂ تاریخ نکال سکتا ہے۔ اگرچہ اب ایسی کتابیں بھی نایاب بلکہ ناپید ہو چکی ہیں، البتہ پُرانے وقتوں کے لوگ ورثہ میں اگر اس قسم کی قیمتی کتب چھوڑ گئے ہوں، تو عجب نہیں ورنہ آج کل ایسی کتاب کا دستیاب ہونا نہایت مشکل ہے۔

زبر و بینات کے سلسلے میں سرِدست جو کچھ اس موضوع زیرِ بحث کو سمجھنے کے لیے ضروری تھا، وہ ہدیۂ ناظرین کر دیا گیا ہے۔

تاریخ گوئی کی ابتدا کی تحقیقات کے موضوع پر میرے عزیز فرزند مسٹر سعید اختر سپرنٹنڈنگ انجینئر (برقیات) نے مجھے اطلاع دی کہ انگریزی کتابوں میں اس قسم کے مباحث

Marfat.com

کی نسبت کسی نے بیان کیا ہے کہ فلاں فلاں کتاب سے استفادہ کیا جائے۔ اِس سلسلے میں دو انگریز محققین کے نام بتائے گئے[1]

پہلی کتاب کے لیے پاکستان کے کئی کتب خانوں کی چھان بین کی گئی، لیکن آخر کار براہِ راست ولایت سے یہ کتاب منگائی گئی۔ اور دُوسری کتاب لاہور سے مل گئی، لیکن یقین جانیے کہ اِن کتابوں کے مطالعہ سے مجھے مولانا شبلی مرحوم سے بھی زیادہ مایوسی ہوئی، جو اُن کو سر ایڈورڈ براؤن کی کتاب تاریخ ادبیاتِ ایران کے مطالعہ سے ہوئی۔ انگریز مستشرق کی تحقیقات پر "اُونچی دُکان پھیکا پکوان" کی مثل صادق آتی ہے، اِن دو کتابوں میں تو سوائے اس کے کہ عیسائیت کا پروپیگنڈہ ہو اور کوئی کام کی بات نہیں۔ ہشنو ہارا کی کتاب تو محض اٹکل پچو پر مبنی ہے اور دُوسری کتاب ہے جس میں خدا کو قدسیوں کی زبان یا اعداد میں کلام کرنے والا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، میرے موضوع کو اِن فاضل مستشرقین نے چھوا تک بھی نہیں، اور حروفِ ابجد کے اعداد سے متعلق وہی فرسودہ باتیں بیان کی ہیں۔ البتہ ہشنو ہارا نے زبانِ حال سے تسلیم کر لیا ہے کہ کیرو کا حسابِ ابجد صحیح نتائج پیدا نہیں کرتا۔ اور اُس نے اپنی پُوری دیانت داری سے عربی حسابِ ابجد[2] کا ذکر کیا ہے جسے کیرو نے مذہبی تعصب کی بنا پر اپنے قارئین سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی تھی۔

ایتھل جس کا تخلص یا قلمی نام ہشنو ہارا ہے، اس نے تین طریق ابجد کا ذکر کیا ہے، پہلا حساب تو طریقِ عبرت ہے جس میں اعداد حسبِ ذیل ہیں:۔

---

[1] ETHELS NUMBER NAME AND COLOUR By
O HASNU HARA L.N. FOWLER CO LONDON

[2] GOD COUNTS By W.E. FILMER, B.A
UP LIFT BOOK (CRYDON) LTD
SURREY

Marfat.com

1	2	3	4	5	6	7	8	9
A	B	C	D	E	F	G	H	I
J	K	L	M	N	O	P	Q	R
S	T	U	V	W	X	Y	Z	

دوسرا طریق عبرانی بیان کیا گیا ہے، جو حسبِ ذیل ہے :-

A	B	C	D	E	F	G	H	I	J	K	L	M
1	2	2	4	5	8	3	8	1	1	2	3	4
N	O	P	Q	R	S	T	U	V	W	X	Y	Z
5	7	8	1	2	3	4	6	6	6	1	1	7

اس طریق میں ۹ کا عدد شامل نہیں کیا گیا۔

اور تیسرا طریق عربی ابجد کا حسابِ جمل ہے، جسے بے چارہ مصنف خود بھی اچھی طرح سے سمجھ نہیں سکا، کیونکہ ث، س، ص، ۔ ذ، ر، ض، ظ ۔ خ اور ش کے لئے انگریزی یا عبرانی ابجد میں کوئی علیحدہ حروف نہیں ہیں، اس لئے ان کے اعدادِ جمل سے وہ کچھ پریشان سا ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے حساب کے لئے عبرانی حروف اور اعداد کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں یہ حساب نامکمل اور ناقص ہیں، اور صحیح طریق عربی حروفِ ابجد سے حسابِ جمل لگانے کا ہے۔

فلمر نے جسے پادری فلمر کہنا زیادہ موزوں ہوگا، اپنی ساری کتاب (God Counts) میں اس پر زور دیا ہے کہ اللہ عددی زبان میں بولتا ہے۔ اس کتاب کے بین السطور سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ مصنف تثلیث کا زیادہ قائل نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی وحدت کا ذکر کئی مرتبہ کرتا ہے۔ اس نے سارا زورِ قلم اس پر صرف کر دیا ہے کہ انجیل میں ۷ کا عدد ۴۰ کا عدد اور ایک سے لے کر دس کے ہندسے سب خاص معانی کے حامل ہیں؛ اور اپنے بعض نظریات کو

Marfat.com

ثابت کرنے کے لیے جمل صغیر کا بھی استعمال کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں کتابیں نہایت دل چسپ ہیں اور محنت سے لکھی گئی ہیں۔ لیکن ہمارے موضوع سے اِن کا دُور کا بھی تعلق نہیں، لیکن ان محققین کے مقالوں سے اتنا ضرور ثابت ہو گیا کہ ابجد کا حساب مسیح کے زمانے سے بھی پہلے کا ہے۔ اور حکیم فیثاغورث تاریخ گوئی کے ماہر تھے۔ (فھوالمراد)

جناب ظہیر مرحوم کی جابت اور بدیہہ آفرینی کے سلسلے میں ڈاکٹر دین محمد سابق گورنر سندھ نے ایک دن راقم الحروف سے ذکر کیا کہ لفٹیننٹ جنرل حاجی افتخار احمد کے والد مرحوم منشی رحیم بخش ایم اے جو عہدہ سشن ججی سے ریٹائر ہوئے تھے اور آخری عمر میں قرآن کریم کی تفسیر لکھنے میں مصروف رہے، اُنھوں نے قرآن پاک کے حروف مقطعات کی تشریح کرتے ہوئے ان حروف کی بحساب جمل تعداد لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ ان حروف کا مجموعۂ اعداد ایک خاص سال کو ظاہر کرتا ہے اور اس سُورۃ میں اس سال میں رونما ہونے والے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ مجھے منشی صاحب مرحوم کی کتاب کے مطالعہ کا شرف حاصل نہیں ہُوا، لیکن ان کی تحقیق ایک لحاظ سے میرے موضوع کی مؤید ہے۔ کہ حروفِ مقطعات کے ابجد کے حساب سے ضروری اعداد ہیں۔ منشی صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ مثال کے طور پر الٓمٓ (۷۱) یٰسٓ (۷۰) کہٰیعٓصٓ (۱۹۵) قٓ (۱۰۰) نٓ (۵۰) صٓ (۹۰) یہ سب ہجری سنین کی نسبت پیش گوئی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے اسے قرآنِ منیر کا ایک اور معجزہ کہنا چاہیے۔

فن تاریخ گوئی اور حسابِ ابجد کی ابتدا اور ایجاد سے متعلق ایک سیر حاصل تبصرہ سپردِ قلم ہو چکا ہے۔ اور راقم الحروف نے اپنی طرف سے کوشش کی ہے کہ یہ مضمون اس موضوع پر دُنیائے ادب میں حرفِ آخر[1] کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ دعویٰ بہت بڑا ہے، لیکن اُردو میں اس

---

[1] حرف آخر کے طور پر حقیقت میں کوئی بات بھی نہیں ہو سکتی۔ دُنیا کا گوشہ گوشہ آج نورِ علم سے منوّر ہے ممکن ہے اس موضوع پر کسی اور ملک میں اس مقالہ سے زیادہ بہتر اور واضح طریق سے کوئی کتاب لکھی جا چکی ہو جو میرے محدود علم میں نہ آئی ہو، یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ خود ہندوستان میں کوئی قلمی مسوّدہ اس موضوع پر کسی اُستاد کا موجود ہو۔ بہر حال میں نے حرفِ آخر کہنے کی جسارت کی ہے۔ تو مطلب صرف یہ ہے کہ اُردو میں اب تک اس موضوع پر اور کوئی اتنی مفصّل کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔

موضوع پر آج تک کوئی مفصل رسالہ بھی تو سوائے رسالہ جلال لکھنوی مرحوم کے نہیں لکھا گیا۔
اس لیے راقم الحروف کے پیش نظر شروع ہی سے یہ مسئلہ رہا ہے کہ اب تک جو مواد بھی کسی زبان میں تاریخ گوئی کی ابتدا کی نسبت یا اس سے متعلق فراہم ہو سکے اُسے اس مقالے میں شامل کر لیا جائے تاکہ اہلِ علم حضرات کو مزید کسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ بہر حال اب نئی بحث اور اصطلاحات و معانی کا جدید باب شروع ہوتا ہے۔

اصطلاح التاریخ | یہاں تک جو مضمون سپردِ قلم ہو چکا ہے اس کا مسوّدہ راقم الحروف نے ۱۳۸۰ھ میں مکمل کر لیا تھا اور اس کے کچھ حصص اقوال التاریخ کے عنوان سے رسالہ نورالتعلیم میں بھیجے تھے اقوال التاریخ سے سال ۱۳۸۰ھ ظاہر ہوتا تھا ۱۳۸۱ھ سے عنوان بھی سال کے ساتھ بدل گیا، اس کا تاریخی عنوان اصطلاح التاریخ رکھا گیا، میرا اس وقت بھی یہی خیال تھا کہ مضمون اتنا وسیع ہے اور رفتارِ تحریر اتنی سُست کہ شاید سال ۱۳۸۱ھ میں بھی میں اپنے ما فی الضمیر کو پُوری طرح ادا نہ کر سکوں کیونکہ بات سے بات نکلتی آ رہی تھی اور ذہن پھر مزید جستجو کے لیے تیار ہو جاتا تھا، چنانچہ ہُوا یہی کہ اب سال ۱۳۸۵ھ طلوع ہو چکا ہے اور میرے پاؤں میں گردش پرکار آئی ہُوئی ہے ؎

اس سے قبل فتح العزیز[۱] کے حوالے سے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ عربی سب سے پُرانی زبان ہے۔ کیونکہ حضرتِ آدم علیہ السلام کی زبان بھی عربی تھی۔ اس دعویٰ کو پُوری تحدی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ غیر مسلموں کو یہ دعویٰ اس لیے کھٹکتا ہے کہ قرآن عزیز کی زبان عربی ہے۔ لیکن تازہ ترین تحقیقات جواب تک لسانی تاریخ کے بارے میں منظرِ عام پر آ چکی ہے، اس کی بنا پر مسلمانوں کے اس دعوے کی صداقت میں کوئی شک نہیں رہا۔ یہ اور بات ہے کہ قرآنِ حکیم کے عہد تک پہنچتے پہنچتے میں اس زبان میں کافی ترقی، ہمہ گیری اور وسعت پیدا ہو چکی تھی اور قدامت کے لحاظ سے یہی زبان قرآن کریم کے لیے موزوں ہو سکتی تھی، اور یہ بھی، قرآن مجید کی جامعیت کا ایک ثبوت ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عربی زبان ہی قدیم زبان ہے تو پھر یہ بھی لامحالہ مان لیا

---

[۱] تفسیر از حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۸۵

جائے گا کہ عربی کے حروفِ ابجد ہی مکمل حروف ہیں۔ اور عربی ابجد کا حساب جمل ہی قدیم صحیح اور مکمل ہے۔ عبرانی اور مصری حسابات نامکمل اور غیر صحیح ہیں۔ کیرو، پادری فلمر اور ہشنو ہارا کے پیش کردہ حساب بالکل ناقص ہیں۔

اس سلسلے میں اتمامِ حجت کے طور پر مجھے جامع کمالات مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے ترجمان القرآن جلد دوم کا ایک اقتباس پیش کرنا ہے، جس سے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رح کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ موجودہ تحقیقات کی روشنی میں مولانائے ممدوح نے حضرتِ ایوب علیہ السلام کو عرب میں مبعوث ہونے والا نبی قرار دیا ہے اور اس پر نہایت محققانہ بحث فرمائی ہے[۱] اور حضرت ایوبؑ کے کلام "سفر ایوب" سے ثابت کیا ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے سفرِ ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی تو یقیناً عبرانی علم وادب کے نشوونما سے صدہا سال پہلے عربی علم وادب پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا، بلاشبہ "سفر ایوب" کی عربی وہ عربی نہ ہوگی جو نزول قرآن کے وقت بولی جاتی تھی۔ یقیناً عربی کی کوئی شکل ہوگی جس کی اخوت ہمیں آرامی، کلدانی اور آشوری کتبوں کے الفاظ و اسماء میں نظر آ رہی ہے۔ اور قدیم مصری زبان بھی اس جھلک سے خالی نہیں، تاہم وہ عربی زبان ہی ہوگی اور اسی عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر و مواد بہم پہنچائے ہوں گے۔

حضرت مولانا اپنی محققانہ مگر سحر آفریں تحریر میں لکھتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت کی عربی اگرچہ عربی صحرائیوں کی عربی تھی، لیکن زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پروردہ نہیں ہو سکتی، اتنی وسیع، اتنی ہمہ گیر اتنی دقیقہ سنج اس درجہ متمول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث اور مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہو، جو زبان قرآن کے معانی کی متحمل ہو گئی کیونکر ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبائل کی ایک بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے۔ یہ

---

[۱] ترجمان القرآن جلد دوم۔ صفحہ ۴۸۶ / ۴۸۷، مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور

Marfat.com

وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جس عربی میں امراء القیس نے اشعار کہے ہیں اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ متمدّن ہونی چاہیئے جتنی اس وقت تک سمجھی گئی ہے۔

اس بحث میں آگے چل کر مولانائے مغفور نے جدید اثری انکشافات کے نہایت دلچسپ حوالے دے کر عربی کی قدامت کو ظاہر کیا ہے، اثری تحقیقات کے ماتحت اُنھوں نے ثابت کیا ہے کہ ۱۲۵۰ء قبل مسیح تک تو عربی کی قدامت کو تسلیم کر لیا گیا ہے اس سے یہ امر بھی پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ ویدوں کی تصنیف و تدوین جو بحوالہ میکس میولر ۱۲۰۰ء ق م میں ہوئی، گویا اس سے بھی پچاس برس پہلے زبانِ عربی کی قدامت کا اثری تحقیقات سے پتہ چل سکتا ہے لے

اس کے بعد "قرآن کا عربی میں نزول" کے عنوان سے نہایت ہی اختصار سے یہ تحریر فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا" صرف اتنے ہی معنی رکھتا جس قدر اس وقت سمجھے گئے ہیں، بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے، تفصیل اس مقام کی "مقدمہ" میں ملے گی۔

نہایت ہی حسرت و افسوس کا مقام ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کا مقدمۂ قرآن اب مُسلمانوں کے لیے 'بال ہما' کی حیثیت رکھتا ہے۔ معلوم نہیں کیا کیا دریائے معانی اس مقدمہ میں اس فاضل بے بدل اور ادیبِ محقق نے بہائے ہوں گے۔ لیکن وہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی اور مولانا اللہ کو پیارے بھی ہو گئے۔

حضرت مولانا نے ترجمان القرآن جلد اول مطبوعہ جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۲ پر ارقام فرمایا، کہ:-

"قرآن کے درس و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں ہیں، اور میں نے انھیں تین کتابوں میں منقسم کر دیا ہے۔ مقدمۂ تفسیر، تفسیر البیان اور ترجمان القرآن۔ آخری کتاب (ترجمان القرآن)

لے۔ کیمرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ ۱۴۳، ترجمان القرآن جلد دوم، حاشیہ صفحہ ۴۰۸

Marfat.com

سب سے پہلے شائع کی جاتی ہے کیونکہ اپنے مقصد و نوعیت میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ اور فی الحقیقت تفسیر و مقدمہ کے لیے بھی اصلی بنیاد یہی ہے، مقدمۂ تفسیر قرآن کے مقاصد و مطالب پر اصولی مباحث کا مجموعہ ہے اور تفسیر القرآن نظر و مطالعہ کے لیے ہے — اور ترجمان القرآن قرآن کی عالم گیر تعلیم و اشاعت کے لیے"

ہماری آنکھیں تو ابھی ترجمان القرآن کی تیسری جلد کو ترس رہی ہیں، وہ ہماری اگلی خوش نصیب پود ہوگی جسے مقدمۂ تفسیر اور تفسیر البیان کی زیارت نصیب ہوگی۔

یہ تینوں کتابیں مولانا مغفور مکمل کر چکے تھے۔ اب ان کی اشاعت کا اہتمام ہی باقی تھا مقدمۂ تفسیر اگر ہمارے سامنے ہوتا تو عربی کی قدامت پر مزید حاشیہ آرائی کا موقع مل سکتا تھا۔ بہر حال ہمارے موضوع کے لیے یہی کافی ہے کہ عربی زبان قدیم ہے اور اس کا حسابِ ابجد تمام عبرانی، مصری اور کلدانی حسابات سے قدیم اور صحیح تر ہے۔ اور اسی وجہ سے عربی علم ابجد و حسابِ جمل کو قدیم ترین ہوتے ہوئے تمام دوسرے طریقوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اور ہماری بحث اس تحقیق سے متعلق ختم ہو جاتی ہے۔

عیسائی مصنفین نے جن میں کیرو، پادری فلمر اور انجیل پیش پیش ہیں، اپنے حسابِ ابجد کے زور پر انجیل کی صداقت کو منوانا چاہا ہے، لیکن اُن کے خود ساختہ اصولوں اور پیش پا افتادہ طریقوں سے بہت پہلے سے کلام اللہ کا سحر حلال اور اعجاز بیان موجود ہے۔ اول تو جس معیار سے وہ انجیلوں کو تاپ رہے ہیں وہ ہے ہی سراسر ناقص اور نا مکمل۔ دوسرا وہ زبان جس میں انجیل نازل ہوئی بالکل ناپید ہے۔ انجیل کی نسبت اگر کوئی معجزہ حسابِ ابجد کی رُو سے پیش کرنا ہے تو وہ عبرانی زبان میں ہونا چاہیے جس میں انجیل نازل ہوئی جو اصل کتاب ہے۔ نہ کہ اس انگریزی میں جسے مہذب اور متمدن بنے ہوئے ابھی پانچ سو سال بھی نہیں ہوئے جو پادریوں کے عجز فہم سے محرف شدہ ہے۔ ایسی انجیل کا ترجمہ لامحالہ خدا کا کلام نہیں ہو البتہ انسانی کوشش کا نمونہ ضرور ہے۔ لیکن اس کتاب کی اصل زبان کا کوئی معجزہ کہاں ہے

Marfat.com

یہ تو بالکل اس طرح ہے کہ آج ہم حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی یا حضرت شیخ الہند کے تراجم کی زبان و بیان کی خوبیاں گنوانے لگیں، اور اسے ان فاضل مترجمین کے اعجازِ بیان کی بجائے قرآن مجید کا معجزہ شمار کرنے لگیں۔

ابجد کے اعداد سے متعلق تحقیق و جستجو کے سلسلے میں جن انگریزی کتب کی چھان پھٹک کرنی پڑی، اُن کے نام پہلے بیان کئے جا چکے ہیں، اس سلسلے میں ہندوؤں کے علم قدیم سے بھی رہنمائی حاصل کرنے کی بے سود کوشش میں نے جاری رکھی، خیال تھا کہ شاید کچھ مواد ان لوگوں کی تصانیف سے بھی مل سکے جن کا علم رمل ایک حد تک ترقی یافتہ ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس موضوع پر کسی فاضل نے ایک حرف تک نہیں لکھا، اور سب ہی اس حساب کو پیش گوئیاں لگانے والا حساب سمجھ کر ٹامک ٹوئیے مارتے رہے، ہندوؤں میں زائچہ جنم پتری وغیرہ کا حساب ایک حد تک مقبول ہے لیکن اس کا اس علم سے تعلق نہیں۔

عربی علم ابجد سے علم جفر مستنبط ہُوا ہے لیکن اس علم سے راقم الحروف کو ذرا بھی مس نہیں اور نہ اس علم کے اصول کا ہمارے نفس مضمون سے کچھ تعلق ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ اب تک علم جفر پر کوئی مفصل رسالہ یا مقالہ کسی بزرگ نے نہیں لکھا انگریز مستشرق جو بال کی کھال نکالتے ہیں اور ہر مضمون پر تحقیق و جستجو کے لئے عمر صرف کر دیتے ہیں، ان میں سے بھی کسی فاضل کی توجہ اس فن کی طرف مبذول نہیں ہُوئی۔ علم جفر کا ترجمہ انگریزی میں (ARITHMOMANCY) ہو سکتا ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ علم اعداد جس سے غیب کے حالات پر آگاہی حاصل ہو، صاحب غیاث نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:۔

"نام علم معروف کہ ازاں احوال غیب آگاہی دست دہد" لیکن کس طرح آگاہی ہو، یہ کسی نے بھی نہیں بتایا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بھی (ARITHMOMANCY) پر ایک حرف نہیں لکھا گیا ہندو مصنفین کی جن کتابوں تک راقم الحروف کی دسترس ہو سکتی تھی، وہ حسب ذیل ہیں:۔

(1) THE MYSTERIOUS TRINITIES IN NUMBER BY BOLEBANDAR

(2) PRACTICAL ASTRO NUMEROLOGY BY DR. V.C. RELE

(3) NOMEROLOGY IN A NUTSHELL BY RASAJO

اِن کتابوں پر بھی بھارت کے علم دوست لوگوں نے تقریظ لکھتے ہوئے صاف طور پر لکھا ہے کہ مصنفین اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ علمِ اعداد سے احوالِ غیب پر آگاہی نہیں ہو سکتی، البتہ اس علم سے لوگوں کے ذاتی رجحان اور پسندیدگی کا پتہ چل سکتا ہے۔

اس سلسلے میں محقق علامہ جلال الدین دوّانی کی مشہور تصنیف "اخلاقِ جلالی" کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۸۲ پر (مطبوعہ نول کشور پریس لکھنو ۱۸۸۳ء) اعداد متحابہ کا مختصر سا ذکر کیا گیا ہے جن کا حساب جمل سے تعلق نہیں ہے۔

اِن اعداد متحابہ پر بحث کے سلسلے میں مولانا شاداں بلگرامی مرحوم پروفیسر اورینٹل کالج لاہور نے عرصہ ہوا ایک محققانہ مضمون لکھا تھا، جو کالج کی میگزین میں شائع ہوا تھا، وہ مقالہ میری نظر سے نہیں گزرا، شائقینِ اعداد متحابہ کے لیے وہ مقالہ لامحالہ مفید ہو گا۔

حساب کے عجائبات کے سلسلہ میں راقم الحروف نے بساطِ شطرنج کے خانوں میں دانہ ہائے گندم کے شمار کی بسند جارج گیمو کے حوالے سے دانوں کی تعداد درج کی تھی، لیکن اسی اثناء میں اتفاق سے اور کتابیں بھی میرے مطالعہ میں آئیں۔ "شمار گندم در خانہ ہائے شطرنج" کے عنوان سے سید محمد علی جمال زادہ نے اپنی تالیف "ہزار پیشہ" (مطبوعہ ایران) میں شطرنج کے اس قصے کو نوشیرواں اور بزرجمہر سے منسوب کیا ہے۔ اور دانوں کی گنتی کا حساب مشہور المانی کتاب موسوم بہ ہزار عجائب [۱] کے حوالے سے دیا ہے۔

"مروج المذہب [۲]" میں مسعودی نے بھی تھوڑے سے اختلاف سے انھیں اعداد کا ذکر کیا ہے۔

---

۱ FURST MOSZ KOURSHI DAR BUCH DES 1000 WUNDER

۲ جلد ۱، صفحہ ۶۰۔

Marfat.com

اس کے علاوہ کتاب انسائیکلو پیڈیا[1] مصور جلد اوّل کے صفحہ ۲۸۲ پر بھی بساط شطرنج کے سوال کے جواب میں دانوں کی گنتی کا شمار درج ہے، جو جارج گیمو کی کتاب میں ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جارج گیمو نے جو تعداد دانہ ہائے گندم کی درج کی ہے، وہ اس کے اپنے حساب کا اندازہ نہیں، بلکہ یہ گنتی بہت پہلے کے حساب دانوں کی مرہونِ منت ہے۔

مجلہ گنجینۂ فنونِ ایران شمارہ ۱۳ - ۴ - ۱۵ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ میں آخری تحقیقات کا یہ نتیجہ لکھا ہے کہ:-

بہ تحقیق پیوستہ کہ بازی شطرنج در ۶۰۰ قبل میلادِ مسیح در ہندوستان اختراع شد و مخترعِ آں شخصے بود سیسا نام پسر داہر و پسر سیسا موسوم بہ بحلاث آں بازی نشر نمود و شائع کردہ۔[2]

شطرنج کی اختراع پر اسے حرفِ آخر سمجھنا چاہیے۔

اعجاز قرآن

ابجد اور حساب جمل کی تاریخ کا باب ختم ہو چکا ہے۔ لیکن پیشتر اس کے کہ اب اصل موضوع پہ قلم اٹھایا جائے، میرے ذہن میں بار بار جملِ صغیر کے اعداد سے متعلق قرآن حکیم کے اعجاز کا خیال آتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے کسی فاضل مصنف کو اس طرف متوجہ ہونے کے لیے فرصت نہیں ملی، تاہم ایک ایسا خیال جس سے قرآن عزیز کا کمال ظاہر ہو سکتا ہے، اسے کیوں پوشیدہ رکھا جائے۔ جستہ جستہ مقامات سے قرآن پاک کی کئی آیات پر میں نے غور کیا ہے۔ اور ہر آیت کو گنجینۂ معانی ہونے کے علاوہ ایک معجزہ کی حامل پایا ہے۔

۱- آج علی الصبح ہی سورہ المومنون پہ نظر پڑی حٰمٓ کے حروفِ مقطعات کا جملِ صغیر ۳ ہے اس کی متصل آیۂ مبارکہ تنزیل الکتاب من اللہ العزیز الحکیم، غافر الذنب ... ... الیہ المصیر الخ بحساب جمل اس آیت کے اعداد ۵۸۸۹ نکلتے ہیں جن کا جملِ صغیر ۳ ہے

---

[1] THE NEW PICTURED ENCYCLOPAEDIA (STANDARD LITERATURE CO)

[2] ہزار پیشہ صفحہ ۸

جو حروفِ مقطعات سے مماثلت تامہ رکھتا ہے۔

(۲) اسی طرح سورۃ الشوریٰ پر نظر کریں تو حروفِ مقطعات حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ ہیں جن کے اعداد ۲۷۸ ہیں اور جملِ صغیر ۸ ہے۔ اس کے بعد کی آیت مبارکہ کذلک یوحی الیک ۔۔ وھو العلی العظیم الخ اس آیت کریمہ کے اعداد ۵۴۲۶ ہیں اور جملِ صغیر ۸ ہے۔

(۳) سورہ یٰسٓ کے حروفِ مقطعات کے عدد ۷۰ ہیں اور جمل صغیر ۷ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی آخری آیت فسبحٰن الذی بیدہٖ ۔۔۔ والیہ ترجعون کے اعداد ۲۵۹۹ ہیں اور جمل صغیر ۷ ہے اسے محض اتفاق کلام تو نہیں کہا جا سکتا، غور و تدبر کرنے پر اس کے اعتراف کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ یہ کلام من جانب اللہ ہے۔ کسی انسان کی طاقت نہیں کہ وہ ایک سورۃ تو کیا ایک جملہ بھی ایسا بامعنی تصنیف کر سکے جس کا جملِ صغیر ایک مقررہ عدد ہو۔

(۴) سورۃ قٓ کے حرفِ مقطع کا عدد ۱۰۰ ہے اور جمل صغیر ا ہے۔ اس سورۃ کی آخری آیت نحن اعلم بما یقولون ۔۔ ۔۔ من یخاف وعید کے اعداد ۲۶۱۰ ہیں اور جمل صغیر ایک کا عدد ہے یہ معجزہ ہے جس کے سمجھنے سے عقل عاجز آجاتی ہے، لیکن ہمارا پورا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا یہ کمال پوری طرح ظاہر تھا۔

(۵) قرآن کریم کی آیات میں متعدد جملے ایسے ہیں کہ ان کا جمل صغیر ۹ ہے۔ اور وہ ایسے جملے ہیں جنھیں صداقتِ ثانیہ کہا سکتے ہے۔

وَاللّٰہُ علیمٌ بذاتِ الصُّدُور ۔ لا الٰہ الا الملک الحق المبین ۔ ثُمَّ اِنَّ علینا حسابھم اِنَّکَ علیٰ کلِّ شیٍٔ قدیر ۔ وھو علیٰ کل شیٍٔ قدیر ۔ کل من علیھا فان ۔ علم الانسان ما لم یعلم

ان سب کا جمل صغیر مشہور ۹ کا عدد ہے۔

(۶) فبایّ آلاءِ ربکما تکذّبٰن کے اعداد ۱۵۶۰ ہیں اور جمل صغیر ۳ ہے۔ یہ جملہ سورہ الرحمٰن میں ۳۱ مرتبہ آیا ہے۔ اگر اس عدد کو ۳۱ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب ۴۸۳۶۰ آئے گا، اور اس رقم کا جمل صغیر بھی ۳ ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی کئی آیات :-

Marfat.com

والسماء رفعها ووضع الميزان	الا تطغوا فی المیزان	واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان
۱۵۱۵	۱۶۷۷	۱۹۰۲

ان سب کا جملِ صغیر ۳ ہے۔

اِس فن کی رُو سے قرآنِ پاک کی آیات پر جتنا بھی غور و فکر کریں، اعجازِ قرآنی کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے، متواتر آیات پر آیات جن کا جملِ صغیر ایک ہی ہو انسانی دماغ کی کار فرمائی نہیں ہو سکتی۔ تاریخ گو شعراء نے ایسا تو اکثر کر دکھایا ہے کہ وہ مسلسل عبارت میں فقروں پر فقرے ترتیب دیتے آئیں گے جو مساوی الاعداد ہوں، لیکن یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی کا نشان ہے کہ جملے مختلف الاعداد ہیں لیکن سب کا جملِ صغیر مساوی ہے۔ اس کے لئے نہ "گنجینۂ تاریخ" کام دے سکتی ہے، نہ "گلبن تاریخ" نہ کوئی اور کتاب جو تاریخ گو شعراء کے لئے بائبل کہلاتی ہے۔

(۷) ساری سورۃ النصر کے اعداد ۶۱۶۲ ہیں اور جملِ صغیر ۶ ہے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ سورۃ کی آخری آیت جو سورۃ کی جان ہے اس کے دو ٹکڑوں فسبح بحمد ربک واستغفرہ اور انہ کان توابا کا بھی جملِ صغیر ۶ ہے۔

(۸) العصر (۳۹۱) کا جملِ صغیر ۴ ہے، اور ساری سورۃ کے اعداد ۲۰۷۴ ہیں، ان کا جملِ صغیر بھی ۴ ہے۔

(۹) انا اعطینک الکوثر (۹۶۹) اور فصل لربک وانحر (۱۷۰۷) یہ دونوں جملے جملِ صغیر میں مساوی ہیں۔

(۱۰) قرآن کریم میں کئی آیات ایک ہی مضمون کی آئی ہیں، ان پر غور کیا جائے تو وہ جملِ صغیر کی رُو سے مساوی الاعداد ہوں گی، بئس الورد المورود (۵۹۴) اور بئس الرفد المرفود (۲۴۸) ان دونوں جملوں کا جملِ صغیر ۹ کا عدد ہے۔

(۱۱) سورۃ فاتحہ کے اعداد بحساب جمل وسیط ۱۰ ہیں۔ اور جملِ صغیر ایک کا عدد ہے اور یہ دس کا عدد بھی اللہ واحد (۵۵=۱۰=۱) کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر سورۃ فاتحہ میں (صفحہ ۴۸) تحریر فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میں دس چیزیں ہیں، پانچ صفاتِ عبودیت کی اور پانچ صفاتِ ربوبیت کی۔

Marfat.com

صفات ربوبیت ہیں متعلق اللہ، رب، رحمٰن، رحیم، مالک۔ اور پانچ صفات عبودیت ہیں: عبادت، استعانت، طلب ہدایت، طلب استقامت، طلب نعمت و پناہ از غضب

اس سورت کا اعجاز یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین کا جمل صغیر ۶ ہے۔ الرحمٰن الرحیم کا جمل صغیر بھی ۶ ہے۔ اس کے آگے مالک یوم الدین کا جمل صغیر ۵ ہے اور دوسری طرف آیت مبارکہ ایاک نعبد وایاک نستعین کا جمل صغیر بھی ۸ ہے۔ اور پھر اس کے بعد ایک ہی سلسلے کی آیات ہیں: اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین ۰ ان کا جمل صغیر ۵ ہے اور ساری سورۃ کا مجموعی جمل صغیر ایک کا عدد ہے۔ اور یہ عدد ہے جس سے ہر حساب و کتاب کی ابتدا ہوتی ہے۔ جسے فاتحۃ الکتاب کہتے ہیں، اور لطف یہ ہے کہ اگر فاتحۃ الکتاب کے بھی اعداد جمع کئے جائیں تو ان کا جمل صغیر بھی ایک کا عدد ہی آئے گا۔ غالباً ۱۳۳۲ یہی وجہ ہے کہ اسے نماز میں ہر رکعت کے اندر ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(۱۳) اسی طرح اگر غور کیا جائے تو مشہور ذکر الٰہی۔ سبحان اللہ ۱۸۷ ۔ الحمد للہ ۱۴۸ اور اللہ اکبر ۲۸۹ جس کی نسبت روایت ہے کہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ ہر نماز کے بعد یا دن میں ایک مرتبہ ضرور پڑھا جائے تو اس ورد کے اندر بھی یہی اعدادِ ابجد کی طاقت پوشیدہ ہے۔ ان کے اعداد جمع کرنے سے اگرچہ جمل صغیر ۳ آتا ہے۔ لیکن اگر سبحان اللہ کو ۳۳ سے، الحمد للہ کو ۳۳ سے اور اللہ اکبر کو ۳۴ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب کا جمل صغیر ایک کا عدد آئے گا۔ جو فاتحۃ الکتاب کے جمل صغیر کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ وظائف اور اوراد میں ان اعداد جمل صغیر کو خاص دخل حاصل ہے۔ اور اس طلسماتی طاقت کا علم مقربان بارگاہِ الٰہی کے سوا کسی کو پورے طور پر حاصل نہیں۔ بہر حال یہ اعداد ایک مخفی طاقت کے مظہر ضرور ہیں۔

Marfat.com

(۱۴) سورۂ نجم میں قوم عاد کی تفسیر کے سلسلے میں مفسرین نے دو بادشاہوں کا ذکر کیا ہے، ایک کا نام شدید (۳۱۸) اور دوسرے کا نام شداد (۳۰۹) تھا (شداد کی جنت کا قصہ مشہور ہے) ان دو ناموں میں بھی عددی مناسبت اور مواصلت تھی، دونوں کا جمل صغیر مساوی الاعداد ہے۔ اس سے یہ بھی استنباط ہو سکتا ہے کہ قوم عاد جو صناعی میں کمال حاصل کر چکی تھی، اس میں بھی حساب ابجد رائج تھا۔

(۱۵) قرآن حکیم میں سورۂ محمد (۹۲) ۴۷ ویں سورت ہے۔ ۴۷ کا جمل صغیر ۲ ہے۔ اور حضورؐ کے نام مبارک کا جمل بھی ۲ ہے۔

(۱۶) سورۂ یوسف ۱۲ ویں سورت ہے۔ ۱۲ کا جمل صغیر ۳ ہے۔ اعداد یوسف کا جمل صغیر بھی ۳ ہے۔

(۱۷) سورۂ لقمٰن ۳۱ ویں سورت ہے اور اعداد لقمٰن (۲۲۰) اور ۳۱ کا جمل صغیر بھی ۴ آتا ہے۔

(۱۸) سورۂ قدر ۹۷ ویں سورت ہے قدر کے اعداد ۳۰۴ ہیں۔ ۹۷ اور ۳۰۴ کا جمل صغیر ۷ ہے۔ لیلۃ القدر کے اعداد ۸۰۵ ہیں اور جمل صغیر ۴ ہے، اسے خیر من الف شہر کہا گیا ہے۔ الف شہر کے اعداد ۶۱۶ ہیں اور جمل صغیر وہی ۴ آتا ہے جو لیلۃ القدر کا ہے۔ اگرچہ جمل صغیر مساوی الاعداد ہے لیکن اپنے زیادہ اعداد کی وجہ سے الف شہر سے بھاری ہے۔

(۱۹) ورق گردانی کرتے ہوئے نظر سورۃ الاعلیٰ پہ ٹھہر گئی ہے۔ آیئے اس سورت کی آیات سے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور حاصل کریں، آغاز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۷۸۶) + سبح اسم ربک الاعلیٰ (۵۳۵ = ۱۳۲۱) اس کا جمل صغیر ۷ ہے۔ اگلی آیت دیکھئے۔ الذی خلق فسویٰ (۱۶۲۸ = ۷) والذی قدر فھدیٰ (۱۱۵۰ = ۷) والذی اخرج المرعیٰ فجعلہ غثاءً احویٰ (۳۱۹ = ۷)

(۲۰) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۱۱۰۷ = ۸) والفجر ولیال عشر (۶۶۴) والشفع والوتر (۱۱۳۰ = ۵) والیل اذا یسر (۱۰۲۹ = ۵) ہے آخری آیت فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (۳۴۵) کا جمل صغیر ۳ ہے جس سے آغاز سورت ہوا، یہ وہ نکتے ہیں جو صرف بادی النظر میں راقم الحروف کے سامنے آ گئے ہیں۔

(۲۱) یٰس والقرآن الحکیم (۹ = ۸۹۹) انک لمن المرسلین (۹ = ۶۱۲)

Marfat.com

(۲۲) سورۃ القارعۃ کی آخری آیات عجیب طور پر معجز نمائی کرتی ہیں۔

نارٌ حامیۃ	وما ادراک ماھیہ	فامُّہٗ ھاویہ
۸ = ۷۱۰	۹ = ۳۳۳	۸ = ۵۴۸

درمیانی آیت کو اگر پہلی آیت میں شمار کریں تو جملِ صغیر ۸ رہے گا، اگر اسے تیسری آیت میں ملا دیں تو پھر بھی جملِ صغیر ۸ آئے گا۔ اور اگر ھاویہ (۴۲۲) کا الگ جملِ صغیر لیں تو وہ بھی ۸ آئے گا، اور خود نارٌ (۲۵۱) کا جملِ صغیر بھی ۸ ہے۔

(۲۳)	اذا السماء انفطرت ۸ = ۱۵۷۴	واذا الکواکب انتثرت ۸ = ۲۳۳۹
(۲۴)	واذا الجحیم سُعّرت ۹ = ۱۵۳۰	واذا الجنۃ اُزلفت ۹ = ۱۷۱۰

یہ نمونہ ہے مشتے از خروارے۔ غور و فکر کرنے والوں پر ہر آیت کا اعجاز کھلتا چلا جائیگا کہیں تو جملِ صغیر کا اعجاز ہے، کہیں جملِ وسیط کا طلسم ہے اور کہیں اصل حسابِ جمل کے پھول کھل رہے ہیں۔ اور یہ وہ رموز و اسرار ہیں جن پر غور کرتے کرتے راسخون فی العلم بھی عاجز آجاتے ہیں۔ اور اس حقیقتِ ثابتہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کلامِ بشر نہیں

تسبیح و تحمید و تکبیر کے مختلف اور متعدد طریقوں کے بیان میں حضرت ابوہریرہؓ سے بخاری و مسلم و نسائی نے روایت کی ہے کہ سُبحان اللہ (۱۸۷) ۳۳ بار الحمد للہ (۱۴۸) ۳۳ بار اللہ اکبر (۲۸۹) ۳۳ مرتبہ بعد ہر فرض نماز کے پڑھیں، ان اعداد کے مجموعہ کا جملِ صغیر ۳ ہے۔

ان اعداد کو اگر دن میں ۵ مرتبہ ۳۳-۳۳-۳۳ بار پڑھیں تو نتیجہ یہ حاصل ہوگا:-

الحمد للہ ۱۴۸ × ۳۳ × ۵ = ۲۴۴۲۰ = ۱۲ جملِ صغیر ۳، سُبحان اللہ ۱۸۷ × ۳۳ ×

= ۳۰۸۵۵ = ۲۱، جملِ صغیر ۳، اللہ اکبر ۲۸۹ × ۳۳ × ۵ = ۴۷۶۸۵ = ۳۰، جملِ صغ

کل مجموعہ ۹ ہے۔ اور یہ وہ عدد ہے جو بے شمار اسرار کا حامل ہے۔

احادیث میں اس تعداد سے ذکرِ الٰہی خاص برکت و کرامت کا موجب ہے۔ ذکرِ الٰہی کا ایک اور طریق حضرت ابوہریرہ سے مسلم نے روایت کیا ہے وہ یہ ہے:-

سبحان اللہ ۱۱ مرتبہ، الحمد للہ ۱۱ مرتبہ، اللہ اکبر ۱۱ مرتبہ بعد ہر فرض نماز کے۔ اس کو بھی اگر طریق

Marfat.com

سابق کی طرح ضرب دے کر جمع کریں تو جمل صغیر ۳ آئے گا جو ۹ کا جذر ہے اور اسی برکت و کرامت کا حامل ہے ۔ نسائی نے ایک اور روایت میں ذکرِ الٰہی کے لئے بیان کیا ہے (بحوالہ اورادِ رحمانی اذکارِ سبحانی مرتبہ حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ صفحہ ۱۹) کہ سبحان اللہ (۱۸۷) ۱۰۰ بار اللہ اکبر (۲۸۹) ۱۰۰ بار لا الٰہ الا اللہ (۱۶۵) ۱۰۰ بار اور الحمد للہ (۱۴۸) ۱۰۰ بار بعد ہر فرض نماز کے پڑھیں اس کو بھی اگر اسی طرح ضرب دے کر جمع کریں تو جمل صغیر ۳ آئے گا ۔ ذکرِ الٰہی کے لئے اس تعداد کا مقرر کرنا ضرور خزانۂ غیب کی مفتاح کے حصول کا باعث ہے اور یہ اسرار ابجد کی مخفی طاقت کی طرف رہنمائی کا مترادف ہے ۔ (واللہ اعلم باسرار احکامہ)

رجوعِ الی المقصد

فنِ تاریخ گوئی کو زیادہ تر تاریخی واقعات کو محفوظ رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے ۔ عمارتوں پہ کتبے ، مسجدوں پر قطعات اور لوحِ تربت پر نشانی باقی رکھنے کے لئے مادۂ تاریخ ترتیب دینے کے لئے شعراء نے اپنے کمالِ فن کا اظہار کیا ۔ تاریخ گوئی سے متعلق کسی لغت نے وضاحت سے تعریف نہیں کی ، سوائے اس کے کہ صاحب سبحۃ المرجان اور معدن الجواہر نے صنائعِ علم بدیع کے ماتحت اس صنعت کا ذکر کیا تھا ۔ مصنف سبحۃ المرجان نے اس امر واقع کے اظہار میں بخل نہیں کیا ، کہ عربوں نے اس صنعت کی طرف کچھ بھی توجہ نہیں دی ۔ البتہ فارس کے ادیبوں نے اس صنعت کا ذکر فنِ بدیع کی قسموں میں کیا ہے ۔ اس سلسلے میں صاحب غرائب الجمل نے عربوں کی وکالت کرتے ہوئے یہ الفاظ قلمبند کئے ہیں کہ عرب زیادہ تر مجموعہ حروف سے تاریخ کا مطلب اخذ کر لیتے تھے ۔ اور اپنے قیمتی لمحات کو لفظوں کی تلاش میں صرف نہیں کرتے تھے ، غالباً وہ اس کام کو بے کار خیال کرتے تھے ، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ آج کل کے ادیب خصوصاً نئی شاعری کے مبلغ اس فن سے منہ موڑ رہے ہیں ۔

اب چونکہ اصل موضوع شروع ہو رہا ہے ، میں چاہتا ہوں کہ فنِ جمل کی تعریف سے اس مضمون کو شروع کیا جائے ۔ فنِ جمل سے مراد ابجد کے حروف کے اعداد

Marfat.com

کا حساب ہے۔ یہ تعریف فرہنگ آصفیہ میں درج ہے۔

غیاث اللغات کا حوالہ ملاحظہ ہو:-

جمل بضم جیم و تشدید میم مفتوح، یعنی حساب اعداد حروف ابجد بایں معنی بتخفیف نیز آمدہ، لیکن غرائب الجمل میں مذکور ہے کہ جمل کے اعراب میں اتفاق اسی پہ ہے کہ میم مفتوح ہے خواہ مشدّد ہو یا غیر مشدّد۔

ابجد کی اقسام جو غرائب الجمل میں دی گئی ہیں، اُن میں سے پہلی قسم جو پُرانی ابجد کے الفاظ پر مشتمل ہے، ابجد آدم کہلاتی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

دوسری قسم ابجد نوحی ہے۔ جو موجودہ اَبجد ہے، جس کے آٹھ الفاظ ہیں، اس کے چھ لفظ سریانی زبان کے ہیں اور آخری دو لفظ عربی زبان کے ہیں[1]

تیسری قسم ابجد ترفع و تنزل ہے۔ چوتھی ابجد عناصر، چھٹی ابجد طبعی، اور ساتویں ابجد ابدان۔ جو علی الترتیب ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔ درحقیقت یہ ساری قسمیں ابجد نوحی سے ہی لی گئی ہیں، کیونکہ ان کے اعداد ابجد نوحی کے ہی مطابق ہیں، اور زیادہ تر اہلِ جفر ان کو استعمال میں لاتے ہیں:-

ابجد ترفع:- ایقغ۔ بکر۔ جلش۔ دمت۔ ہنث۔ وسخ۔ زعذ۔ حفض۔ طصظ

ابجد تنزل (یعنی ابجد ترفع کا بالکل اُلٹ)

غقیا۔ رکب۔ شلج۔ تمد۔ ثنہ۔ خسو۔ ذعز۔ ضفح۔ ظصط

ابجد سبعہ:- ابجد۔ ہوزح۔ طیکل۔ منسع۔ فصقر۔ شتثخ۔ ذضظغ

ابجد عناصر:- وہی الفاظ ہیں جو اُوپر ابجد سبعہ کے ہیں۔

ابجد طبعی:- اہطم۔ فشذ۔ جزکس۔ قثظ۔ دحلع۔ رخغ۔ بوین۔ صتض

ابجد ابدان:- اس ابجد کے بھی وہی الفاظ ہیں جو ابجد سبعہ کے ہیں۔

---

[1] دائرۃ المعارف

Marfat.com

چونکہ ابجد نوحی کے ماتحت اقسام مندرجہ بالا کا ذکر آچکا ہے، اس لیے اہلِ تنجیم کی ابجد کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اگرچہ اس سے قبل راقم الحروف یہ ظاہر کر چکا ہے کہ ان کلمات کا ہمارے موضوع سے تعلق نہیں۔

اہلِ تنجیم جفر کے لیے جو طریق استعمال کرتے ہیں ان کے نزدیک مذکورہ بالا ابجد سبعہ ہی قابلِ توجہ ہے۔ ذیل کا نقشہ اہلِ تنجیم کے ابجد کو واضح کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

ہفت کلمہ اہلِ تنجیم	ابجد	ہوزح	طیکل	منسع	فصقر	تثخذ	ضظغ
سبعہ سیارہ	زحل	مشتری	مریخ	شمس	زہرہ	عطارد	قمر
آتشی	ا	ہ	ط	م	ف	ش	ذ
بادی	ب	و	ی	ن	ص	ت	ض
آبی	ج	ز	ک	س	ق	ث	ظ
خاکی	د	ح	ل	ع	ر	خ	غ

یہ جدول "ملخص تسلیم" صفحہ ۱۱ سے نقل کی گئی ہے۔ بسط حروف کے طریقہ کو سمجھنے کے لیے یہ جدول قارئین کرام کو مدد دے سکے گی، مضمون کا یہ حصہ اگرچہ نہایت خشک ہے، لیکن علمِ جفر کے جاننے والوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ جنابِ تسلیم سہسوانی نے بسطِ حروف کے طریق کو بیان کرتے ہوئے مطلع العلوم واجد علی خاں کی تحریر کا حوالہ دیا ہے جو مطبع اودھ اخبار میں شائع ہوئی تھی، لیکن جیسا کہ جناب سہسوانی نے لکھا ہے، وہ کاتبوں کی غلطیوں کا سراپا مجموعہ ہے۔ اس لیے انھوں نے "خونِ جگر" پی کر اس کی تصحیح کی ہے، اور وہ اس طرح پر ہے [۵]

بسط کے معنی ہیں، کھولنا۔ اور ارباب علم کے نزدیک اس اصطلاح کا یہ مطلب ہے کہ ایک

۵۔ ساری تحریر فارسی میں ہے۔ اس کا یہاں ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو ملخصِ تسلیم از صفحہ ۱۱ تا ۱۵

Marfat.com

حرف سے دُوسرا مطلب پیدا کیا جاتا ہے اور بسط کی انواع و اقسام بہت ہیں، لیکن ان میں سے بعض یہاں احاطۂ تحریر میں لائی جا رہی ہیں:

(اوّل) بسطِ ترفّع - اور اس کی تین قسمیں ہیں - نوعِ اوّل بسط ترفع عددی - جس کا مطلب ہے حروف کے درجہ کی بلندی۔ کہ اکائی کے درجہ سے دہائی کے درجہ تک اور دہائی کے درجہ سے سینکڑے کے درجہ تک، مثلاً واحد کا لفظ، کہ جس کے چاروں طرف حروف اکائی کے درجہ کے ہیں۔ جب ترفع عددی کریں گے۔ س۔ ی۔ ف۔ م حاصل ہوں گے، واحد کی واؤ کے ۶ عدد ہیں، اسے جب دہائی کا درجہ دے کر ترفع کریں گے تو ۶۰ حاصل ہوگا جو س کے حرف سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور الف جس کا ایک عدد ہے۔ دہائی کے درجہ میں ی بنے گا اور ح دہائی کے درجے میں ف سے ظاہر ہو گی، اور دال جس کا عدد ۴ ہے۔ دہائی کے درجہ میں م کا درجہ حاصل کرے گی۔ پس اس قسم کے بسط ترفع عددی کہا جاتا ہے۔ اور اس طرح جو حروف بصورتِ اعداد ایک دُوسرے کے موافق ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے:-

ا - ی - ق - غ + ب - ک - ر + ج - ل - ش + د - م - ت + ہ - ن - ث + و - س - خ
۱ ۱۰ ۱۰۰ ۱۰۰۰، ۲ ۲۰ ۲۰۰، ۳ ۳۰ ۳۰۰، ۴ ۴۰ ۴۰۰، ۵ ۵۰ ۵۰۰، ۶ ۶۰ ۶۰۰

ز - ع - ذ + ح - ف - ض + ط - ص - ظ + یہ ابجد ترفع کی ترتیب کا اصول ہے
۷ ۷۰ ۷۰۰، ۸ ۸۰ ۸۰۰، ۹ ۹۰ ۹۰۰!

نوعِ دوم - ترفع حرفی، اور یہ عبارت ہے ہر حرف کے ارتفاع کی اصلی درجہ سے بالا درجہ پر۔ یعنی پہلے حرف کو اس کے اگلے حرف سے تبدیل کر دینا۔ مثلاً ہوز میں واؤ کو زا سے بدل دینا۔ ابجد میں الف کو با سے بدل دینا۔ حطی میں حا کو طا سے بدل دینا، اسی طرح دال کو ہا سے ہوتا ہے۔ اس طرح لفظ واحد ترفع حرفی سے زبطہ بن سکتا ہے۔ یہ نہایت دلچسپ مشغلہ ہے اگرچہ بظاہر دقیق مسئلہ نظر آ رہا ہے،

نوعِ سوم، ترفعِ طبعی، اور یہ عبارت ہے حروف کے ارتفاع کی بحسب طبیعت جدول سابقہ کے ماتحت حروفِ خاکی کو حروفِ آبی سے، حروفِ آبی کو حروف بادی سے اور

Marfat.com

حروفِ بادی کو حروفِ آتشی سے ترفع کیا جاتا ہے۔ چونکہ عنصر آتش تمام عناصر سے بالا ہے، اس لئے ترفعِ طبعی آتشی حروف سے بڑھ کر ممکن نہیں ہوگا، ان کی تفصیل یُوں سمجھ لیجئے۔

جدول کے مطابق حروفِ آتشی سات ہیں۔ اُ ۔ ہُ ۔ طُ ۔ مُ ۔ فُ ۔ شُ ۔ ذُ + حروفِ آتشی کے لیے ضمّہ کی حرکت مقرر شدہ ہے۔ اور حروفِ بادی سات ہیں۔ بَ ۔ وَ ۔ یَ ۔ نَ ۔ صَ ۔ تَ ۔ ضَ + ان حروف کو حرکتِ فتحہ (زبر) دی جاتی ہے۔ حروفِ خاکی یہ ہیں:۔ دْ ۔ حْ ۔ لْ ۔ عْ ۔ رْ ۔ خْ ۔ غْ، ان کے لیے جزم مقرر ہے + حروفِ آبی یہ ہیں:۔ جِ ۔ زِ ۔ کِ ۔ سِ ۔ قِ ۔ ثِ ۔ ظِ، ان کے لیے حرکتِ کسرہ (زیر) مقرر ہے۔

(دوم) بسطِ عددی ملفوظی:۔ اور یہ اس طرح ہے کہ ہر حرف کو اُس کے تلفظ پر شمار کرتے ہیں۔ اور اس کے حرف لے کر دُوسرے حرف کو حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً حروفِ لفظِ واحد کو جب ہم ملفوظی کریں گے، تو یہ حالت ہوجائے گی:۔

واو ۱۳ الف ۱۱۱ حا ۹ دال ۳۵ کے اعداد ملفوظی ہر لفظ کے نیچے درج کئے گئے۔ اب واو کے ۱۳ عدد کی بجائے جؔ ۳ اور یؔ ۱۰ لی جائے گی۔ الف ۱۱۱ عدد کی بجائے قؔ ۱۰۰ ۔ یؔ ۱۰ ۔ ا ۱ لئے جائیں گے اور حا کے ۹ عدد بجائے طؔ ۹ لی جائے گی۔ اور دال کے ۳۵ عدد کی بجائے ہؔ ۵ اور لؔ ۳۰ لئے جائیں گے۔ پس یہ حروفِ ملفوظی لفظِ واحد سے حاصل ہُوئے۔ اس لیے یہ لفظ واحد کی بجائے جیقیاطہل بن گیا۔

(سوم) بسطِ تضاعف، یہ عبارت ہے اعداد کو ضرب دینے سے۔ مثلاً واحد کے واؔ کے عدد ۶ ہیں، دُگنا کرنے سے ۱۲ بن گئے اور ۱۲ کے عدد کو بؔ ۲ یؔ ۱۰ سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ واحد کے الف کا ایک عدد ہے۔ اس کی تضعیف ۲ ہُوئی، اور اس کے لئے ہمارے پاس حرف ب آگیا حا کے اعداد ۸ ہیں اور تضعیف ۱۶ ہُوئی۔ جس کے لیے حرف وؔ ۶ یؔ ۱۰ ہوئے۔ اور حرف دال کے ۴ عدد ہوتے ہیں، اس کا دُگنا ۸ ہُوا۔ اور اس کے لئے حرف حؔ ۸ آگیا، پس جملہ حروف جو لفظِ واحد سے حاصل ہُوئے وہ یہ ہیں:۔ ب ۔ ی ۔ ب ۔ و ۔ ی ۔ ح

Marfat.com

(چہارم) بسطِ تقویٰ — اس کی ۳ نوع ہیں۔ پہلی نوع ہے باطن حروف کی باطن حروف سے ضرب اس کی اصلی تعداد سے، دوسری نوع — ظاہر حروف کی ظاہر حروف سے ضرب بموجب اعدادِ درجاتِ حروف، نوع سوم، ضرب باطن ظاہر حروف سے مثلاً لفظ واحد کے باطن حروف کو باطن حروف سے ضرب دیں تو واؔو کے عدد ۶ کو ۶ سے ضرب دیں گے۔ اور حاصل ضرب ۳۶ کے حروف حاصل ہوں گے: و۶ - ل۳۰ — واحد کے الف کا ایک عدد ہے۔ ایک کو ایک سے ضرب دیں تو ایک ہی حاصل ہوگا اس لئے الف ہی رہے گا — واحد کے حا کے عدد ۸ ہیں۔ ۸ کے ساتھ ضرب دینے سے حاصل ضرب ۶۴ ہُوا۔ ۶۴ کے لئے د۴ - س۶۰ آئیں گے، واحد کے آخری حرف دال کے عدد ۴ × ۴ = ۱۶ ہوں گے۔ اور ۱۶ کے لئے و۶ - ی۱۰ حاصل ہوں گے پس قاعدہ بسط سے لفظ واحد کا مجموعۂ حروف یہ ہوگا:- و۔ ل۔ ا۔ د۔ س۔ و۔ ی

— ضرب باطن ظاہر حروف میں — مثلاً لفظِ سعید کا پہلا حرف س ہے۔ جس کے عدد ۶۰ ہیں۔ اسے اس کے درجہ کے عدد ۱۵ سے[۱] ضرب دیں گے تو حاصل ضرب ہوگا ۹۰۰۔ اس عدد کا حرف ہوگا ظ + سعید کے دوسرے حرف ع کا نمبر سولھواں اور عدد ہیں ۷۰، حاصل ضرب ۱۶ × ۷۰ = ۱۱۲۰ ہوا۔ اس کے لئے حروف حاصل ہوئے ک۔ ق۔ غ + سعید کے تیسرے حرف ی کے عدد ہیں ۱۰۔ اور ابجد میں اس حرف کا نمبر بھی دسواں ہے، اس کا حاصل ضرب ۱۰×۱۰=۱۰۰ ہُوا۔ جس کے لئے ق حاصل ہوا۔ اب لفظ سعید کا آخری حرف د ہے۔ اس کا عدد ۴ عدد ہے اور ابجد میں اس کا نمبر بھی چوتھا ہے۔ اس کا حاصل ضرب ۴ × ۴ = ۱۶ ہے۔ اور ۱۶ کے لئے حرف حاصل ہوئے و۶ - ی۱۰ + پس مجموعۂ حروفِ سعید اس بسط کے مطابق یہ ہُوا:- ظ۔ ک۔ ق۔ غ۔ ق۔ و۔ ی

بسطِ پنجم کا ذکر جیسا کہ صاحب "ملخص تسلیم" نے بیان فرمایا ہے۔ اہل علم کی دلچسپی اور توجہ کے لئے

---

۱ - ابجد میں س کا نمبر پندرھواں ہے۔ یعنی ابجد، ہوز، حطی، کلمن کے بعد سعفص پہ پہنچ کر س کا نمبر ۱۵، ع کا ۱۶، ف کا ۱۷ اور ص کا ۱۸ ہے:

Marfat.com

درج کیا جاتا ہے :۔

بسط پنجم زبر و بینات ۔ (بجائے اس کے کہ یہاں ملخص تسلیم کی متعلقہ عبارت کا ترجمہ کیا جائے توجہ اس کتاب کے صفحات ۶۲، ۶۳ اور ۶۷،۷۲ کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ اس میں زبر و بینات کی صنعت کو تحریری طور پر سمجھانے کے لئے نہایت آسان الفاظ میں کوشش کی گئی ہے۔ آئندہ صفحات میں بھی اس صنعت پر سیر حاصل بحث آئے گی۔)

مختصر یہ کہ یہ بسط عبارت ہے حروف کی ملفوظی صورت سے۔ چنانچہ مثال کے طور پر لفظ سعد کے س کو سین، ع کو عین اور د کو دال لکھ کر اعداد شمار کئے جائیں گے۔ سین میں س زبر کہلائے گا، اور ی ن بینات۔

بسطِ ششم تنصیف ۔ یہ اس طرح پر ہے کہ ہر حرف کے اعداد کو جہاں تک کہ وہ نصف ہو سکے نصف کرتے جائیں، لیکن جب نصف نہ ہو سکے، چھوڑ دیا جائے، مثال کے طور پر لفظ سعید لیجیئے، اس کا بسطِ تنصیف اس طرح ہوگا :۔

س پہلا حرف ہے، اس کے عدد ۶۰ ہیں، نصف کئے، یہ ۳۰ ہوئے۔ اور ۳۰ عدد ہیں ل کے۔ پھر ۳۰ کو نصف کرنے سے ۱۵ حاصل ہوا۔ اور اس کے لئے حروف حاصل ہوں گے ہ اور ی۔ اب چونکہ ۱۵ کا پورا نصف سوائے کسر کے نہیں ہو سکتا، اس لئے اس حرف کو یہیں ختم کر دیں گے، پھر سعید کا ع لیا جائے گا، جس کے عدد ۷۰ ہیں، اس کا نصف ۳۵ ہوگا جو ہ اور ل سے حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ ۳۵ کا پورا نصف نہیں ہو سکتا، اس لئے ہ اور ل کے حروف پر چھوڑ دیا جائے گا، اس کے بعد سعید کے لفظ سے ی کا حرف لیا جائیگا جس کے عدد ۱۰ ہیں، ۱۰ کا نصف ۵ ہوتا ہے، اس سے حرف ہ حاصل ہوا، اس کے بعد سعید کا حرف د ہے۔ اس کے عدد ۴ ہیں، ۴ کا نصف ۲ اور ۲ کا نصف ا ہے۔ اس سے حرف الف لیا جائیگا، گویا کہ لفظ سعید کا مجموعہ حروف جو بقاعدہ بسط تنصیف حاصل ہوگا وہ

ل ۔ ہ ۔ ی ۔ ہ ۔ ل ۔ ہ ۔ ا ۔ ہے

ساتویں قسم بسط داخلِ اربعہ ہے۔ اور وہ اس طرح پہ ہے کہ ہر لفظ یا عبارت جسے اس

Marfat.com

بسط سے ظاہر کرنا ہو، اس کے اعداد بحساب ابجد نکال لیے جائیں اور پھر اعداد سے حروف حاصل کیے جائیں، اور اس کی چار اقسام ہیں:۔

کبیر ـــــ وسیط ـــــ صغیر ـــــ اصغر

کبیر یعنی عدد اصلی۔ عددِ وسیط کہ ایک مرتبہ اُسے اکائی کی طرف سے کم کر دیں۔ عددِ صغیر کہ عددِ وسیط سے ایک مرتبہ کم کر دیں، اور اصغر کہ عددِ صغیر سے ایک مرتبہ کم کر دیں اشکال یوں سمجھیے کہ لفظ سعید کے اعداد ۱۴۴ ہیں۔ اور حروف میں ایسے اس طرح ظاہر کریں گے

د/۴ ـــــ م/۴۰ ـــــ ق/۱۰۰

یہ عددِ کبیر ہوا، اس میں ۴ اکائی کے درجے پہ ہے۔ ۴۰ دہائی کے درجے پہ اور ۱۰۰ سینکڑے کے درجے پر۔ جب اس عدد کو وسیط کریں گے تو ۴۴ا کے پہلے دو عددوں کو جمع کر دیں گے۔ اور وہ ۸ ہوں گے، اور کل مجموعہ ۱۰۸ بن جائے گا جسے حروفِ ح اور ق سے ظاہر کریں گے، اور جب اس کا عددِ صغیر حاصل کریں تو ۸ اور ۱۰ کو جمع کر دیں گے، اور مجموعہ ۱۸ ہو گا، اور اس کے لیے حروف ہوں گے ح ۔ ی۔ اور جب عدد اصغر حاصل کرنا ہو گا، جیسے ہم گزشتہ صفحات میں جملِ صغیر بھی لکھتے آئے ہیں تو وہ عدد ہو گا ۹۔ یعنی ۱۸ کا ۸+۱ = ۹ اور ۹ کے لیے حرف ط حاصل ہو جائے گا۔

پس مجموعۂ حروف جو بقاعدۂ بسط داخل اربعہ لفظِ سعید سے حاصل ہوا، وہ یہ ہو گا:۔

د ۔ م ۔ ق ۔ ح ۔ ق ۔ ح ۔ ط ۔ ی

ملخص تسلیم کے صفحہ ۱۵ کی سطر اول پہ غالباً کتابت کی غلطی سے مجموعۂ حروف غلط دیا گیا ہے جناب تسلیم مرحوم کا ارشاد ہے کہ قواعدِ بسط حروف ۳۶۰ ہیں، لیکن مبتدیوں کے لیے اتنا ہی لکھنا کفایت کرے گا۔

علمِ جفر میں حروف چار قسم کے ہیں، اول ترفع ۔ دوم ترقی ۔ سوم سادات ۔ چہارم تنزل جن کی تفصیل یوں ہے:۔

Marfat.com

(۱) حروفِ ترفع : ب - د - د - ح - ی - ل - ن

(۲) حروفِ ترقی : ع - ص - ت - ر - خ - ض - غ

(۳) حروفِ مساوات : ا - ج - ہ - ز - ط - ک - م

(۴) حروفِ تنزل : ظ - ذ - ث - س - ق - ف - ش

حسابِ جمل کو ۳ شکلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول جملِ صغیر — دوم جملِ وسیط — اور سوم جملِ کبیر۔

جملِ صغیر یہ ہے کہ ابجد کے حساب سے اصل عدد لیا جائے مثلاً یعنی الف کا ایک عدد۔ اور اُسے زُبر کہا جاتا ہے، جمل وسیط یہ ہے کہ الف کا پہلا حرف چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور باقی لف کے عدد لیے جائیں جو ۱۱۰ ہوتے ہیں۔ اور اسے بیّنات کہا جاتا ہے۔ اور جمل کبیر یہ ہے کہ الف کے سارے حروف ا-ل-ف کے عددوں کا مجموعہ ۱۱۱ لیا جاتا ہے۔

صاحب ملخص تسلیم نے اس مقام پر یہ ظاہر کرنے میں بخل نہیں کیا کہ انھوں نے اپنے ایک دوست سید ابن علی بسمل مراد آبادی کے حوالے سے ایک قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے اس کتاب میں (افسوس ہے کہ کتاب کا نام درج نہیں کیا گیا اور کتابِ قلمی" پر ہی اکتفا فرمایا ہے) لکھتے ہیں کہ زُبر و بیّنات قاعدۂ قدیم است از ایجادِ طبعِ ارسطالیس حکیم است، اور علم جفر میں غالب و مغلوب معلوم کرنے کے لیے ارسطالیس وزیر اسکندر رومی اس قاعدے سے کام لیا کرتا تھا، اور سکندر بھی جب تک وزیر سے اس بارے میں مشورہ نہیں کر لیتا تھا، تسخیر اور ولایت پر کمر بستہ نہیں ہوتا تھا، واللہ اعلم بالصواب

بہر کیف اس فن تاریخ گوئی میں تاریخ گو شعراء نے زُبر بیّنات کے قاعدے سے بہت ہی دلچسپ اور نادر تاریخی مادے لکھے ہیں۔

صاحب "ہفت قلزم" کا بیان ہے کہ کلام عرب کی بنیاد ۲۸ حروف پر ہے۔ اور اُسے ۳۔ اقسام پر درج کیا گیا ہے۔ قسم اول مسروری — اور وہ دو حرفی ہیں، جو تعداد میں بارہ ہیں،

Marfat.com

با - تا - ثا - حا - خا - را - زا - طا - ظا - فا - ہا - یا ؏

قسم دوم ملفوظی - اور یہ تین حروف پر مشتمل ہیں۔ ۱۶ حروف ہیں :-

الف - جیم - دال - ذال - سین - شین - صاد - ضاد - عین - غین - قاف - کاف - لام -

قسم سوم مکتوبی - جسے مکتوب مستوی بھی کہتے ہیں، یہ صرف ۳ حروف ہیں :-

میم - نون - واو - یعنی اوّل و آخر ہی حرف ہو اور درمیان کا حرف اور ہو - انھیں ملفوظی بھی کہا جاتا ہے -

فارسی حروف پ - چ - ژ - گ کے لئے حروف ب - ج - ز اور ک لئے جاتے ہیں -

جناب تسلیم سہسوانی نے اس فن کے سمجھنے میں بے حد آسانی پیدا کرنے کی خاطر ایک نہایت ہی مفید جدول مرتب فرما کر اہلِ علم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے - اس جدول اور نقشہ کو سامنے رکھ لیا جائے تو حسابِ ابجد کے قریباً تمام قواعد بادی النظر میں سامنے آجاتے ہیں، چنانچہ وہ نقشہ اہلِ فن کی آگاہی کے لئے، اگلے صفحہ پر نقل کیا جاتا ہے -

---

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر آچکا ہے، زُبر کو مسمّیٰ بھی کہا جاتا ہے - اور بیّنات بھی روشن اِسے اسم کہا جاتا ہے - فیضی کی ایک رباعی اس سلسلے میں اربابِ علم کی ضیافتِ طبع کے لیے پیش کی جا چکی ہے پس زُبر و بیّنات مسمّیٰ اور اسم کہے جاتے ہیں -

اس کے بعد حسابِ ہندسہ، حسابِ کبیر، حسابِ وسیط - حسابِ صغیر اور حسابِ لفظی، نیز قواعدِ اعداد کے سمجھنے کے لیے ایک اور جدول مرتب کی گئی ہے، جو اگلے صفحات پر درج ہے ...... اس کے بعد تاریخی مادے سمجھنے کے لیے ہر طالب علم کو کافی استعداد حاصل ہو جائے گی - اور وہ اس فن کے معجزانہ کمالات سے لطف اندوز ہو سکیں ؏

عدد	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸
بسط اول، حروف ۳ قسم	ا	ب	ج	د	ه	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
قسم اول بسط ترفع عددی	ی ۱۰	ک ۲۰	ل ۳۰	م ۴۰	ن ۵۰	س ۶۰	ع ۷۰	ف ۸۰	ص ۹۰	ق ۱۰۰	ر ۲۰۰	ش ۳۰۰	ت ۴۰۰	ث ۵۰۰	خ ۶۰۰	ذ ۷۰۰	ض ۸۰۰	ظ ۹۰۰	غ ۱۰۰۰									
قسم دوم، ترفع حرفی	ب	ج	د	ه	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ	
قسم سوم۔ ترفع طبعی	ا	ا	ب	ج	ه	ه	ه	ز	ط	ط	ی	ک	م	م	ن	س	ف	ف	ص	ق	ش	ش	ت	ث	ذ	ذ	ض	ظ
حروفِ خاکی کو حروفِ آبی سے اور حروفِ آبی کو حروفِ بادی سے اور حروفِ بادی کو حروفِ آتشی سے ترفع کیا جاتا ہے۔ حروفِ آتشی کا ترفع نہیں کیا جاتا۔																												
بسط دوم۔ عددی ملفوظی	الف	با	جیم	دال	ہا	واو	زا	حا	طا	یا	کاف	لام	میم	نون	سین	عین	فا	صاد	قاف	را	شین	تا	ثا	خا	ذال	ضاد	ظا	غین
بسط سوم۔ تضاعف	۲	۴	۶	۸	۱۰	۱۲	۱۴	۱۶	۱۸	۲۰	۴۰	۶۰		۸۰	۱۰۰	۱۴۰	۱۶۰	۱۸۰	۲۰۰	۴۰۰	۶۰۰	۸۰۰	۱۰۰۰	۱۲۰۰	۱۴۰۰	۱۶۰۰	۱۸۰۰	۲۰۰۰
چہارم بسط تقوی، نوع اول ضرب باطن بباطن	۱	۴	۹	۱۶	۲۵	۳۶	۴۹	۶۴	۸۱	۱۰۰	۴۰۰	۹۰۰	۱۶۰۰	۲۵۰۰	۳۶۰۰	۶۴۰۰	۸۱۰۰	۱۰۰۰۰	۴۰۰۰۰									
نوع دوم ضرب ظاہر بظاہر	۱	۴	۹	۱۶	۲۵	۳۶	۴۹	۶۴	۸۱	۱۰۰	۱۲۱	۱۴۴	۱۶۵	۱۹۶	۲۲۵	۲۵۶	۲۶۹	۳۲۴	۳۶۱	۴۰۰	۴۴۱	۴۸۴	۵۲۹	۵۷۶	۶۲۵	۶۷۶	۷۲۹	۷۸۴
نوع سوم۔ ضرب باطن بظاہر	۱	۴	۹	۱۶	۲۵	۳۶	۴۹	۶۴	۸۱	۱۰۰	۲۲۰	۳۶۰	۵۲۰	۷۰۰	۹۰۰	۱۱۲۰	۱۳۶۰	۱۶۲۰	۱۹۰۰	۴۰۰۰	۶۳۰۰	۸۸۰۰	۱۱۵۰۰	۱۴۴۰۰	۱۷۵۰۰	۲۰۸۰۰	۲۴۳۰۰	۲۸۰۰۰
بسط پنجم۔ زبر و بینات	زبر و بینات سے متعلق پہلے کافی وضاحت ہو چکی ہے																											
بسط ششم تضعیف	۱	۱	۳	۱	۵	۳	۷	۱	۹	۵	۵	۱۵	۵	۲۵	۱۵	۳۵	۵	۳۵	۲۵	۲۵	۷۵	۲۵	۱۲۵	۷۵	۱۷۵	۲۵	۲۲۵	۱۲۵
ہفتم مداخل اربعہ، اول کبیر	۱۱۱	۳	۵۲	۳۵	۶	۱۳	۸	۹	۱۰	۱۰۱	۷۱	۶۰	۱۰۶	۱۲۰	۱۳۰	۸۱	۹۵	۱۸۱	۲۰۱	۳۶۰		۳۰۱	۵۰۱	۶۰۱	۷۳۱	۸۰۵	۹۰۱	۱۰۹۰
دوم وسیط	۱۱۰	۱	۵۰	۳۱	۱	۷	۱	۱	۱	۸۱	۴۱	۵۰	۵۶	۶۰	۶۰	۱	۵	۸۱	۱	۶۰	۱	۱	۱	۱	۳۱	۵	۱	۶۰
سوم صغیر	اس کی مثال پہلے پیش ہو چکی ہے۔																											
چہارم اصغر	اس کی مثال بھی پہلے پیش ہو چکی ہے۔																											

Marfat.com

قسط ماسبق میں ابجد کے انواع و اقسام سے متعلق ایک جدول نقل کی جاچکی ہے، اب ذیل میں تسلیم سہسوانی کی دوسری جدول دی جاتی ہے جس میں اعداد زبر[۱]، زبر و بیّنات[۲]، اعداد از روئے حساب ہندسہ[۳]، اعداد از روئے حساب کبیر، وسیط و صغیر و لفظی و توالی اعداد بادی النظر میں سامنے آجاتے ہیں۔ "ملخص تسلیم" میں یہ جدول کاتب کی غلطی سے اہلِ علم کو گمراہ کرتی تھی خصوصاً توالی، اعداد کی جدول میں تو فاش اغلاط تھیں، ویسے بھی جناب تسلیم نے یہ جدول نامکمل چھوڑ دی تھی۔ راقم الحروف نے اپنے ناقص علم سے اس جدول کو درست اور مکمل کرکے لکھ دیا ہے تاکہ اہلِ علم اس سے استفادہ کرسکیں، ہر حساب کے اعداد کے ساتھ ساتھ مختصر طور پر تشریح بھی کردی گئی ہے، جس سے یہ حساب بہت ہی آسان ہو گیا ہے۔

(جدول نمبر۲)

(۱) زبر، جسے مسمّٰی بھی کہا جاتا ہے:—

ا	ب	ج	د	ه	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
١	٢	٣	٤	٥	٦	٧	٨	٩	١٠	٢٠	٣٠	٤٠	٥٠	٦٠	٧٠	٨٠	٩٠	١٠٠	٢٠٠	٣٠٠	٤٠٠	٥٠٠	٦٠٠	٧٠٠	٨٠٠	٩٠٠	١٠٠٠

۲- بیّنات یعنی روشن۔ اور انھیں اصطلاح حساب جمل میں اسم بھی کہا جاتا ہے۔(۳) اب نیچے کی جدول میں جس کا نمبر شمار ۳ ہے زبر و بیّنات یعنی مسمّٰی و اسم دونوں کے اعداد کا نقشہ ہے:—

(جدول نمبر۳)

١١٠	١	٥٠	٣١	١	٧	١	١	١	١	٨١	٤١	٥٠	٥٦	٦٠	٦٠	١	٥	٨١	١	٦٠	١	١	١	٣١	٥	١	٦٠
الف	با	جیم	دال	ہا	واؤ	زا	حا	طا	یا	کاف	لام	میم	نون	سین	عین	فا	صاد	قاف	را	شین	تا	ثا	خا	ذال	ضاد	ظا	غین
١١١	٣	٥٣	٣٥	٦	١٣	٨	٩	١٠	١١	١٠١	٧١	٩٠		١٢٠	١٣٠	٨١	٩٥	١٨١	٢٠١	٣٦٠	٤٠١	٥٠١	٦٠١	٧٣١	٨٠٥	٨٠١	١٠٦٠

(جدول نمبر ۴) حساب ہندسہ:- اس میں ی تک تو بحساب ابجد اصلی عدد لئے جاتے ہیں۔ لیکن ک سے ر تک ایک ایک عدد بڑھایا جاتا ہے۔ اور پھر ش سے غ تک دس دس عدد زیادہ کر دیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ذیل کے نقشے سے ظاہر ہے۔

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰

(جدول نمبر ۵) حساب کبیر کہ اکائی کے اعداد پر ایک ایک صفر یعنی ایک ایک دہائی ایزاد کریں، دہائی والے اعداد پہ ایک ایک سینکڑہ اور سینکڑہ والے اعداد پر ایک ایک ہزار (بالفاظ دیگر ہر عدد کو دس گنا کیا جائے) نقشہ ذیل ملاحظہ فرمائیے:-

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰	۲۰۰۰	۳۰۰۰	۴۰۰۰	۵۰۰۰	۶۰۰۰	۷۰۰۰	۸۰۰۰	۹۰۰۰	۱۰۰۰۰

(جدول نمبر ۶) حساب وسیط الف سے ایک عدد شروع کر کے ایک ایک عدد بڑھاتے

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲	۲۷	۲۸

(جدول نمبر ۷) حساب صغیر، کہ دہائی اور سینکڑے والے اعداد کو بارہ پر تقسیم کریں، جو باقی بچے وہ عدد حرف ہوگا، اور جو ۱۲ پر پورا تقسیم ہو جائے وہ ساقط ہوگا

ا	ب	ج	د	ه	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۸	۶	۴	۲	ساقط	۱۰	۸	۶	۴	۸	ساقط	۴	۸	ساقط	۴	۸	ساقط	۴

(جدول نمبر ۸) حسابِ لفظی۔ وُہ اس طرح ہے کہ اعداد کے ہندسوں کو عبارت میں لکھیں، پھر اُن الفاظ کے حروف کے اعداد لیئے جائیں مثال کے طور پر ذیل کی جدول ملاحظہ فرمایئے۔ اصل نسخہ میں اغلاط تھیں، جو دُرست کر کے نقل کی گئی ہے:۔

یک	دو	سه	چهار	پنج	شش	هفت	هشت	نُه	ده	بیست	سی	چهل	پنجاه	شصت	هفتاد	هشتاد	نود	یکصد	دوصد	سه صد	چهارصد	پنجصد	ششصد	هفتصد	هشتصد	نهصد	هزار
۳۰	۱۰	۶۵	۲۰۹	۵۵	۶۰۰	۴۸۵	۷۰۵	۵۵	۹	۴۶۲	۷۰	۳۸	۶۱	۷۹۰	۴۹۰	۷۱۰	۶۰	۱۲۴	۱۰۴	۱۵۵	۳۰۳	۱۳۹	۶۹۴	۵۷۹	۷۹۹	۱۳۹	۲۱۳

(۹) توالیِ اعداد۔ اگرچہ اس قسم کے تاریخی مادے شاذ ہیں، لیکن چونکہ قاعدہ مقرر ہے اور وہ اس طرح ہے کہ ہر حرف کے اعداد حدِ معین تک لیتے ہیں، اور پھر میزانِ اعداد کو اس عدد کے حرف قرار دیتے ہیں، اس میں الف کا ایک عدد ہے۔ ب کے عدد اس طرح لیں گے کہ ب دوسرا عدد ہے۔ اسلئے ایک عدد تو پہلے الف کا ہو گیا، اور دوسرا نمبر اس ب کا ہے۔ ایک اور دو جمع کرنے سے ب کے ۳ عدد ہو گئے۔ آگے ج لیجیے اس کا تیسرا نمبر ہے اور اس سے ماسبق حرف کے ۳ نمبر ہیں وہ ۳ + ۳ جو اِس نمبر کے ہیں کُل ۶ ہُوئے۔ اس لئے ج کے عدد ۶ ہو گئے، اب د لیجیے۔ د کا نمبر چوتھا ہے۔ اس سے پہلے حرف کے ۶ نمبر آ چکے ہیں۔ اب ۶ + ۴ = ۱۰ ہوئے۔ یہ ۱۰ عدد د کے ہوئے، اس حساب سے ابجد کے اعداد ۲۰ ہُوئے۔ یعنی الف کا ۱، ب کے ۳، ج کے ۶، اور د کے ۱۰۔ کُل ۲۰ ہُوئے اِس طریقے کو مدِنظر رکھکر توالیِ اعداد کا نقشہ حسبِ ذیل ہوگا:۔

(جدول نمبر ۹) توالیِ اعداد

ا	ب	ج	د	ه	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۱	۳	۶	۱۰	۱۵	۲۱	۲۸	۳۶	۴۵	۵۵	۷۵	۱۰۵	۱۴۵	۱۹۵	۲۵۵	۳۲۵	۴۰۵	۴۹۵	۵۹۵	۷۹۵	۱۰۹۵	۱۴۹۵	۱۹۹۵	۲۵۹۵	۳۲۹۵	۴۰۹۵	۴۹۹۵	۵۹۹۵

اب اس قسط سے تاریخ گوئی کے فن پہ اصل بحث شروع ہوتی ہے۔ چونکہ اس موضوع پہ متقدمین اور متاخرین کا اعدادِ حروف سے متعلق مسلک مختلف رہا ہے۔ اس لئے راقم الحروف کا اس مقالہ سے مقصد یہ ہے کہ جو کچھ لکھا جائے اُسے قولِ فیصل کی حیثیت حاصل ہو۔

عام حروف کے اعداد سے متعلق تو بحث یا شک کی گنجائش ہی نہیں، البتہ الف ممدودہ اور تلفظ مدورہ کی نسبت اہلِ علم حضرات میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہیں، اگرچہ اُس وقت بھی قولِ فیصل اہلِ علم کی طرف سے بیان کر دیا گیا، لیکن غلط نقشِ قدم بہرحال موجود تھے اُن نقوش نے آنے والے رہروؤں کو گمراہ کر دیا۔ اس موضوع پہ آئندہ صفحات میں مفصل بحث آئے گی (انشاءاللہ)

فنِ تاریخ گوئی کی تیمور کے عہد سے آہستہ آہستہ ترقی ہونی شروع ہوئی، اور عہدِ تیموریہ کے ادیب اور شعراء کے کلام سے تاریخ گوئی کی بہت مثالیں مل سکتی ہیں، حافظ خود تو تاریخ گو شاعر نہیں تھے، لیکن اُن کے زمانے میں تاریخ گو شعراء کی کمی نہیں تھی، شاہ شجاع جس کا انتقال ۷۸۶ھ میں ہوا اس کا سالِ وفات حیف از شاہ شجاع (۷۸۶) سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے مشہور اور متبرک اعداد ۷۸۶، تو کسی تحقیق کے محتاج ہی نہیں، اس کے بعد حافظ کی تاریخِ وفات کا قطعہ جو اس کے مرقد پہ کندہ ہے، کمالِ فن کا نادر نمونہ ہے۔ اس کا ذکر خاکِ مصلّٰی والے قطعہ میں اس سے پہلے آچکا ہے۔

دورِ تیموری کے بعد اس فن نے کافی رواج پایا، اس دور کے بیشتر شعراء کے کلام میں تاریخ گوئی کے نمونے ملتے ہیں، جامی کی وفات جو ۸۹۸ھ میں واقع ہوئی اس کا سنِ وفات وَمَنْ دَخَلَہٗ کَانَ آمِنًا سے نکلتا ہے اور تخرجہ کی رُو سے دود از خراسان بر آمد کے جملۂ لطیفہ سے بھی سالِ وفات ظاہر ہوتا ہے۔ خراسان کے عدد ۹۱۲ ہیں اور دُود کے عدد ۱۴ ہیں۔ خراسان کے اعداد سے دود کے اعداد منفی کریں تو سال ۸۹۸ھ ظاہر ہے [۱]

بابر کے عہد میں اس فن نے کافی فروغ حاصل کیا، اور تو اور خود پنجاب میں جو اُردو کا

---

[۱]۔ صفحہ ۵۱۲ لٹریری ہسٹری آف پرشیا از ڈاکٹر براؤن

Marfat.com

گہوارہ ہے، بابا نانک جیسے صوفی منش فقیر نے جسے سکھ قوم اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرتی ہے، اپنی ایک بانی میں حضرت رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے نام مبارک محمدؐ کے اعداد ۹۲ پر اپنی ہندسہ دانی کے کمال کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے:-

"نام لیو جس انچھر کا کر لیو چو گنتا ۔ مڑ اس میں دو ملا کر لیو پنج گنتا

مڑ بیسوں دیو اُڑا باقی اس میں جو بچے ۔ کر لیو اسے نو گنتا مڑ دو اور دیو ملا

تب لولاک لما خلقت الافلاک لفظ محمدؐ بن جا"

اس کی تشریح یوں سمجھ لیجیے: کہ فرض کردہ ہم نے ۴ کا عدد لیا ہے۔ اسے چوگنا کیا تو ۱۶ بنے اس میں ۲ جمع کیا تو ۱۸ ہو گئے۔ ۱۸ کو ۵ سے ضرب دی تو ۹۰ بنے۔ ۹۰ کو ۲۰ پر تقسیم کریں تو باقی ۱۰ بچے۔ ۱۰ کو ۹ گنا کریں تو ۹۰ بنے۔ اس میں ۲ اور جمع کیے گئے تو ۹۲ ہو گئے جو محمدؐ کے اعداد بحساب ابجد ہیں۔ ممکن ہے بانی کے الفاظ مختلف ہوں، لیکن مطلب اور مفہوم صحیح نقل کیا گیا ہے۔

بعد میں تاریخ گوئی کا فن عہدِ مغلیہ کے وسط میں معراجِ کمال پر پہنچ گیا، وجہ یہ تھی کہ شاہانِ مغلیہ خود اس فن سے واقف تھے اور اہلِ فن کی بہت قدر کرتے تھے۔ اور جہاں فی الواقع قدر منزلت ہو وہاں اہلِ کمال ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر متاعِ ہنر پیش کرتے ہیں۔ جوں جوں مغلیہ کا چراغِ اقبال مدھم ہوتا گیا، اہلِ کمال کی محفل بھی اجڑتی گئی۔ تا آنکہ آج تاریخ کہنے والے شاعر تو خیر مادۂ تاریخ سمجھنے والے بھی گنتی کے چند اگلے وقتوں کے لوگ رہ گئے ہیں۔ یا دو چند علم دوست جنھیں اس فن کا شوق ورثے میں ملا ہے۔ اور پھر یہ تاریخی مادے بھی کسی صاحبِ اقتدار کے سالِ رحلت تک ہی محدود ہوتے ہیں،

بادشاہ تو پھر بادشاہ تھے، عہدِ مغلیہ میں رؤسا کی علم دوستی ادب پروری کا یہ عالم تھا کہ قابل شعراء کو ہر ممکن کوشش سے لالچ دے کر اپنی محفلوں میں رکھتے تھے، عبدالرحیم خانِ خاناں کی فیاضی اور قدردانی سے جو شعراء اور اہلِ کمال اس کے دربار میں جمع ہوئے تھے، وہ یا

بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوئی، قدر دانانِ سخن میں خانِ زمان خان خانِ اعظم کوکلتاش
ور ظفر خان کے نام دُنیائے ادب میں اب تک روشن ہیں، غزالی شاعر جب ایران سے دکن میں
یا۔ اور وہاں اس کی حسبِ دل خواہ قدر نہ کی گئی تو خان زمان نے جو اکبری دربار کے امرائے
کبار میں سے تھا غزالی کو ہزار روپے اور چند گھوڑے بھیج کر بُلایا۔ اور یہ قطعہ لکھکر بھیجا۔

اے غزالی بحق شاہِ نجف — کہ سوئے بندگانِ بیچوں آ
چوں کہ بے قدر گشتہ آنجا — سرِ خود گیر و زود بیروں آ

سرِ خود گیر سے ہزار روپیہ کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ غزالی کا پہلا حرف غ ہے جس کے عدد
یک ہزار ہیں، غزالی دکن سے جون پور آیا۔ اور جب تک خان خاناں زندہ رہا اُس نے کسی
ور طرف رُخ نہیں کیا۔ (شعر العجم حصہ سوم)

ہمایوں اس فن کا قدردان تھا۔ اُس کے عہد میں تاریخ گوئی کی ہر دل عزیزی کا یہاں تک اثر
ہُوا کہ وہ تمام شعراء جو ایران ترکستان اور ماوراء النہر کے علاقوں میں ممتاز تھے سب دربارِ
مغلیہ سے منسلک ہو گئے۔ اور یہاں آکر اُنھوں نے مادہ ہائے تاریخ میں طرح طرح کے کمال
ور مضمون آفرینیوں کے انبار لگا دیے۔ تاریخ اور بدیہہ گوئی کے نئے نئے اسلوب اور نئے
نئے انداز میں شہ کار پیش ہوتے اور شاعر منہ مانگی مُرادیں پاتے۔

بابر کی وفات اور ہمایوں کی تخت نشینی پر جو ۹۳۷ھ میں واقع ہُوئی، شعراء نے عجیب
مسرت اور غم سے ملے جلے جذبات سے لبریز قطعے لکھے۔ نفائس الآثر میں مرزا علاؤالدولہ
قزوینی نے ایک نہایت برجستہ قطعہ تاریخ نقل کیا ہے۔

شہِ خسرواں شاہِ بابر کہ داشت — دو صد شاہ مانندِ جمشید دَے
محمد ہمایوں بجایش نشست — چو طومارِ عمرش اجل کردہ طَے
چو پُرسند تاریخ اے دل بگو — ہمایوں بود وارثِ مُلکِ وَے
۹۳۷ھ

تاریخ بدایونی جلد اوّل صفحہ ۳۴۴ پر ایک شگفتہ قطعہ سالِ جلوس درج ہے:

محمد ہمایوں شہ نیک بخت | کہ خیر الملوک است اندر سلوک
چو بر مسند بادشاہی نشست | شدش سال تاریخ خیر الملوک

پھر جب ہمایوں نے سلطان بہادر گجراتی کو مالوہ کے قریب شکست دی تو اس فتح کی یادگار قائم رکھنے کے لیے یہ قطعہ تاریخ کہا گیا ؎

ہمایوں شاہ غازی آنکہ او را ست | ہزاراں بندہ چوں جمشید در خور
بہ فیروزی چو آمد سوئے گجرات | مظفر گشت فخرِ آلِ تیمور
بہادر چوں ذلیل و خوار گردید | شدہ تاریخ آں ذلِ بہادر

اسی طرح جب چمپانیر کا قلعہ فتح ہوا تو شاعر دربار نے یہ شعر اس فتح کو لازوال رکھنے کیلئے کہا:

؎ تاریخ ظفر یافتن شاہ ہمایوں | می جست خرد گفت "نہ شہر صفر بود"

اس مادۂ تاریخ میں جو کمال ہے وہ یہ ہے کہ تاریخ اور ماہ میں سے سن ہجری بر آمد ہوتا ہے "نہ شہرِ صفر بود" سے سال ۹۴۲ھ عیاں ہے۔ یعنی صحیح تاریخ فتح ۹ صفر ۹۴۲ھ ہے۔

اصل میں اس فن کی ہر دل عزیزی بابر کے عہد سے ہی شروع ہو گئی تھی، ہمایوں کے عہد میں اس کی قدر دانی ہوئی۔ اور پھر اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد معدلت مہد میں یہ فن اپنے قدر دانوں کی وجہ سے معراج کمال تک پہنچ گیا، خود ہمایوں کی ولادت جب ۹۱۳ھ میں کابل میں ماہم بیگم کے بطن سے ہوئی تو بہت سے اہل کمال نے قطعات تاریخ تہنیت لکھے۔ لیکن بابر کے معتمد علیہ درباری خواجہ کلاں کا یہ قطعہ نہایت ہی پُر معنی اور بے تکلف ہے۔

(بحوالہ تذکرہ باغ معانی)

سالِ مولود ہمایوں شاہ ہست | زادک اللہ تعالیٰ قدرا
بردہ ام یک الف از تار بخش | تا کشم میلِ دو چشم بدرا

مادۂ تاریخ "زادک اللہ تعالیٰ قدرا" ہے۔ چونکہ اس کے عدد ۹۱۴ ہیں۔ اور سال پیدائش ۹۱۳ھ ہے: اس لیے شاعر نے اس مادہ سے بطور تخرجہ یہ کہہ کر الف کا ایک عدد لے لیا کہ اس

سلامی کا کام لیا جاتا ہے۔

الف الگ کرنے کی ایک اور روشن مثال اکبر کی وفات واقع ۱۰۱۴ھ پر میر حیدر کاشی کی فی البدیہہ تاریخ ہے۔ جونہی کہ اُسے اکبر کی وفات کی جاں سوز خبر ملی، معاً اُس کی زبان سے یہ مصرع نکلا ——— الف کشیدہ ملائک ز فوتِ اکبر شاہ

فوتِ اکبر شاہ (۱۰۱۵) عدد ہیں۔ الف کا ایک عدد خارج کرنے سے سالِ وفات ہویدا ہے۔ داغستانی نے اس مصرع کو نقل کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ عہدِ اکبری میں تاریخ گوئی کا فن درجۂ عروج تک پہنچ چکا تھا، ارباب علم نے اپنے نام بھی تاریخی رکھنے شروع کر دیئے تھے اور یہ طریقہ تو دیر آخر تک رہا، کتابوں کے آخر میں تقریظ کے طور پر ہمیشہ قطعات تاریخ لکھوا کر زینتِ کتاب کیے جاتے تھے، فیضی نے اپنا کمالِ علم دکھانے کے لئے قرآن مجید کی غیر منقوط تفسیر "سواطع الالہام" کے نام سے لکھی، اس کے آخر میں قطعاتِ تاریخ لکھے گئے، وہ فیضی کے کمال سے بڑھ کر کمالاتِ علمی کا نمونہ تھے۔ مولانا شبلی مرحوم نے ان تاریخوں کو تفسیر سے زیادہ پُر معنی اور پُر لطف قرار دیا ہے۔ ایک صاحب نے "سواطع الالہام" کی تاریخ ۱۰۰۲ھ پوری سورۂ اخلاص سے نکالی، اور ایک شاعر مدبارنے لا رطبٍ ولا یابسٍ الا فی کتابٍ مبین (۹۹۹ھ) سے تاریخ آغازِ تصنیف نکالی، گویا یہ تصنیف ۳ سال میں مکمل ہوئی ابوالفیض فیضی فیاضی نے جس کا گھر اہلِ کمال کے لئے عام مہمانسرائے تھا، حیدر معمائی کا جب یہ مادۂ تاریخ دیکھا، کہ سواطع الالہام کی تاریخ قل ھو اللہ سے برآمد ہوئی ہے، تو خوش ہو کر اُسے دس ہزار روپے صلے میں دیئے۔

لیکن عجیب اتفاق ہے اور اسے پُر لطف توارد ہی کہنا ہوگا کہ عین اُسی زمانے میں اقصائے مغرب میں بھی اربابِ علم و فضل کی شہرت کا ڈنکا بج رہا تھا، المنصور باللہ احمد بادشاہ مراکش خود صاحب علم اور قدردانِ علم و فن تھا۔ شاہجہاں سے بڑھ کر اُسے شاندار عمارات بنوانے کا شوق تھا، شاہان مراکش میں یہ اصول تسلیم کر لیا گیا تھا کہ جب تک کوئی بادشاہ کوئی بڑی عالی شان عمارت تعمیر نہ کرے گا اُس کے خاندان کا نام کبھی ملک میں دیرپا رواج و شہرت حاصل نہیں کر سکے گا، چونکہ احمد تفاخر و خودنمائی کا بھی بڑا دل دادہ تھا، اس لئے اس نے تمام سابقہ سلاطین کی

Marfat.com

تعمیرات سے بدرجہا زیادہ شاندار عمارت تیار کرنے کا عزم کر لیا۔ اور تمام اہلِ علم و فضل سے صلاح و مشورہ کر کے شوال ۹۸۶ھ میں محل البدیع کی بنیاد رکھی، اس محل کی تیاری و تعمیر کے لئے یورپ سے ماہر کاریگر اور صنّاع منگائے گئے۔ اور اٹلی سے سنگِ مرمر منگایا، جسے سلطان منصور قند کے مساوی تول پر خریدتا تھا۔ محل البدیع پورے سترہ سال کی مدت میں ۱۰۰۲ھ میں پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ اس پر سب مورخ متفق ہیں کہ شان و شوکت، جاہ و جلال نفاست و لطافت اور دل فریبی اور کمالِ صنعت میں قصر شعب بوان، محل خمدان اور قصور زہرا اس کے سامنے ماند پڑ گئے۔ اس جنّتِ ارضی کے ہر ایوان کے در و دیوار پر مناسب و برمحل اشعار، تاریخی مادے اور آیاتِ قرآنیہ منقوش تھیں، مولانا احمد مصنّف تاریخ مراکش کے قول کے مطابق محل کے صرف ایک قبّہ کے در و دیوار کے اندر اور باہر دو سو اشعار سے کم منقش نہیں تھے۔

مراکشی وزیر ابوالحسن نے تاریخ تکمیل قصر البدیع کے لیے جو لطیف تاریخی قطعہ کہا اور جو اس قصر کے باب رخام پر منقش تھا وہ یہ ہے۔

۵ الحسنُ لفظٌ وھذا القصر معناہُ	یا ما احلٰے مراہ و ابھا
فھو البدیع الذی راقت بدایعه	مطابق اسمه له فیه مسماہ
صرح اقیمت علی التقوی قواعدہٗ	دول منه علی التاریخ معناہ
ولاح ایضاً وعین الحفظ لکلوہ	تاریخه من تمام قل ھو اللّٰه

علامہ شبلی مرحوم و مغفور تک یہ تاریخی مادہ نہیں پہنچا تھا، ورنہ وہ ۱۰۰۲ یقیناً اس پر رائے زنی کرتے کہ حیدر معمائی اور وزیر ابوالحسن کے مادہ ہائے تاریخ میں توارد ہے یا ان ارباب علم و فضل میں سے کوئی سرقہ کا مرتکب ہوا ہے۔ ابوالحسن کا علم و فضل بہرحال حیدر معمائی سے بدرجہا زیادہ تھا عربی زبان اُس کے گھر کی لونڈی تھی۔ اور صنائع بدائع کا وہ بادشاہ تھا، لیکن حیدر معمائی بھی تاریخ گوئی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا، بہرحال اس واقعہ کو توارد لطیف کہیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ ابوالحسن نے قصر بدیع پر اور بھی نہایت ہی برمحل اور برجستہ قطعات تاریخ کہے، جن میں اہم و شستہ

کے نادر نمونے ہیں۔

بہرحال اکبری دور اور دورِ منصور دُنیا میں علم و فضل کے دور تھے۔ جن کی مثال بعد کا زمانہ پیش نہ کر سکا۔ اور آج کل جو دورِ انحطاطِ علم ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

(عہدِ منصور کے واقعات و قطعۂ تاریخ مولانا احمد مشہور مراکشی مورخ کی تاریخ مراقش و مغرب الاقصیٰ سے لیے گئے ہیں، اس کتاب کا ترجمہ و ملخص جس کے ساتھ مشہور انگریز سیّاح مسٹر میکنس کے تاثرات بھی شامل تھے، مولوی انشاء اللہ مرحوم ایڈیٹر وطن نے "تاریخِ مراکش" کے نام سے مرتب کیا۔ جس کی دوسری ایڈیشن ۱۹۰۸ء میں مطبع حمیدیہ لاہور میں طبع ہوئی)

(نوٹ) عجب حسنِ اتفاق ہے کہ مولوی انشاء اللہ کے دور میں (۱۹۰۵ء سے ۱۹۲۵ء تک) سارے مقتدر اخبارات اور روزناموں کے ایڈیٹر اور مالک گوجرانوالہ کی مقتدر سرزمین کے رہنے والے تھے۔ مولوی محبوب عالم مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور و انتخاب لاجواب۔ مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر وطن، مولوی شجاع اللہ مرحوم ایڈیٹر ملت۔ بانکے دیال ایڈیٹر جھنگ سیال۔ مولوی غلام حسین ایڈیٹر المنیر جھنگ، مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار لاہور، مولوی عبداللہ منہاس ایڈیٹر وکیل امرت سر۔ لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان دہالہ — یہ سارے بزرگ گوجرانوالہ کی خاک سے اُٹھے اور سربلند ہوئے، سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر اخبار ریاست بھی گوجرانوالہ کے تھے۔

۵۔ تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا فَانْظُرُوا بَعْدَنَا إِلَى الْآثَارِ

(ترجمہ) یہ ہمارے کارہائے نمایاں دلیل ہیں اس بات کی کہ ہم نے کیا کیا، پس ہماری موت کے بعد ان آثار کا مطالعہ کیجیے۔

۵۔ بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست (رومی)

"محل البدیع" کی تکمیل پر منصور نے جشنِ عظیم مرتب کر کے شہر کے تمام باشندوں کو پُر تکلف دعوت دی جس میں درویش، مجذوب اور گوشہ نشین زاہد بھی شامل تھے، ان مجذوبوں میں سے منصور نے ایک سے پوچھا، تم نے ہمارے محل کو کیسا پایا، دیوانے نے جواب دیا۔ "ہاں جب یہ گرے گا تو

مٹی کا بہت بڑا تودہ دکھائی دے گا"۔ مجذوب کا کہنا جلد ہی صحیح ثابت ہوگیا، سنہ ۱۱۱۹ھ میں مولائی اسمٰعیل نے اسے گرا دیا۔ اور وہ قصر جو کہ کروڑوں روپیوں کی لاگت سے برسوں میں تعمیر ہوا تھا، سترہ ہفتوں کے اندر کھنڈروں کا تودہ بن گیا، اور پری چہرہ کنیزوں اور خوبصورت غلاموں کی بجائے بوم و شغال کا مسکن بن گیا، اور مغرب کا کوئی شہر ایسا نہیں رہ گیا تھا، جہاں اس کی عمارت اور مصالحہ کا کچھ نہ کچھ حصہ نہ پہنچا ہو، یہی حشر نیرنگئ قسمت سے اُس محل کا بھی ہوا تھا جسے منصور کے ہم نام اندلسی بادشاہ منصور بن ابی عامر نے قصرۃ الزہرہ کے نام سے تعمیر کرایا تھا، اور عجائباتِ عالم میں شمار ہوتا تھا، وہ ابھی تازہ ہی تیار ہوا تھا کہ ایک صاحبِ بصیرت اُدھر سے گزرا اور اس کی زبان سے نکلا "اے مکان تجھ میں کل مکانوں کا مصالحہ لگا ہے۔ ایک دن خدا تیرا مصالحہ کل مکانوں میں تقسیم کرا دے گا"۔ زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔

مشہور مورخ یفرنی لکھتا ہے کہ میں نے لفظ "البدیع" پر غور کیا تو بحساب جمل اس کے عدد ایک سو سترہ پائے جو خدا کی شان اُس کی عمر کے اعداد تھے۔ سنہ ۱۰۰۲ھ میں یہ محل تیار ہوا اور سنہ ۱۱۱۹ھ میں منہدم ہوگیا[۱]

میں نے اشارۃً پہلے ذکر کیا تھا کہ نام بھی انسانی قسمت پر اثر رکھتے ہیں، انسانی قسمت تو ایک طرف رہی یہاں آپ "البدیع" پر اعداد کا اثر ملاحظہ فرمالیجیے۔

ناموں سے متعلق تو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا، لوگوں میں تاریخی نام رکھنے کا ایک خاص شوق تھا، چودھویں صدی کے آغاز تک اہل علم کے گھروں میں فرزند نرینہ کے نام تاریخی رکھے جاتے تھے، فیروز بخت، غلام مصطفٰے، غلام کبریا، غلام کبیر، چراغ حسن، راغب احسن، منظور حسن، حفظ الرحمٰن، سکندر بخت، سلیم اختر، سعید اختر یہ سب بطور تاریخی ناموں کے رکھے جا چکے ہیں۔ لیکن انگریزی تہذیب کے اثر سے یہ طریقہ تو اب ختم ہوچکا ہے۔ پنجاب میں تو خاندانی نام یا ذاتیں ہی نام کا جزو بن گئیں۔ اے۔ بی۔ بٹ۔ ایم۔ اکیو ڈار، ڈی، ایچ مرزا، جی۔ کے شیخ، غرض اب اسطرح

---

[۱] تاریخ مراقش و مغرب الاقصیٰ مترجمہ و مرتبہ مولوی انشاء اللہ خان صفحہ ۲۳۷

کے بابرکت ناموں سے کان مانوس ہو رہے ہیں۔ بنگال اور مدراس کے مسلمان ابھی تک خدا کے فضل سے اس بدعت سے محفوظ ہیں، اور اُن کے ناموں میں ابھی تک دینِ اسلام کی پرانی تابانی چمک رہی ہے۔ ناظم الدین، فضل الحق، فضل الرحمٰن ایسے نام سن کر توجہ معاً نام مقرر کرنے والے کی طرف مبذول ہو جاتی ہے کہ اس قسم کے نام رکھنے والوں میں دین داری کا جذبہ غالب تھا، تاریخی نام رکھنے کا شوق جب عام تھا، تو اہلِ فن نے کئی کتابیں ہی اس قسم کی تیار کر دی تھیں کہ ہر سال ہجری کے لیے تاریخی ناموں کا مجموعہ اس کتاب میں موجود تھا، مولوی محبوب عالم مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار ہر سال کے آغاز میں اپنے اخبار میں اُس سال کے تاریخی نام چھاپ دیا کرتے تھے۔ تاکہ والدین کو اپنے بچوں کے نام تلاش کرنے کے لیے تاریخ گو حضرات کا مرہونِ منّت نہ ہونا پڑے۔

ایسی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور کتاب منشی حسین علی فرحت کی موجد التواریخ ہے جو آج کل نایاب ہے۔ اس کتاب میں ۱۳۰۱ھ سے لے کر ۱۴۰۰ تک کے یعنی پورے سو برس تک کے تاریخی نام تیار کر کے جمع کر دیے گئے ہیں، اور لُطف یہ ہے کہ یہ کتاب رنبیر سنگھ مہاراجہ کشمیر کی سرپرستی میں شائع ہوئی، صرف سرپرست کے نام سے ہی اندازہ فرما لیجیے کہ مسلمانوں میں ہی نہیں خود ہندوؤں میں بھی اس فن کی قدردانی کا جذبہ موجود تھا۔ حسین علی فرحت فنِ تاریخ کی ڈکشنری "اُمّ التواریخ" کے بھی مولف ہیں، اس کتاب میں دو ہزار تک کے اعداد کے مساوی الاعداد الفاظ جمع کیے گئے ہیں، یہ کتاب بھی نایاب ہو چکی ہے۔

مدت کے بعد قائدِ اعظم جناب محمد علی جناح سے بڑھتی ہوئی عقیدت نے عوام کو ان قطعاتِ تاریخ کے مطالعہ کی طرف مائل کیا۔ لیکن تاریخ کہنے والوں میں اکثر ایسے حضرات تھے جنھیں اس فن کے مسالک سے ناواقفیت اور تاریخ کے قیود اور حدود سے لاعلمی تھی اس لیے انھوں نے تاریخی مادے عام طور پر غلط کہے۔ لیکن آج کل جو چیز اخباروں میں چھپ جاتے اُسے صحت کی سند مل جاتی ہے۔ اور اس دور میں سب کچھ چلتا ہے" کے ماتحت تمام غلط مادہ ہائے تاریخ بھی

Marfat.com

فروغ پا گئے۔

اس فن سے یہ سلوک آج نہیں، شروع سے ہوتا آیا ہے کہ عقیدت یا ضرورت کے ماتحت مادے نکالے گئے۔ اور ظاہر ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ہر وہ بے راہروی ایجاد ہوتی گئی جس کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اور فن کی قیود سے بے پرواہ ہو کر استخراجِ تاریخ کا کام لیا گیا، چراغ حسن حسرت مرحوم نے ایک مرتبہ خوب کہا تھا کہ اہلِ علم اب انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، اس لئے لوگوں کو اب ان قصوں سے دل چسپی نہیں، غلط مادہ ہائے تاریخ پہ آج تنقید کرنا بھی کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے۔ ہر فن کے لئے اساتذہ نے چند اصول اور قواعد قائم کئے ہیں۔ ان قیود اور حدود کے توڑنے سے وہ فن، فن نہیں رہتا۔ لیکن فن تاریخ گوئی میں کئی بزرگوں نے قیود اور حدود کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی ضرورتِ شعری کو سب قواعد پہ مقدم سمجھا۔ اور مقصد چونکہ اپنی ضرورت کے مطابق مادہ تاریخ حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لئے حصولِ مقصد کے لئے ہر چیز کو جائز سمجھ لیا جاتا ہے۔ جس طرح موجودہ نئی شاعری میں بعض ادیب سہل انگار اور آسان پسند ہونے کی وجہ سے محنت و کاوش سے جی چرا کر ہر غلط طریق کو بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ارشاد فرما دیتے ہیں کہ " ہم اسے جائز سمجھتے ہیں " یا " ہمارے نزدیک یہ درست ہے " تو کون ان کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ یہی چیرہ دستی فنِ تاریخ گوئی کے اصولوں پہ سہل انگار شعرا نے بھی روا رکھی، اور اس قسم کی معذرت پیش کر دی کہ اصل میں ۃ تا کے عدد ۴۰۰ ہیں، لیکن ہم نے اسے اس طرح (ۃ) لکھ کر ہائے ہوز قرار دیا ہے۔ اس لئے اس کے ۵ عدد لئے ہیں۔ اب آپ خود ہی انصاف فرمایئے کہ کہاں ت کے عدد ۴۰۰ اور کہاں اس کے عدد صرف ۵ ہی لئے جانے کی عذر خواہی۔ آخر ان اعداد میں کوئی مناسبت ہے بھی ؟ پھر جب ضرورت پڑی کہ ت کے ۴۰۰ عدد لینے سے مشکل حل ہو جاتی ہے تو اشارہ کر دیا کہ یہاں ت کے ۴۰۰ عدد لئے گئے ہیں۔ ایسے مادہ ہائے تاریخ کی مثالیں بعد میں ہدیۂ ناظرین کی جائیں گی۔

راقم الحروف کو یہاں فی الحال " ضرورتِ تاریخ " کے تحت مادہ تاریخ نکالنے والے دوستوں کا

ذکر کرنا مقصود تھا، تاریخ کی حدود و قیود کے ماتحت چند باتیں عرض کرنی ضروری ہیں، جو فنِ تاریخ گوئی سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کو زیرِ نظر رکھنی چاہئیں۔ اوّل یہ کہ ہمزہ کا الگ کوئی عدد نہیں لیا جاتا، کیونکہ حروفِ ابجد میں یہ کوئی حرف نہیں ہے۔ البتہ ہمزہ الف کی ایک شکل ہے۔ لیکن عربی میں بعض اوقات اسے الف کا قائم مقام کیا جاتا ہے۔ اور کہیں ی کی جگہ لکھا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں الف اور ی کے اعداد بجائے ہمزہ لیے جائیں گے۔

الف کا صرف ایک عدد ہوگا، خواہ وہ ممدودہ ہو خواہ مقصورہ۔ مشدّد حرف صرف ایک ہی حرف شمار ہوگا، اور ت کے ہر حالت میں ۴۰۰ عدد ہوں گے خواہ وُہ تائے مدوّرہ ہو یا تائے تانیث اسمی یا تائے مصدری۔

ہائے ہوّز خواہ وہ دوچشمی ہو یا ایک چشمی یا مدوّرہ یا شوشہ دار اس کے پانچ ہی عدد ہوں گے اکثر حضرات نے انہی حروف کے اعداد شمار کرنے میں ٹھوکر کھائی ہے، کئی سال ہوئے ایک مجلّہ ادبی میں ایک علمی بحث قائد کے اعداد سے متعلق شروع ہوئی تھی، کیونکہ اکثر قطعاتِ تاریخ میں قائد کے ہمزہ کا ایک عدد لے کر اس کے پورے ۱۰۶ عدد بنا لیے گئے تھے۔ بعض شعراء نے قائد کے ہمزہ کا کوئی عدد نہ لیا۔ اور بعض نے اسے ی قرار دے کر قائد کے ۱۱۵ عدد لیے جو دراصل درست تھے اسی طرح الفِ ممدودہ کے کسی نے ۲ عدد لیے ہیں کسی نے ایک، اسی ضمن میں بعض مادہ ہائے تاریخ وفات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بزرگ نے تائے مدوّرہ کے اعداد کی بحث چھیڑ دی اور حکیم ضامن علی جلال لکھنوی اور تسلیم سہسوانی کے تذکرۃ الصدور رسائل[۵۱] کے حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ تائے مدوّرہ کے اعداد صرف ۵ لینے چاہئیں ۴۰۰ نہیں چاہئیں اور اس طرح ایک فاش غلطی کی اشاعت کا ارتکاب فرمایا۔ اور انہی تالیفات کی دی ہوئی مثال بطورِ سند سامنے رکھی، اور امیر مینائی مرحوم کا نام پیش کر دیا۔

امیر مینائی مرحوم نے اپنے دیوان کا تاریخی نام "مراۃ الغیب" رکھا جس میں تائے

۵۱- افادۂ تاریخ از جلال۔ ملخص تسلیم از تسلیم سہسوانی

Marfat.com

مدورہ کے ۵ عدد لیے گئے ہیں۔ اور نواب رامپور مغفور کے دیوان کا تاریخی نام "درۃ الانتخاب"
تجویز کیا۔ اس میں بھی "ۃ" کے ۵ عدد ہیں۔ مصیبت یہ ہے کہ امیر مینائی ایسے ادب اردو کے
تاجدار سخن کی شخصیت بہت بڑی تھی، اور لوگوں کو وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس فن کے
عالم نہیں تھے۔ اس لیے انھوں نے جو غلطی کی، وہ ان کے متبعین کے لیے ایک راستہ بن گیا۔
جس پر وہ سب اسے صحیح سمجھ کر چلتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امیر مینائی کے استاد حضرت
اسیر لکھنوی چونکہ تائے مدورہ کے ۵ ہی عدد لیا کرتے تھے۔ اس لیے استاد کے ساتھ امیر
مرحوم کی عقیدت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں، جو کتنا ہی صحیح اور مستقیم
کیوں نہ ہو۔ اور جس ڈگر پر ان کے استاد چل رہے تھے انھوں نے بھی تبرکاً اسی پر چلنا
پسند فرمایا۔

جلال لکھنوی اور تسلیم سہسوانی نے اپنے رسائل میں قیود و تاریخ بیان کرنے میں کافی محنت سے
کام لیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ بزرگ نہ تو فن خطاطی کے استاد تھے اور نہ عربی میں انھیں درجۂ فضیلت
حاصل تھا، اس لیے خصوصاً ایسے بیانات میں جہاں فنِ کتابت اور رسم الخط کا تعلق تھا، یا عربی علم
ادب کا ذکر تھا، دونوں بزرگ غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے۔ تسلیم خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ پہلے
الف ممدودہ کے دو عدد لیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں تحقیق سے ان پر واضح ہوا کہ ایک عدد ہی لینا
صحیح ہے۔ جلال لکھنوی کے رسالہ کی خود تسلیم نے اپنے رسالہ ملخص تسلیم میں جابجا تردید کی ہے۔
اور جلال نے جہاں محض انکسار سے اپنے آپ کو "ہیچمدان" لکھا ہے، وہاں تسلیم نے اُسے حقیقتِ
نفس الامری قرار دے کر جلال کے قیاسات کا یوں رد کیا ہے۔ کہ "جلال نے سارے رسالہ
میں اگر کوئی بات صحیح کہی ہے تو وہ یہی ہے کہ وہ ہیچمدان ہے" اور بعض مقامات پر تو اس سے
بھی سخت کلمات کہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"چونکہ حکیم جلال خود را مولفِ ہیچمدان بہ دست و قلم خود نوشتہ است، من معلم نیم کہ
دہم۔ گمراہی قدر گفتن می زیبد کہ ع — بدیں عقل و دانش بباید گریست

خود تسلیم کا خود یہ حال ہے کہ جلال لکھنوی کے ایک شاگرد تمیز کے ایک صحیح مادہ تاریخ پر اعتراض کر دیا
تمیز نے حکیم جلال کے ایک رسالہ "کارآمد شعراء" کی تاریخ طبع "تبکلف" تاریخ پیدا کرنے کے طریقے
سے نکالی۔ قطعہ تاریخ یہ ہے :-

میرے استاد نے حقیقت میں ۔ یہ رسالہ لکھا عجیب غریب
متحرک حروف کو جو لیا ۔ ہوئی تاریخ کیا عجیب غریب

عجیب غریب میں ب ساکن ہے ، دونوں ب نکال کر باقی حروف کے اعداد جمع کریں
تو سالِ طبع ۱۲۹۳ھ ظاہر ہوتا ہے۔ مادہ تاریخ بالکل درست ہے، لیکن چونکہ اعتراض کرنا
مقصود تھا، فرماتے ہیں کہ عجیب غریب غلط محاورہ ہے۔ عجیب و غریب ہونا چاہیئے۔
حالانکہ تسلیم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مادہ تاریخ میں محاورات کی فروگذاشت نظر انداز کر دی
جاتی ہے۔ لیکن چونکہ تمیز، جلال کا شاگرد تھا، اس لئے وہ تسلیم کی زد سے بچ کر کہاں
جا سکتا تھا۔

تائے مدورہ کے اعداد پر مفصل بحث آگے آئے گی، لیکن چونکہ حضرت امیر مینائی
کے مادہ تاریخ کا ذکر ضمناً آگیا ہے اس لئے ذیل کی معلومات پہلے زیرِ نظر رکھ لی جائیں:-
جنابِ تحسین سروری کا ایک مضمون "غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر" کے عنوان سے
ترقی اردو بورڈ کے رسالہ اردو نامہ کراچی (پانچواں شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۶۱ء) کے صفحہ
۹ سے صفحہ ۱۲ تک شائع ہوا ہے۔ اس میں تائے مدوّرہ جو تاریخ گوئی کی اصطلاح میں
تائے مثناۃ فوقانی بھی کہلاتی ہے اور ہائے مدوّرہ کی شکل میں لکھی جاتی ہے، اس کے اعداد
بقاعدہ ابجد ۴۰۰ شمار کرنے پر ایک علمی بحث کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ علمی بحث مخطوط کی شکل میں
پروفیسر عبدالقادر سروری صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے
یہ مخطوطہ بقول جناب تحسین سروری کوئی پچاس ساٹھ ورق پر مشتمل ہے۔ سروری صاحب
لکھتے ہیں کہ کتاب کا نام تو میں پڑھ نہیں سکا البتہ نفسِ مضمون کو جس حد تک سمجھ سکا وہ عرض

کرتا ہوں۔

"حیدر آباد میں نواب محمد وجیہ الدین خان معنیؔ اور میر محمد زکی متخلص بہ زکیؔ دو نامی شخص گزرے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے درمیان فنِ تاریخ گوئی کے کسی مسئلے پر یا کسی کے کسی قطعہ تاریخ پر بحث چھڑ گئی، وجیہ الدین خان کا کہنا تھا کہ تائے مدورہ کے ۴۰۰ عدد شمار کرنے چاہئیں لیکن میر زکی کہتے تھے کہ یہ قاعدہ غلط ہے۔ جب کہ کتابت میں واضح حرف ہائے ہوز ہے اس کے اوپر صرف دو نقطے لگا کر تائے تانیث کے عدد شمار کرنا اصول کے خلاف ہے، غرض کہ یہ بحث آگے بڑھتی گئی یہاں تک کہ ایک اچھی خاصی کتاب بن گئی۔"

بحث کے دوران ہر دو صاحبان نے نظائر و امثال اور اسناد و استشہاد کے پیش کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے ضمناً بعض ایسے ایسے مسائل زیرِ بحث آئے ہیں کہ ان دونوں حضرات کی علمیت اور قابلیت پر رشک آتا ہے۔

ہندوستان میں جن ماہرینِ علم و فن کا شہرہ تھا، ان کے پاس کتاب بھیجی گئی اور استدعا کی گئی کہ اِن مباحث پر اپنی رائے یا فیصلہ کتاب کے آخر میں درج کر دیں، اور یہ کتاب ۲۵-۳۰ اصحابِ علم و فن کے پاس رائے کے لئے بھیجی گئی۔ آخری ورق کے آخری صفحہ پہ مرزا غالب کی تحریر ہے جس پر مرزا غالب کی مشہور ۱۲۶۷ھ والی مہر ثبت ہے۔ ان کی مہر کے بعد نواب ضیاء الدین احمد خان نیّرؔ درخشاں کی رائے ہے۔ یہ کتاب دِلّی سے غالب کی رائے کے بعد حیدر آباد واپس آئی تو پھر کسی اور جگہ نہیں بھیجی گئی، اب مرزا غالب کی تحریر ملاحظہ ہو:-

"یہ سگِ دنیا کہ اسد کہلاتا ہے اور تخلص اپنا غالب بتاتا ہے۔ قول الماموز معذور کا پاس کرتا ہے۔ اور حضرات انجمن فیض سے التماس کرتا ہے کہ میں استفتاء کا سزاوار نہ تھا۔ اور اب جو پوچھا گیا تو سچ سچ کہتا ہوں کہ میں فنِ تاریخ و معما سے بیگانہ ہوں۔ دیوان میں جو تاریخیں مندرج ہیں، بیشتر مادے اوروں کے اور قطعے فقیر کے ہیں کبھی کوئی مادہ بھی عامیانہ کہہ دیا ہوگا، اور حضرت مبداء فیاض نے گنجینۂ معنی سے

Marfat.com

بہت کچھ مجھ کو دیا۔ میں نے سراسر قصیدہ و غزل اور مثنوی و رباعی میں صرف کیا
البتہ بزورِ قوتِ ابداع مادہ، تاریخ میں نیا شیوہ نکالا

۵ رسالِ واقعہ میرزا سیتا بیگ

آت راست شمار ائمہ امجاد (۱۲)

صحیفۂ سماوی مبین از عشرات (۴)

حدیقہ ہائے بہشتی مشخص از احاد (۸)

۱۲۴۸

ایضاً ۵ از بروجِ سپہر جوئے آت — عشرات از کواکبِ سیار (۱۲۷۰)

یہ دونوں قطعے کلیاتِ فارسی منطبعہ مطبع اودھ اخبار لکھنؤ میں چھاپے گئے ہیں اور وہ مجلد مجموع بلاد ہند میں پہنچ گئے ہیں۔ اشرف البلاد حیدر آباد میں اگر دو چار نہ ہوں گے، تو ایک نسخہ میرا بھیجا ہوا جناب منشی حبیب اللہ خان ذکا کے پاس ضرور ہوگا، اس میں مشاہدہ کیا جائے۔ اب یہ اتباع حکم احباب جس فن کو نہیں جانتا اُس کے خصوص میں عرض کرتا ہوں کہ میں نے یہ مسائل اس سیفے کے سوا کبھی نہیں دیکھے۔ اب جو دیکھے تو باللہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا کہ ایک گروہ تائے دراز ۴۰۰ عدد اور تائے مدوّرہ کے ۵ عدد لیتا ہے۔ پس نہ جناب نواب صاحب وجیہ الدین خان بہادر معنی اپنے دعوے میں منفرد ہیں اور نہ حضرت سید صاحب میر محمد ذکی اپنے دعوے میں تنہا۔ میں جو ایک جہت اختیار کروں تو دوسری جہت والوں کو کہ وہ بھی اشخاص کثیر اور سب فاضل تحریر ہیں کیا جواب دوں، اور ان کے دلائل کو کن دلائل سے رد کروں؟ امید کہ حضراتِ طرفین بموجب مفہوم لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا اس پیرِ ہفتاد و شش سالہ ضعیف الحواس کو معذور فرمائیں گے۔

نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خان غالب

Marfat.com

غالب کی اس تحریر کے بعد نواب ضیاء الدین احمد خان کی مختصر سی فارسی عبارت ہے ۔

"احقر العباد ضیاء الدین احمد نیر عفی عنہ دریں مادہ تمانع فیہا با مولائی ملاذی اخی

اوستاذی جناب غالب مدظلہ ہم بیان وہم داستان۔"

غالب کے انکسار کا عالم دیکھیے کہ انھوں نے اس فن سے بیگانہ محض ہونے کا اعتراف کر لیا،

اور سب کچھ جاننے کے باوجود اس خیال سے قطعی رائے نہیں دے رہے ہیں کہ اس سے

دوسری جہت والے ناراض ہو جائیں گے۔

تاریخ گوئی کے متعلق منشی میاں داد خان سیاح کو بھی کس قدر صاف اور واضح الفاظ

میں لکھتے ہیں :۔

"تمہاری جان اور اپنے ایمان کی قسم کہ فن تاریخ گوئی و معما سے بیگانہ محض ہوں،

اُردو زبان میں کوئی تاریخ نہ سنی ہو گی ، فارسی زباں میں دو چار تاریخیں ہیں، ان کا

حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے ہیں۔ تم سمجھے کہ میں کیا کہتا ہوں،

حساب سے میرا جی گھبراتا ہے۔ اور مجھ کو جوڑ لگانا نہیں آتا ہے۔ جب کوئی مادہ

بناؤں گا حساب درست نہ پاؤں گا۔ دو ایک دوست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوئی

تو وہ تاریخ مجھے ڈھونڈ لا دیتے۔ موزوں میں کرتا۔ اگر اب مادے کی فکر کی ہے

اور یہی حساب کل منظور رکھا ہے تو ایسے تعمیے اور تخرجے آگئے ہیں کہ وہ تاریخ ہنسی

کے قابل ہو گئی ہے۔"

خطوط غالب طبع دوم مرتبہ مولانا غلام رسول مہر صفحہ (۲۳۰)

مخطوطے کے آخری صفحات پر کہیں کچھ تاریخی قطعات بھی مندرج تھے، ان میں ایک حبیب اللہ

ذکا کی بھی تاریخ تھی، اور یہ قطعہ ذکا کلیاتِ نظم و نثر موسومہ "خاش و خماش" (مطبوعہ ۱۳۰۲)

میں درج ہے۔ دراصل یہ تاریخ ہے رفع انتزاع کی :۔

تاریخ رفع نزاع ذکی کہ نظر بصورت رسمی آخر لفظ صلوۃ ہ ہا " میدانست با خال

کہ بلحاظ اصل لفظ "تا" می شمرد ؎

با معنیٔ حق سرا زکی را	بخشے بود و برفع پیوست
آں طنطنہ چوں نماند باقی	تاریخِ گزشتہ را صلوٰۃ است
۱۷۴	۱۴۶۰

۱۲۸۶ = ۱۴۶۰ - ۱۷۴

غالب کا انتقال ۲ ذی قعد ۱۲۸۵ھ (۱۰ فروری ۱۸۶۹ء) کو ہوا۔ ذکا نے یہ تاریخ ۱۲۸۶ھ میں نکالی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماہ ذی قعد ۱۲۸۵ھ سے چند ہی ماہ قبل غالب نے یہ تحریر لکھی تھی، اور رفعِ انتزاع ہوتے ہوتے ۱۲۸۵ھ کا سال گزر گیا۔ حتیٰ کہ ۱۲۸۶ھ کا سال شروع ہوگیا۔

اسی "خاش و خاش" میں ذکا کا ایک اور قطعہ بھی ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ساری بحث میں نواب وجیہ الدین خان معنیٰ کا پلہ بھاری رہا اور ان کے دلائل کو تسلیم کر لیا گیا۔

رسالہ کہ در تحقیق حرف آخر صلوٰۃ (حرفِ تائے مستدیرہ) نوشتہ شدہ بود پایانِ آں بتقریب استشہاد نگارش یافت ؎

من برنیم، من برہیں	خانِ معنیٰ آنچہ فرماید بجاست
در حضورِ حق تواں گفتن ذکا	آخرِ لفظِ صلوٰۃ البتہ تاست

تحسین سروری کا سارا مضمون ہی قریباً نقل کیا جا چکا ہے، اب باوجود اس کے کہ متاخرین شعراء نے اس مسئلے کو صاف کر دیا ہے کہ تائے مستدیرہ کے عدد چار سو ہی ہیں۔ ۵ عدد لینا غلط ہے۔ پھر بھی راقم الحروف نے آگے چل کر مزید مثالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تائے مدورہ کے ۵ عدد شمار کرنا فنِ تاریخ گوئی سے استہزاء کے مترادف ہے۔

اِستخراجِ تاریخ میں سب سے زیادہ غلط فہمی اربابِ علم کو ہمزہٗ الف ممدودہ اور تائے مثناۃ

کی نسبت ہوئی ہے باقی حروفِ ابجد سے متعلق کوئی غلطی نہیں ہو سکتی، اس لیے راقم الحروف کا انھی حروف پر زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کا خیال ہے۔ جیسا کہ حضرتِ غالب کی تحریر متعلقہ اعدادِ تائے دراز اور تائے مستدیرہ سے ظاہر ہے۔ کہ جب یہ بحث اُن کے رُو برو پیش ہوئی اسے تالیفِ قلوب ہی کا نسخہ سمجھنا چاہیئے کہ اُنھوں نے اِس معاملے میں کوئی قطعی رائے نہ دی۔ اور وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں فریقوں میں سے کسی کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے، نواب وجیہ الدین خان بہادر المتخلّص بہ معنیؔ کا دعویٰ تھا کہ تائے مستدیرہ کے ۵ عدد نہیں، اور وُہ اصل تائے زقّانی ہے۔ اب غالب کی تحریر کا پہلو ملاحظہ کیجئے، چونکہ نواب صاحب اپنے دعوے میں منفرد نہیں ہیں اور نہ ہی سیّد صاحب اپنے دعوے میں تنہا ہیں، اس لیے "میں جو ایک جہت اختیار کروں تو دُوسری جہت والوں کو کیا جواب دوں، اور اُن کے دلائل کو کن دلائل سے رد کروں" اور آخر میں معافی کے خواستگار ہوئے کہ مجھے اس معاملے میں نہ لیا جائے۔

غالب کی روش اگر اختیار کی جاتے تو پھر دُنیا کی کسی بات کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، میری رائے یہ ہے کہ ایسے معاملات میں کسی نہ کسی ایسے شخص کو حَکَم اور منصف مانا جائے جو اپنے علم و فضیلت سے یکتائے روزگار ہو اور تاریخ گوئی میں اس کا ہم پلّہ نظر نہ آئے، اس لیے آئندہ صفحات میں ایسے جلیل القدر اور فریدِ عصر تاریخ گو شاعر کے وُہ حوالے پیش کروں گا جن کی تردید نہ ہو سکے۔ اور پھر لازمی طور پر ایسے حوالوں کو حرفِ آخر کی صُورت میں تسلیم کرنا پڑے گا، واللہ الموافق

صورتِ ہمزہ

ہمزہ عربی میں الف کو کہتے ہیں، لیکن یہ بحث بہت طویل ہے کہ کہاں ہمزہ الف کی صورت میں تبدیل ہوتا ہے۔ اور کہاں اسے یَ سے بدل دیا جاتا ہے۔ اور کہاں واؤ کو ہمزہ میں بدلا جاتا ہے۔ صرف کے مشہور رسالہ مراح الارواح میں مہموز کے باب میں یہ بحث تفصیل سے

Marfat.com

موجود ہے اور اہلِ علم حضرات اس رسالے کے مطالعہ سے ہمزہ اور الف کے فرق کو بآسانی معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن فارسی میں اس کی شکل عام طور پر الف ہی قرار دی گئی ہے۔ اسی لیے ابجد میں الف کو ہی جگہ دی گئی ہے۔ اور ہمزہ کوئی الگ حرف نہیں قرار دیا گیا۔ چونکہ ہمزہ دراصل عربی رسم الخط میں صحیح طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لیے اساتذۂ فن کا ہمزہ کے اعداد سے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ جہاں ہمزہ کے لیے شوشہ یا دندانہ نہیں ہے وہاں اُس کے دس عدد لیے جائیں گے۔ اور اس حساب سے اولٓئک کے کل اعداد ۶۷ ہوں گے۔ الٰن میں شوشہ یا دندانہ نہیں، اس کے عدد الف، لام اور نون کے کل ۸۱ ہوں گے، اور اگر اس کی کتابت آلئٰن ہو تو پھر ی کے دس عدد اور ایزاد کر کے ۹۱ عدد ہوں گے۔ اور اگر الآن لکھا جائے تو ۸۲ عدد ہوں گے۔ تبدیلی اعداد الفاظ کی ہیئت بدل جانے سے ہوگئی، اسی ضمن میں ہائے مدوّرہ بھی لے لیجیے۔ جس کے عدد ۵ ہیں، چونکہ عربی فن کتابت میں تائے فوقانی لکھنے کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ ہائے مدوّرہ لکھ کر اس پر دو نقطے ڈال دیے جاتے ہیں تو نقطوں ہی سے ہائے مدوّرہ کی صورت بدل کر تائے مدورہ ہوگئی جس کے ۴۰۰ عدد ہیں، نون اگر کسی لفظ کے وسط میں ہو، تو اس کا صرف ایک شوشہ یا ایک دندانہ ہوگا، اور نون وصلی کی صورت ہی میں نہیں، بلکہ ب ت، ث کی صورت وصلی میں بھی ان کا بھی ایک ہی دندانہ ہوگا، لیکن اس دندانے پر جو نقطے ہوں گے تو وہ ت کہلائے گی اور تین نقطوں سے وہ ث بن جائے گی، یہی نقطے اگر دندانے کے نیچے ہوں تو ب، پ۔ اور ی بن جائے گی، غرض نقطوں نے ہی حرف کی ہیئت بدل ڈالی، تائے مدوّرہ کے بارے میں یہ اُلجھن بھی صرف فارسی رسم الخط میں آپڑی ورنہ عربی رسم الخط میں تو ہا اور تا میں نقطوں سے بیّن طور پر فرق واضح کر دیا جاتا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ی کے بعض اوقات کتابت میں نقطے نہیں ڈالے جاتے، لیکن وہ ی ہی رہتی ہے۔

۱۹۴۲ء کا ایک مادہ تاریخ اُردو کے مشہور پروفیسر حامد حسن قادری صاحب کا ہے۔ اُنھوں نے اولٓئک لھم عذاب عظیم میں ہمزہ کے دندانہ کے ۱۰ عدد لیے ہیں۔ تسلیم نے بھی

Marfat.com

اولئك کی ایک مثال پیش کی ہے۔ جس میں ہمزہ کے دندانہ کے ۱۰ عدد لیے ہیں، مرزا مظہر جانجاناں کی تاریخ وفات ہے اولئك الذین انعم اللہ علیہم = ۱۱۹۵ پس اسی قبیل میں سب وہ الفاظ ہیں جن میں ہمزہ بطور یائے تحتانی لکھا جاتا ہے :۔

دائم۔ قائم۔ ضائع، شائع، بدائع۔ صنائع، تائب۔ صائب، خائب، خائف۔ تحائف، قائل سائل، حائل، مائدہ۔ فائدہ، عجائب۔ غرائب، زائد۔ قائد، عنایت۔ رعایت، زائر۔ دائم وغیرہ عربی صرف کے مطابق دُور سے واو ہونا چاہیئے۔ لیکن واؤ کو ہمزہ سے بدل کر دائرہ دیا اور عدد دندانہ کے ۱۰ ہو گئے۔ قائد میں تو خیر ہے ہی یائے تحتانی۔ دو نقطے نیچے ڈالنے کی محنت سے بچنے کے لیے ہمزہ کا منحنی خط ڈال دیا۔ بدائع میں ہمزہ کے ۱۰ عدد کی مثال علامہ یوسف بن محمد ہروی کی کتاب "بدائع الانشا" کے تاریخی نام سے ملتی ہے۔ کتاب کی تاریخ اتمام سنہ ۹۲۰ھ خود علامہ موصوف نے ذیل کے شعر سے نکالی ہے

تکرار کنی چو نام او را یک بار   شک نیست کہ رہ بری بسالِ اتمام

بدائع الانشا کے اعداد ۴۷۰ ہیں (ہمزہ کے ۱۰ عدد) ۴۷۰ کے تکرار سے ۹۴۰ کا سال برآمد ہوا۔

تکرار کا ذکر آ گیا تو اسی طرح کی ایک دو تاریخیں سن لیجیے جسٹس شاہ دین جج ہائی کورٹ کا انتقال سنہ ۱۳۳۶ھ میں ہوا۔ علامہ اقبال مرحوم نے اُن کا مادہ تاریخ یہ لکھا :۔

"علامہ فصیح" زہر چار سو شنید
۳۳۴

علامہ فصیح کے عدد ۳۳۴ ہیں چار سو کا مطلب ہے کہ اسے ۴ سے ضرب دی جائے تو ۱۳۳۶ برآمد ہوتا ہے۔

حضرتِ اقبال کی وفات جب ۱۹۳۸ء میں واقع ہوئی تو راقم الحروف نے ایک قطعہ میں ذیل کا مادہ تاریخ وفات نکالا :ے

شش جہت سے یہی ندا آئی   اللہ اللہ حامیٔ اسلام
۳۲۳

۳۲۳ کو ۶ سے ضرب دیں تو سال ۱۹۳۸ ظاہر ہوتا ہے۔

Marfat.com

لفظِ قائد کی مثال کے لیے وُہ تمام قطعات تاریخ لے لیجیے جو صحیح اصولِ تاریخ کے مطابق قائدِ اعظم کی وفات پر کہے گئے ہیں۔ ؎۱

(۱) معاً از حاملانِ عرشِ اعظم ایں ندا آمد — کہ عقبائے الٰہی ملکِ بقا شُد قائدِ اعظم

(۲) سالِ ترحیل یہ ہاتف نے لکھا کیا خوب — عازمِ خلد ہُوا قائدِ اعظم محبوب

ہمزہ اور دوسرے متنازعہ حروف کے اعداد پر ایک مختصر سی دل چسپ بحث کتاب بطلِ مغفور میں قائداعظم کے مادہ ہائے تاریخ وفات کے تحت بھی ملے گی ؎۲

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے ہمزہ حروفِ ابجد کا حرف نہیں، بلکہ یہ آوازِ الفِ متحرک کی علامت ہے یعنی جب یہ علامت واوٗ یا ی یا ہائے مختفی پر واقع ہوتی ہے تو اُس حرف میں الفِ متحرک کی آواز پیدا کردیتی ہے۔ ہمزہ کی طرح مد اور الفِ خنجری بھی الف کی علامات ہیں۔ اور حروف میں یہ شمار نہیں ہوتے۔ ہمزہ کبھی واوٗ پر آتا ہے جیسے لکھنؤ، رؤسا، اور کبھی ہائے مختفی پر آتا ہے جیسے خانۂ انوری، روضۂ پاک، باقی ی کی شکل میں اس کی کتابت کا ذکر آچکا ہے۔

حکیم امیرالدین خاں نجم دورِ آخر کے مشہور تاریخ گو شعراء میں سے تھے۔ حکیم صاحب نے نواب فتح علی خان قزلباش کے فرزند نواب نثار علی خان قزلباش کی ولادت پر ایک الہامی قطعہ تاریخ لکھا جس کے ہر مصرع سے سن ہجری ۱۳۱۹ھ یا سنِ عیسوی ۱۹۰۱ء اور ہر مصرعہ کے اول و آخر حروف کی توشیح سے سن عیسوی ۱۹۰۱ء مع نواب صاحب مرحوم چار ہزار بار سے زیادہ مادہ ہائے تاریخ نکلتے ہیں اور صنعتِ توشیح سے "نواب فتح علی خان زاد سطوتہٗ" بنتا ہے جس کے اعداد ۱۹۰۱ ہیں۔ اس قطعہ سے جستہ جستہ دہ مصرعے نقل کیے گئے ہیں جن سے ہمزہ کے دندانہ کے ۱۰ عدد، الفِ ممدودہ کا ایک عدد اور تائے مدورہ کے ۴۰۰ عدد کی مثال ملتی ہے:-

---

؎۱ صفحہ ۱۵۳ تا ۱۷۶ کتاب بطلِ مغفور مرتبہ الحاج چودھری عبدالحمید خان مرحوم سابق رجسٹرار محکمہ امداد باہمی (المتوفی ۱۹۵۰ء)

؎۲ "بطلِ مغفور" صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۲

Marfat.com

(۱) داد می اعطافِ دافی پُرشدا زاحسانِ تو (۱۳۱۹) (۲) وسعتِ دلہائے آمد حالی وفعلِ آنِ تو (۱۳۱۹)

(۳) واجب الاعلان آمد در نشانِ فرمانِ تو (۱۳۱۹) (۴) فرد آمد لاے انیسِ جملہ در ہندوستان (۱۳۹۱)

(۵) نائب ہادی ملک و نیک آصف منزلت (۱۳۱۹) (۶) تابع بنیاد جائے امن آمد در گہت (۱۳۱۹)

(۷) تو بہ سیاب آمدی محبوبِ عام از ہر جہت (۱۳۱۹) (۸) نام تو زیبا جمال و راحتِ جانِ جہاں (۱۳۱۹)

---

(۱) خالق از رب و عالم صاحبِ الطاف و کاخ (۱۹۰۱) (۲) خازنِ پاکیزہ رُو و مالک جاے فراخ (۱۹۰۱)

(۳) خُلق و جاہ و علم و حلیم و علم و کوکاانگاخ (۱۹۰۱) (۴) خالق قطبِ فلک داده ترا اندر جہاں (۱۹۰۱)

استادِ فن حکیم حامد حسین خان سخن نے بھی نواب نثار علی خاں کی ولادت پر ۱۵ شعروں پر مشتمل ایک تاریخی قطعہ لکھا ہے کہ ہر مصرعہ سے سال ہجری ۱۳۱۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ اور معجمات اور مہملات حروف سے بھی کئی تاریخیں سال فصلی و عیسوی وغیرہ نکلتی ہیں، اس قطعہ عجیبہ سے بھی دو شعر ہدیۂ ناظرین ہیں جن سے ہمزہ اور الفِ ممدودہ کے اعداد کا پتہ چلتا ہے [۱]

پے آں حبہ شد ہر خال ز انجم | بشر آئینہ رُخ ماہِ کامل

رئیس نیک بہتر رائے لائق | بملک در رُعب شاہاں شامل

مولانا عبدالعلی مدراسی نے ایک رسالہ درود شریف کے فضائل پر تالیف فرمایا، اور اس کا نام بھی تاریخی رکھا گیا: فضائل و آدابِ درود و سلام (۱۲۸۶) اور اس تالیف کے اختتام کی تاریخ کتاب درود شریف (۱۲۸۷) بھی خود ہی نکالی۔

سُلطان سکندر لودھی کے زمانے میں علامہ شیخ عبداللہ اپنے درسِ علمی کے باعث مرجعِ خاص و عام تھے، مشہور ہے کہ سلطان سکندر ان کے درس میں حاضر ہوتا تھا۔ شیخ موصوف کی وفات سنہ ۹۲۲ھ کے آخر میں واقع ہوئی اور تاریخ وفات قرآن مجید کی اس آیت سے نکلی:

اولٰئک لھم الدرجات العلٰی
۹۲۲

---

[۱] یہ اشعار اور سخن کا قطعہ کنز التاریخ مطبوعہ ۱۳۱۹ھ لاہور سے لئے گئے ہیں۔

[۲] (A HISTORY OF PERSIAN LANGUAGE PART I PAGE 19) مصنفہ ڈاکٹر ایم اے غنی

Marfat.com

یہاں اولٰئک کے ہمزہ دندانہ دار کے دس عدد محسوب کئے گئے ہیں۔

اسی مادۂ تاریخ سے موجودہ دور کے محققین کی ایک مثال سامنے آگئی ہے۔ ڈاکٹر ایم اے غنی، ایم اے - ایم لٹ (کیمبرج) پروفیسر فارسی کالج ناگ پور و چیئرمین بورڈ آف سٹڈیز (عربی و فارسی) ناگ پور یونیورسٹی نے بھی اس مادۂ تاریخ کا حوالہ اپنی تصنیف میں دیا ہے اور لکھا ہے کہ اولٰئک لھم درجٰت العلٰی سے تاریخ وفات نکلتی ہے، حالانکہ کسی حساب سے بھی اس طرح لکھی ہوئی آیت سے مادۂ تاریخ ۹۲۲ھ برآمد نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ مادۂ تاریخ کسی ایسی کتاب سے نقل کیا ہے جس میں کتابت کی غلطی سے اولٰئک لھم الدرجٰت العلٰی کی بجائے اولٰئک لھم درجٰت العلٰی لکھا ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب نے خود اس مادۂ تاریخ کی صحت پر غور نہیں کیا اور بغیر تصدیق کے غلط مادۂ تاریخ نقل کر دیا گیا ہے[1]

جواہر الخمسہ اور گلزار ابرار کے مصنف شیخ محمد غوث گوالیاری جو حضرت بایزید بسطامی رح کی اولاد سے تھے۔ اور شیخ ظہور اور قاضی حمید الدین رح کے خلفاء میں سے تھے۔ ان کا انتقال ۹۷۰ھ میں ہوا۔ اور سالِ وفات کے لیے شیخ کے شاگرد عزیز ملا اسمٰعیل عطائی نے "بندہ خدا شد" مادۂ تاریخ کہا (یہاں بندہ کی ہائے مدورہ پر جو ہمزہ ہے اس کا کوئی عدد نہیں لیا گیا، کیونکہ ہمزہ کا کوئی الگ شوشہ یا دندانہ نہیں)

عربی میں فقراء، علماء، امراء، رحماء اور رجاء یشاء کے ہمزے کا بھی کوئی عدد نہیں لیا جائے گا۔ پروفیسر حامد حسن قادری نے منشی غلام غوث بے خبر الہ آبادی کی تاریخِ وفات سورۂ منافقون کی اس آیت سے نکالی[2]:

ولن یوخر اللہ نفساً اذا جاء اجلھا یہاں سے جاء کے ہمزہ کا کوئی عدد نہیں لیا گیا[3]

۱۹۰۵

---

[1] A HISTORY OF PERSIAN LANGUAGE PART I PAGE 119 مصنف ڈاکٹر ایم اے غنی

[2] رسالہ عالمگیر ماہ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۷

Marfat.com

لیکن مجھے ڈر ہے کہ میں بے دھڑک پروفیسر صاحب کے مادہ ہائے تاریخ کو بطور سند پیش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان بزرگوار نے تو تاریخ نکالنے میں کمال ہی کر دیا ہے۔ جہاں ان کو ضرورت پڑتی ہے وہ ہمزہ کا بھی ایسے موقوں نہایت بے تکلفی سے تمام قواعدِ تاریخ گوئی سے بے نیاز ہو کر ایک عدد لے لیتے ہیں، اور جہاں ضرورت نہیں پڑتی، وہ قواعد کے پابند ہو جاتے ہیں، یہی حال دورِ متاخرین کے میر اوسط علی رشک کا تھا کہ وہ کسی قاعدے کے پابند نہیں تھے۔ ان کا ذکر آگے چل کر تائے فوقانی کی بحث کے سلسلے میں ذرا تفصیل سے آئے گا۔

ہمزہ کا ایک عدد لینے کی مثال بھی پروفیسر حامد حسن کے کلام میں موجود ہے، ان کے ایک دوست کا انتقال سنہ ۱۹۰۶ء میں ہوا اور یہ تاریخ ہوئی "الفضل بید اللہ یوتیہ من یشآءُ" اس میں ہمزہ کا ایک عدد لے کر ۱۹۰۶ کا سنہ پورا کیا گیا ہے جو صریحاً غلط ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ جس طرح پروفیسر صاحب نے اپنی ضرورت کے مطابق "اجتہاد" سے کام لیا ہے، بعض متاخرین نے بھی "گر ضرورت بود روا باشد" پر عمل کرنے میں تامل نہیں کیا۔

دوست یا محسن کی وفات پر جذبات کی فراوانی کا یہ نتیجہ تو نہیں ہونا چاہیے کہ فنِ تاریخ گوئی ایسے لطیف اور قابلِ قدر فن کی خدمت کرنے کی بجائے اُس سے دشمنی برتی جائے، یہ ظاہر ہے کہ غلط مادہ ہائے تاریخ کی اشاعت ادب دشمنی سے کم نہیں، بایں ہمہ مجھے تاریخ گو حضرات کے احساس و جذبات کا بھی احترام ہے، پروفیسر حامد حسن صاحب موجودہ دور میں سب سے پرانے ادیب اور تاریخ گوئی سے دلچسپی رکھنے والے اہلِ فن بزرگ ہیں، وہ مشہور مصنّف اور اردو کے پرانے سرپرستوں میں سے ہیں، اُن کے قلم سے اگر کوئی ایسی چیز نکلے جو قواعدِ فنِ تاریخ گوئی کے خلاف ہو تو مجبوراً اس پر اظہارِ خیال کرنا ہوتا ہے۔

پروفیسر صاحب کا ایک مادہ تاریخ ہے "تکون لہٗ عاقبۃ الدار" (۱۳۲۰) یہاں ۃ کے ۴۰۰ عدد لیے گئے ہیں، لیکن جب داغ کی تاریخ وفات پروفیسر صاحب نے لکھی تو "اتٰہ فی الاخرۃ لمن الصّٰلحین" (۱۳۲۲) میں ۃ کے ۵ عدد لے لیے جو درست نہیں۔

Marfat.com

علامہ اقبال مرحوم کی تاریخ وفات میں بفاکھۃ کثیرۃ و شراب میں ۱۳۵۷ھ اس طرح بنا لیئے گئے ہیں کہ ہر دو تا کے پانچ پانچ عدد لیے ہیں۔ لیکن جب پروفیسر صاحب نے اپنا نعتیہ کلام مرتب فرمایا، جس کا تاریخی نام بیاض نعتیہ (۱۳۴۸) رکھا، تو اس کے سرورق پر اس آیت سے تاریخ نکال کر درج کی :- وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین (۱۳۴۸) یہاں ت کے ۴۰۰ عدد لیے گئے ۱۳۳۱ھ میں ایک تاریخ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی سے نکالی اور ت کے ۴۰۰ عدد لیے، لیکن ۱۳۶۰ھ میں ضرورت لاحق ہوئی تو اسی سال کے لیے تاریخ وفات کا مادہ یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک میں ت کے ۵ عدد لیے گئے۔ "یک بام و دو ہوا" کی ان مادہ ہائے تاریخ سے بہتر مثال نہ مل سکے گی۔

سید زکی اور نواب وجہ الدین کے ہاں تو کوئی معیار بھی تھا، لیکن پروفیسر صاحب نے سب قواعد و حدود کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ۱۳۴۷ھ میں المیہ منشی اخلاق علی میرٹھی کی تاریخ وفات "وجوہ یومئذ ناعمۃ" لکھ کر ت کے ۴۰۰ عدد لیتے ہیں، لیکن ۱۳۵۸ھ میں مولوی محمد طیب کرتوری کی وفات پر اسی ناعمۃ کی ت کے عدد ۵ رہ جاتے ہیں، مادۂ تاریخ ہے۔ "ناعمۃ لسعیھا راضیۃ" یہاں سال ۱۳۵۸ھ بنایا گیا ہے۔ حالانکہ اس آیت کے عدد ۲۱۴۸ بنتے ہیں، یا تو پھر شاعر اپنے تاریخی مادے کے ساتھ یہ لکھتا رہے کہ یہاں ت کے ۴۰۰ عدد میں نے لیے ہیں اور وہاں ت کے ۵ عدد لے کر میں نے مادہ تاریخ نکالا ہے۔ پھر تو کام چل سکتا ہے ——— لیکن ۲۱۴۸ کی جگہ ۱۳۵۸ شاعر کی ہدایت جلی کے بغیر کون اعداد بر آمد کر سکیگا (یہ سب مادہ ہائے تاریخ رسالہ عالمگیر لاہور ماہ مارچ ۱۹۴۴ء سے نقل کیے گئے ہیں)

پروفیسر صاحب[1] ایسے بزرگ اور صاحب علم کے کلام پر تنقید کرنا گستاخی میں داخل ہوگا،

---

[1] افسوس ہے کہ ماہ جولائی ۱۹۶۴ء میں پروفیسر صاحب کا انتقال ہوگیا، آپ کچھ عرصہ سے کراچی میں آکر مقیم ہو گئے تھے ایسی بزرگ ذی علم اور صاحب ذوق ہستی کا پاکستان میں آکر سکونت اختیار کر لینا ہمارے ملک کی خوش بختی کی دلیل تھا، اللہ تعالیٰ اُن کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے :- ھو الغفور ھو الواحد (۱۳۸۴) سال تاریخ وفات ہے :-

Marfat.com

لیکن مقطع میں "سخن گسترانہ" بات کی بجائے اظہارِ حق آپڑا ہے اس لئے اس تلخ نوائی کی معذرت طلب کرتا ہوں۔

امیر مینائی کے مادۂ تاریخ کو غلط قرار دینا یا جلال لکھنوی کے نظریات پر کڑی نکتہ چینی کرنا یا تسلیم سہوانی جیسے باکمال اور نادرِ روزگار تاریخ گو کے کلام کو کسوٹی پر پرکھنا آسان کام نہیں۔ وادیٔ پرخار میں قدم رکھ کر ہنگامۂ رسوائی کو گرم کرنا ہے، لیکن کیا کیجئے آخر کسی کو تو آگے بڑھ کر راستے کے کانٹے دور کرنا تھے۔

تائے مدوّرہ کے اعداد پر بحث کے سلسلے میں ہندوستان کے ادیبِ شہیر پروفیسر حامد حسن قادری مرحوم کے چند مادہ ہائے تاریخ کا بھی ضمناً ذکر آچکا ہے مجھے اس سلسلے میں نہایت اختصار سے یہ عرض کرنا ہے کہ پروفیسر موصوف نے تاریخ گوئی کے قواعد کا علم رکھنے کے باوجود تاریخ کے قواعد سے افسوسناک انحراف کر کے دو رنگی کے نمونے پیش کرنے کی جسارت فرمائی ہے۔ موصوف کو جس موقع پر تا کے ۴۰۰ عدد کی ضرورت ہو وہاں فرماتے ہیں کہ ۴۰۰ عدد لئے گئے ہیں، جہاں ۵ عدد درکار ہوں، وہاں ۃ لکھنے کے باوجود اس کے ۵ ہی عدد لیتے ہیں۔

پروفیسر صاحب کو یقیناً علم ہوگا کہ کسی بزرگ نے سر سید مرحوم کی تاریخ وفات قرآن مجید کی اس آیت سے نکالی تھی۔ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ (۱۳۱۵) اس میں عاقبت کی ت کے ۴۰۰ عدد ہی صحیح طور پر لئے گئے۔ لیکن کمال یہ ہے کہ اس روشن مثال کے ہوتے ہوئے بھی اور خود بھی کئی تاریخی مادوں میں تائے مدوّرہ یا تائے فوقانی سے ۴۰۰ عدد لیتے ہوئے، ایسے مادے وضع فرمائے ہیں جن میں تا کو ہائے ہوز قرار دے کر اس کے ۵ عدد لئے گئے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:-

(۱) موصوف کے متعدد عزیزوں کا ایک ہی سال میں انتقال ہوا۔ اور قرآن مجید سے یہ مادۂ تاریخ نکالا قد جاءتکم موعظۃ من ربکم موعظت کی تا کو ہا سمجھ کر یہاں اس کے ۵ عدد لئے گئے ہیں۔

Marfat.com

(۲) حکیم ضمیر احمد صاحب کی تاریخ وفات اِنّ المتقین فی مقامٍ امینٍ فی جنّٰتٍ وعیون

سے ۱۳۴۴ عدد برآمد کئے گئے ہیں، اور جنت کی ت ان کی نظروں میں آ ہے۔

(۳) ایک اور مادّہ تاریخ جس سے ۱۹۰۹ء ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے

اُولٰئِکَ لَھُمْ مَغْفِرَۃٌ وَّاَجْرٌ کَبِیر یہاں مغفرت کی ت کو ہ قرار دیا گیا ہے۔

(۴) ایک مخدرّہ کی تاریخ وفات کا مادہ جس سے سال ۱۳۵۵ھ ظاہر کیا گیا ہے؛

(۵) اسی طرح علامہ اقبال مرحوم کی تاریخ کے لئے یہ آیت ڈھونڈی گئی نفاکھۃ کثیرۃ وثمراً

اس میں ہر دو ت کے اعداد پانچ پانچ لئے گئے ہیں۔

(۶) حضرتِ داغ کی تاریخ یہ کہی گئی ہے: اِنَّہٗ فی الاخرۃِ لَمِنَ الصّالحین، اس میں آخرت

کی ت کو ہ قرار دیا گیا ہے۔

۶۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

پروفیسر صاحب کی یہ بدعت خود اُن تک محدود نہیں رہی محسن کاکوروی کا انتقال ۱۳۲۳ھ

میں ہُوا تو پروفیسر صاحب کی تاریخ (۶) کے مادہ کو سامنے رکھتے ہوئے منشی زین العابدین

فرجاد نے اِنَّہٗ فی الآخرۃِ لَمِنَ الصّالحین سے تاریخ نکالی صٰلحین کو صالحین لکھنے سے ایک

عدد بھی زیادہ مل گیا۔

ان اُوپر کی تاریخوں میں موعظت، جنت، مطمئنۃ، ناعمۃ، راضیۃ، آخرت

اور جنّۃ کی ت کو ہائے ہوز سمجھا گیا ہے۔ لیکن موصوف نے بالکل انہی الفاظ کو کسی اور جگہ

استعمال کرکے عاقبت، رحمت، جنۃ، ناعمۃ، ذائقۃ اور تحیّۃ کی ت کو ہائے

ہوز نہیں قرار دیا۔ کتنا ظلم ہے فن پر کہ جب ضرورت محسوس ہو تو ت کے ۴۰۰ عدد لے لئے جائیں

اور جب ت کے اعداد ۴۰۰ زیادہ معلوم ہوں تو پھر ۵ عدد لے کر جیسا بن پڑے مادہ تاریخ پیش

کر دیا جائے۔ غالباً آزاد تاریخ گوئی کی اس سے بہتر اور مثالیں بھی ہوں گی، اگر نہ ہوتیں تو میر تقی

اور نواب وحید الدین کی بحثِ متذکرۃ الصدر ہی کیوں چھڑتی۔

Marfat.com

متاخرین کے دور میں میر اوسط علی رشک بھی ایسے تاریخ گو بزرگ ہو گزرے ہیں، اُن کو تاریخ گوئی کا خاص ملکہ تھا گلِ رعنا میں اُن کی نسبت لکھا ہے کہ بات بات پر تاریخ کہتے تھے اور مرنے جینے کی تاریخوں کا اُنھوں نے ٹھیکہ لے رکھا تھا، اُدھر کسی کا دم نکلا، اُنھوں نے تاریخ نکال لی کوئی پیدا ہُوا۔ نال کٹنے میں دیر ہو تو ہو، مگر تاریخ میں دیر نہیں لگتی تھی، ظاہر ہے کہ ایسے پُر گو تاریخ گو کو فن کے اصولوں پر اپنی ضرورت کو مقدم رکھنا پڑتا تھا۔ ۱۲۵۶ھ میں اُردو کی ایک لُغت تالیف کی اور اپنی طرف سے اُسے "نفس اللغت" تاریخی نام دیا۔ پُر گوئی کی وجہ سے خامی رہ گئی۔ یہاں ت کے ۵ عدد لیے جس سے تاریخ ہی غلط ہو گئی۔

حدودِ تاریخ توڑنے کی اُن کی ایک اور مثال سُن لیجیے۔ ناسخ کی تاریخ وفات جو ۱۲۵۴ھ میں واقع ہُوئی۔ رشک نے یوں کہی :-

ع ـــــ شعر گوئی اُٹھی لکھنؤ سے

اس میں سلف وخلف کے اصولوں کے خلاف لکھنؤ کے ہمزے کے بھی ۲ عدد لیے گویا دو دادیں شمار کر لی گئیں جو صریحاً غلط ہے اب اِس لحاظ سے کہ یہ تاریخ "گلِ رعنا" کے صفحہ ۳۵۲ پر درج ہے، صحت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ گلِ رعنا کے مؤلف واقعہ نگار ہیں، تاریخ گوئی کے ناقد نہیں، جس طرح سُنتے ہیں نقل کر دیتے ہیں، اسی گلِ رعنا کے ۲۸۲ پر مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے جرأت کی وفات پر ناسخ کے کہے ہُوئے مادۂ تاریخ کو نقل کیا ہے۔ سالِ وفات ۱۲۲۵ ہے۔ اور یہ مادۂ تاریخ لکھا ہے :-

ع ـــــ "ہائے ہندوستاں کا شاعر شُوا"

لیکن اس مصرعہ سے اعداد ۱۲۳۱ برآمد ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مصنّف کو یہ خیال نہیں آیا کہ لفظ "ہندوستان" لکھنے سے ۶ عدد زیادہ ہو جائیں گے، حالانکہ شاعر نے ہندستاں کی بجائے "ہندستاں" (بغیر واو) لکھا تھا، جس سے مادۂ تاریخ دُرست تھا، ہندستاں میں واؤ زائد داخل کرنے سے مادۂ تاریخ کی ہی قربانی ہو گئی۔

اپنے فارسی رسالہ میں تسلیم نے تائے قرشت کو ہائے ہوّز قرار دینے والوں کا مذاق اڑایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے تو آج تک نقطوں والی ہا نہیں سُنی، اور نہ کبھی یہ سُنا ہے کہ "تا" غیر منقوط ہو۔ "ہا" بنے گی۔ تا نہ رہے گی۔

آزاد شاعری کے ایک ہواخواہ ادیب سے ایک مرتبہ صنائع و بدائع شعری پر گفتگو ہو رہی تھی۔ میں نے اُنھیں حضرت مولانا عزیزالدینؒ کا ایک نوحۂ تاریخی بصنعتِ غیر منقوط سُنایا، جس کے چند شعر آپ بھی سُن لیجئے:- ؎

عالمِ کامل مکرم ہم امام ۔۔۔ عاملِ علمِ مکمّل لا کلام

مہرِ اسلام محمد اسمِ او ۔۔۔ در معمّا کردہ ام طرحِ کلام

رُوحِ او را سورۂ الحمد گو ۔۔۔ ہم درود و ہم دعا و ہم سلام

محرمِ اسرارِ احکامِ الٰہ ۔۔۔ کارِ او امداد در کارِ عوام

وردِ او در سحر، در ہر مسا، ۔۔۔ حمدِ واحد مدحِ احمد والسلام

ہر سحر در گورِ او آرد درود، ۔۔۔ صلصل و طاؤس، ہم ہُدہُد حمام

سالِ مرگِ او حوالۂ کلک کرد

گو ردِ او مسرور در دارالسّلام

۱۳۱۰

تو وہ صاحب اس اعجازی قطعہ کی داد کیا دیتے۔ فرمانے لگے یہ کونسا مشکل کام ہے ہمارے موجودہ اساتذۂ فن کا سارا کلام اس صنعت میں بن سکتا ہے۔ میں نے کہا: آپ بھی غضب کرتے ہیں۔ ارشاد ہُوا کہ ہر شعر میں حرفوں پر نقطے نہ ڈالیے، سارا کلام ہی غیر منقوط ہو گا۔ اور ہم اُسے جائز سمجھتے ہیں، ع۔ ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے

اوّل تو عربی میں تائے قرشت کو ہائے ہوّز سے بدلا ہی نہیں جاتا۔ اور اس کی مکتوبی صورت بدستور قائم رہتی ہے۔ البتہ عربی قرأت میں آخری تا کی آواز ہا کے مشابہ ہو جاتی ہے

لیکن صورت نہیں بدلتی۔ تسلیم لکھتے ہیں کہ اگر تا کو ہا سے بدل دیا جائے، تو عربی میں کئی الفاظ کے معانی میں زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ رحمت اللہ اور لعنت اللہ کی بجائے رحمہ اللہ اور لعنہ اللہ کے معانی کا فرق ظاہر ہے۔

محسن کاکوروی مرحوم جن کی وفات پر فرجاد نے غلط مادۂ تاریخ لکھا۔ خود تاریخ گوئی کے فن میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ ان کا ایک مشہور نعتیہ قصیدہ ہے جو انھوں نے ۱۲۵۸ھ میں لکھا تھا اور خود ہی اس کا تاریخی نام گلدستہ کلام رحمۃ (۱۲۵۸) رکھا۔ اور رحمۃ کی تا کے ۴۰۰ عدد ہی لیے۔ ۱۲۹۳ھ میں ایک مثنوی لکھی، اس کا تاریخی نام نگارستانِ الفت رکھا۔ اس سے پہلے ایک اور مثنوی فغانِ محسن کے نام سے لکھی۔ یہ نام بھی تاریخی تھا۔

جلال لکھنوی اور تسلیم سہسوانی دونوں نے اپنے رسائل میں مولوی امام بخش صہبائی مرحوم صدر مدرس مدرسہ شاہجہاں پور کے قولِ فیصل کا حوالہ دیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ صہبائی نے نہایت ہی وضاحت سے تائے مدوّرہ اور ہا کے فرق کو ظاہر کرکے یہ فیصلہ دیا ہے کہ تا کے بہر حال ۴۰۰ عدد ہوں گے۔ اور جو اہلِ فن اس کے کسی صورت میں ۵ نمبر شمار کرتے ہیں، غلطی پر ہیں۔ تعجب ہے کہ بعض اہلِ قلم دونوں رسالے زیرِ مطالعہ رکھنے کے بعد بھی کس طرح یہ نادرست بات لکھ دیتے ہیں کہ تائے مثنات فوقانی جو آخر کلمات میں بشکل ہائے مدوّر لکھی جاتی ہے، اُس کے ۴۰۰ عدد لینا غلطی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ جن امدادی کتب کا حوالہ دیا ہے۔ اُن میں سے کسی ایک کتاب میں بھی ایسا کوئی لفظ موجود نہیں ہوگا جس میں تائے مدوّرہ نقطہ دار کے ۵ عدد محسوب ہوں۔ ان سب کتابوں میں :—

زکوٰۃ	صلاۃ	صلوٰۃ	عزۃ اللہ	صلواۃ اللہ	لیلۃ القدر	حجۃ الاسلام	کی تائے مدوّرہ
۴۳۳	۵۲۱	۵۲۷	۵۴۳	۵۹۳	۸۰۵	۵۷۴	

آخری یا درمیانی کے ۴۰۰ عدد ہی لیے گئے ہیں (بحوالہ آئینہ تاریخ) تاریخ کی لغات ام التاریخ اور کانِ تاریخ وغیرہ کے علاوہ گنجِ تاریخ کے فاضل مصنّف مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم نے ۱½ ہزار سے اوپر قطعاتِ تاریخ تصنیف کیے ہیں یہاں اُن بے شمار قطعاتِ تاریخ کا نقل کرنا تو ممکن

نہیں ہوگا، البتہ چند مادہ ہائے تاریخ ایسے نقل کیے جاتے ہیں جن سے بطور "مشتے نمونہ از خروارے" یہ اندازہ ہوسکے گا کہ تا کے عدد اساتذہ نے ۴۰۰ ہی لیے ہیں :-

راقع الدرجات (گنج تاریخ)	میرا مادہ بے نیازانہ	جمال الاصفیا نجم الکرامۃ	طالب اللہ عاقبۃ محمود
۹۹۰	۹۷۲	۱۰۷۲	۷۷۹

دراصل تائے فوقانی کے معاملے میں اکثر تاریخ گو حضرات نے ٹھوکر کھائی ہے۔ بعض نے تو غالباً اصول و قواعد تاریخ سے عدم واقفیت کی وجہ سے غلطی کی، لیکن بعض نے دانستہ اور عملاً محض ضرورتِ تاریخ کے لئے غلط نویسی کا مظاہرہ کیا۔ خزانۂ عامرہ کے مصنّف مولوی غلام علی آزاد بلگرامی اور امیر مینائی کا نام پہلے گروہ میں شمار کیا جاسکتا ہے، اور پروفیسر حامد حسن قادری کا نام دُوسرے اصحاب کی ذیل میں آتا ہے۔

عربی میں تائے فوقانی عام طور پر تین معنوں میں آتی ہے۔

(۱) تائے تانیث مثلاً عاقلہ، بالغہ، مومنہ، مسلمہ

(۲) تائے وحدت مثلاً حمامۃ البشرے

(۳) تائے مصدری مثلاً نعمت، رحمت اور عربی رسم الخط میں اسے ۵ صُورتوں میں لکھا جاتا ہے۔ ایک تو تائے دراز کی صُورت میں جیسے عنایات، درجات : دوسری صورت پہلے حرف سے وصل کی ہے جیسے اَنتَ، کُنتُ۔ تیسری صورت دندانہ کی ہے، جب درمیان میں وصل شدہ ہو، جیسے انتما۔ کانتا۔ چوتھی صورت یک حبشی ہا کی طرح ہے، جو کبھی شوشہ کی صُورت میں بھی لکھی جاتی ہے مثلاً اللہ۔ اللہ۔ امین الملّۃ۔ لیلۃ القدر۔ پانچویں شکل تائے مدوّرہ ہے جیسے قد قامت الصلوٰۃ ۔ مراۃ الخیال۔ مراۃ الغیب یہ سب تائے فوقانی کی شکلیں ہیں۔ تا کے دونوں نقطے قائم ہیں، تاکہ اس کے دُوسرے ہم شکل حروف ب، پ ث اور ہ اور ۃ سے اس کی تمیز ہوسکے۔ تا کی خواہ کوئی صُورت ان پانچ صورتوں سے ہو اور اس کے نقطے قائم ہوں تو اس کے اعداد وہی ۴۰۰ ہوں گے جو تائے قرشت کے مقرر ہوچکے ہیں، اس سلسلے میں جن بزرگوں کو غلط فہمی ہُوئی وہ اس کی فارسی طرز کتابت سے ہُوئی۔ جہاں

Marfat.com

یہ تاے فوقانی وقف کی صورت میں ہو وہاں اُسے ہا سے بدل دیا جاتا ہے ۔ مثلاً اعادہ ۔ درّہ خزانہ ۔ عامرہ ۔ افادہ ۔ مادہ ۔ قطعہ ۔ کعبہ و قبلہ وغیرہ ۔ لیکن جہاں اسے ہائے فارسی ترکیبوں میں بدلا جاتا ہے ، وہاں اس کے نقطے بھی ختم کر دیے جاتے ہیں ۔ کیونکہ ہا نقطہ دار تو کسی عربی ، فارسی اور اُردو نحو میں موجود نہیں ، ہاں اگر دو نقطے ہوں گے تو وہ ہا نہیں رہیگی بلکہ ت بن جائے گی ۔ اسی طرح اگر تا پر نقطے نہیں ہوں گے اور اس کی صورت ہا کی ہو گی ، تو اُسے ہا سمجھ کر اُس کے ۵ عدد لیے جائیں گے ۔ بعض بزرگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ جب اُنھوں نے تا کی شکل ہ کے مشابہ دیکھی ، اور فنِ خطاطی سے واقفیت نہ تھی کہ تائے مدوّرہ بھی عربی رسم الخط میں موجود ہے تو بغیر یہ دیکھے کہ اس پر نقطے موجود ہیں یا نہیں ، اور کہ یہ ترکیب میں فارسی ہے یا عربی لفظ یا جملہ ہے ، اُسے فوراً ہا تصوّر کر کے اس کے ۵ عدد دے لیے ۔

سب سے آسان طریقت کے اعداد کا یہ ہے کہ کتابت قرآنی کو سامنے رکھ لیا جائے ۔ تائے شوشہ دار یا تائے یک چشمی یا تائے مدوّرہ یہ سب عربی کتابت کی پیداوار ہیں ، اس لئے سیدھا اور آسان راستہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی کتابت ہی معیارِ اعداد قرار دی جائے ۔

سورہ الحاقہ (پارہ ۲۹) میں تائے مدوّرہ ، تائے یک چشمی اور تائے شوشہ دار کی کئی مثالیں ہیں ۔ اسی طرح سورہ الغاشیہ (پارہ ۳۰) سورہ القارعہ اور سورہ الھمزہ (پارہ ۳۰) میں مثالیں موجود ہیں ، فیصلہ یہ ہے کہ جس جگہ بھی تا نقطہ دار کی کتابت ہے وہاں ۴۰۰ عدد لئے جائیں گے ۔ اور جہاں نقطہ دار نہیں لکھی گئی ، اُس کے عدد صرف ۵ شمار ہوں گے ۔ جب بھی تائے مدوّرہ کے اعداد معلوم کرنے کی نسبت کوئی گنجلک ہو فوراً قرآن مجید کے رسم الخط کی طرف رجوع کریں ، مشکل حل ہو جائے گی ۔

امیر مینائی مرحوم نے اپنے دیوان کا تاریخی نام مِراۃ الغیب اور نواب کلب علی خان کے دیوان کا نام دُرۃ الانتخاب رکھا ، اور غلطی سے دونوں ناموں میں تائے مدوّرہ کے

Marfat.com

۵ عدد لیے۔ شکر ہے کہ مرآت کے الف ممدودہ کے ۲ عدد نہیں لیے، ورنہ ان کے پاس نعمت خان عالی کا طریقِ کار موجود تھا، فن کے ناواقفوں کے لیے امیر مینائی کا نام ہی سند ہوگیا۔ لیکن یہ خیال نہ کیا کہ یہ مادۂ تاریخ ہی غلط ہے۔ ایک غلط شے دو غلط نظیروں سے تو صحیح نہیں بن جاتی، اور یہ غلطی اساتذۂ لکھنؤ ہی میں رائج ہوکر غلط العام صحیح کی سند پاتی رہی۔ امیر مینائی غالباً اس غلطی کا شکار نہ ہوتے لیکن ان کے پاس ان کے استاد مظفر علی خان آسیر کا یہ مادۂ تاریخ سند تھا، جو آسیر نے وزیر بادشاہ لکھنؤ کی تاریخِ صحت کے طور پہ کہا تھا اللّٰھم احفظ من البلیۃ اس میں بلیۃ کی تا کے ۴۰۰ کی بجائے ۵ عدد لیے گئے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی اسمٰعیل منیر لکھنوی نے مجتہد عراق کی تاریخ وفات یوں کہی :-

ع- بہشتِ عہد زہے قبر حجۃ الاسلام

اس میں تائے حجۃ کے ۵ عدد لے کر اصولِ تاریخ پہ ہی کلہاڑا چلا دیا گیا۔

تائے فوقانی کے ۴۰۰ اعداد کی مثالیں پہلے دی جا چکی ہیں کہ تائے فوقانی کے ہر حالت میں اور بالخصوص عربی تراکیب اور جملوں میں ۴۰۰ عدد لینے چاہییں۔ عربی جملوں میں خصوصاً جبکہ ال خصوصیت کا بھی موجود ہو۔ اس میں تا کو ہا سمجھنا اور ۵ عدد لینا قطعاً غلط ہے۔ اور ایسا غلط ہے جیسا فوق البھڑک یا درِ بیٹ کہنا، البتہ فارسی ترکیب میں مثلاً قبلۂ اہلِ دجاں یا روضۂ مقدسہ یا مدینۂ منورہ یا قبلہ وکعبہ۔ جہاں تا کے نقطے موجود نہ ہوں اور تا جو ہا سے کلیتہً بدل گئی ہو وہاں اس کے ۵ عدد لینے درست ہیں۔ کیونکہ وہ تا نہیں ہے ہا ہے۔

جلال لکھنوی نے اپنے رسالہ مختصر افادہ تاریخ کے صفحہ ۱۵ پہ تا کی بحث کے سلسلے میں مولوی عبدالباسط امیٹھوی مرحوم کے ایک مادۂ تاریخ پہ اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ انھیں خود اعتراف ہے کہ مولوی صاحب مرحوم معلعنایتِ الٰہی بہت بڑے مورخ ہیں۔"

مولوی عبدالباسط مرحوم نے اپنے جد وجدہ کی وفات کی تاریخ فرمائی۔

Marfat.com

گفت امرِ خداش با احباب   اسکن انت وزوجک الجنۃ

تائے جنّۃ کے چار سیکڑے لئے ہیں۔ جلالؔ لکھتے ہیں کہ یہ امر مؤلفِ ہیچمدان کی رائے ناقص میں مخدوش ہے اور پایۂ اعتبار سے ساقط کیونکہ یہ تا صورتاً ہا ہے۔ اور ۴۰۰ عدد لینا اُس وقت جائز ہوگا جب کوئی اس امر کو بدلائل باطل کردے کہ کتابتِ حروف کو تاریخ میں کچھ دخل نہیں اور رسم الخط کا بھی بطلان کرے، تو یہ محال ہے کہ بطلان اِن دونوں امروں کا نہیں ہو سکتا حضرت مولانا عزیز الدینؒ نے جن کا مفصّل تذکرہ بطور حکیم تاریخ گوئی آئندہ صفحات پر آئیگا اس رسالے کے حاشیہ پر یہ رائے تحریر فرمائی ہے۔

"تائے مدورہ کے عدد ۴۰۰ لینے چاہیں کہ یہ بھی ایک صورت تائے مدوّرہ اُستادانِ کتابت نے مقرر کی ہے۔ اور بحالتِ جمع تائے مدوّرہ لکھی جاتی ہے جیساکہ فارسی کتابت میں "اللہ" کی ہائے ہوز بصورتِ دال لکھی جاتی ہے۔ اگر صُورت پر خیال کیا جائے تو اس ہا (یعنی اللہ کی ہا) کے ۴ عدد لینے چاہیں مصنف صاحب علم کتابت سے ناواقف ہیں، خواہ مخواہ دو تین صفحے سیاہ کردیئے۔ عزیز الدین"

فارسی ترکیب میں جہاں تا کو ہا سے بدل دیا جاتا ہے، اس کی مثال ذوقؔ کا یہ قطعۂ تاریخ ہے، جو محمد شاہ سہارنپوری کے تعمیرِ چاہ و مسجد پر اُنھوں نے لکھا ؎

سیّدِ با صفا محمدّ شاہ   کرد تعمیر طُرفہ مسجد و چاہ

ذوق تاریخِ سالِ ہر دو بہم   زد رقم۔ ساخت کعبہ و زمزم

۱۲۵۸

داغؔ کا مادۂ تاریخ جو تعمیر مسجد حاجی جہانگیر بخش واقع کانپور پر لکھا گیا، قابلِ داد ہے:۔ ؎

اے داغؔ اگر زمانۂ تاریخ کی ہے فکر   لکھ۔ "کعبۂ جدیدِ جہانگیر بخش" سال

تا کے چار سینکڑے لینے کی ایک مثال داغؔ کے اس مادۂ تاریخ میں دیکھیے ؎

مصرعِ تاریخ لکھا داغؔ نے   میجر افسر جنگ عالی منزلۃ

۱۳۰۵

میر ویسی جو دربارِ ہمایونی کا شاعر تھا، اس کا قطعۂ تاریخ یاد آگیا ہے، جو مرزا کامران کی رحلت

برائس نے کہا ؎

شہِ کامراں خسروِ نامدار — کہ در سلطنت سر بکیواں رساند
مجاور شد اندر حرم چار سال — بکلی دل از قیدِ عالم رہاند
زبعدِ وقوفِ حجِ چارمیں — باحرامِ حج جاں بہ جاناں فشاند
چو در خوابِ وکسی در آمد شبے — عنایت نمود و سوئے خویش خواند
بگفت ار پیر سندت از فوتِ ما
بگو مد شاہِ مرحوم در کعبہ ماند"

مراۃ الغیب اور درّۃ الانتخاب تو خالص عربی ترکیبیں ہیں، ان میں جو تائے مدورہ واقع ہوئی ہے اسے ہائے ہوز سمجھنا تو سراسر زبردستی ہے۔ ہاں اگر یہ نام فارسی ترکیب میں ہوتے مراہ غیب یا درہ انتخاب، تو پھر یہاں ۵ عدد ہی لئے جاتے۔ لیکن یہ تو انتہائی ظلم ہے ترکیب بھی عربی ہو اور مکتوبی اور ملفوظی صورت بھی تا کی ہو پھر اس کے ۴۰۰ عدد نہ لیے جائیں، زیادہ سے زیادہ اس معاملے میں یہ رعایت دی جاسکتی ہے کہ ترکیب عربی میں رہے۔ لیکن تا کے نقطے نہ ڈالے جائیں، پھر ۵ عدد لینے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ لیکن نقطے بھی قائم ہوں اور پھر اسے ہائے مدورہ سمجھا جائے تو "ذرا زبردستی این کوتہ آستیناں ہیں" ہی کہنا پڑتا ہے۔

کتاب کے لئے مرآت کا لفظ امیر مینائی کو ہی نہیں سوجھا بلکہ اس سے قبل تاریخ سکندر لودھی موسوم بہ "مرآت سکندری" بھی لکھی گئی، یہ تاریخی نام ہے۔ اور تا کے ۴۰۰ عدد لیکر سنہ ۹۸۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ تسلیم سہسوانی نے بھی اپنی فارسی تصنیف ملخصِ تسلیم میں تذکرہ مرآۃ الخیال کے مصنف شیر خان کا یہ قطعہ تاریخ نقل کیا ہے جس میں مرآۃ کی ت کے ۴۰۰ عدد لئے گئے ہیں

؎ ایں چمن نادرے کہ مراۃ الخیالش خواندہ اند — دارد از حسنِ معانی یک جہاں حسنِ کمال
صورتِ تاریخِ انجاشس تواں بے پردہ دید — گر تامل پردہ بر دارد ز مراۃ الخیال
۱۳۱۳

یعنی مرآۃ الخیال کے اعداد میں سے پردہ کے اعداد منہا کر دئے جائیں تو سالِ تاریخ

Marfat.com

تصنیف بر آمد ہوتا ہے۔

منشی درگا پرشاد نادر کی مشہور کتاب خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم جو ۱۸۷۹ء میں لاہور سے طبع ہوئی، اس کی تاریخِ طبع مولوی عبد اللہ صاحب حلم ساڈھوروی نے نہایت ہی خوبصورتی سے ایک مصرعہ سے نکالی ہے۔ اور اسی مصرعہ سے سنینِ ہجری و عیسوی برآمد ہوتے ہیں

عیسوی مصرع میں ہجری کہہ، ندا ہاتف نے دی

حلم چوچند جی لگا کر پڑھ خزینۃ العلوم

۱۸۷۹ء

کل مصرع کے عدد ۱۸۷۹ ہیں۔ اور خزینۃ العلوم کے اعداد کا مجموعہ ۱۲۴۴ ہے (خزینۃ تا کے ۴۰۰) ان اعداد میں اگر جی کے عدد ۱۳ لے کر ان کو چوچند کیا جائے تو ۱۳×۴ = ۵۲ ہوتے ہیں۔ اور یہ ۵۲ عدد ۱۲۴۴ میں جمع کریں تو سالِ ہجری ۱۲۹۶ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ صنعت فنِ تاریخ گوئی میں صنعتِ حسابیہ کہلاتی ہے۔ اور تاریخ کی کوئی ڈکشنری اس قسم کی تاریخ گوئی کے لئے شاعر کو آسانی بہم نہیں پہنچاتی۔ اسی کتاب کی تاریخِ تصنیف صنعتِ ریاضی میں رافع دہلوی نے عجیب پیرایہ میں لکھی ہے۔ وہ بھی دیکھیے:

لکھا نادر یہ تذکرہ نادر   اب یہ حاسد کو چاہیے غم سے

قلبِ رنجور (۳) رافع زخمی   دُگنا (۶) اور تگنا (۹) چوگنا (۱۲) کر لے

یعنی ۱۲۹۶ھ حسابِ جمل سے برآمد نہیں ہوا بلکہ اس صنعت سے نکلے ہیں کہ چوتھے مصرع کے محسوب اعداد بیک نظر سالِ طبع ظاہر کرتے ہیں۔

ایک اور قطعۂ تاریخ اس سے بھی زیادہ دل چسپ ہے جو اسی شاعر نے صنعتِ ادائی میں لکھا ہے،

واہ کیا تذکرہ لکھا نادر   کہتا ہے رافع ہاتفِ غیبی

سیر (۶) و ہم (۹) و طلب (۲) سے باطن سے   اور اعجاز (۱) سے ہے سالِ جلی

اس میں اعداد متذکرہ بالا بترتیبِ درجات لکھے جانے سے ۱۲۹۶ھ سامنے آجاتا ہے۔

اِسی صنعت کی ایک مثال جلال لکھنوی نے اپنے رسالہ افادۂ تاریخ میں دی ہے۔ وُہ یہ ہے کہ لفظ طوبا کے اعداد اس طرح لکھ کر ممدوح کے باغ کی تاریخ ۱۲۶۹ھ نکالی گئی ہے:-

	۹	۶	۲	۱
+	ط	و	ب	ا

ہرچند کہ یہاں فی الحال مقصد اقسام التاریخ یا صنائع بدائع تاریخی بیان کرنے کا نہیں ہے کہ یہ مضمون بے حد تفصیل طلب ہے۔ لیکن یہ مثالیں رواداری میں سامنے آگئی ہیں ان۔ لیے طبیعت نے ناظرین کے سامنے پیش کرنے میں یہ بخل گوارا نہ کیا۔

بحث لفظ مرآۃ پہ ہو رہی تھی کہ تائے مدّورہ کے ۴۰۰ عدد لینے چاہییں اس حساب سے مرآۃ کے ۶۴۱ عدد بنتے ہیں۔ اور تائے مدّورہ کو ہائے مدّورہ سمجھ لینا فاش غلطی ہے۔ تا کے اعداد سے متعلق باکمال اساتذۂ فن کا کلام پیش کیا جا چکا ہے۔ مرآۃ کے اعداد کی ایک اور مثال "لمحۂ تسلیم" کے سالِ طبع پر امجد علی صاحب مالک اخبار نیّر اعظم مراد آباد کے قطعہ میں ملتی ہے۔

کلکِ نیّر بہرِ تاریخش نوشت —— باالف ممدودہ مرآۃ الخیال

۱۳۱۴

یہ مادۂ تاریخ اگرچہ الف ممدودہ کے دو عدد شمار کر لینے کی وجہ سے دُرست نہیں لیکن یہاں اگر بطور تعمیہ الف کے ۲ عدد لیے جائیں تو مادۂ تاریخ صحیح ہو سکتا ہے۔ مرآت الخیال میں پہلے ہی الف ممدودہ موجود ہے جس کا ایک ہی عدد ہے۔ یہاں شاعر کو پورا احساس ہے کہ اس الف کا ایک ہی عدد لیا جاتا ہے۔ اس لیے "با الف ممدودہ" کہہ کر اس نے یہ درخواست کی ہے کہ الف کے دو عدد لیے جائیں۔ اور "باالف ممدودہ" سے مورّخ کا مطلب باالفِ زائد ہے۔ اور اگر وُہ اس میں ذرا اور غور کرنے تو تعمیہ سے صحیح مادۂ تاریخ یوں بن سکتا تھا:

باسرِ اعداد مرآت الخیال

اعداد کے سر یعنی الف کا عدد لے کر مرآۃ الخیال کے ۱۳۱۳ میں جمع کر دیا جائے تو سالِ مطبوعہ ۱۳۱۴ھ برآمد ہوتا ہے۔

مولوی بخشش علی صاحب نحیف لکھنوی کا بھی ایک مادۂ تاریخ ہاتھ آگیا ہے جس میں

مرآۃ کی تا کے ۴۰۰ عدد لیے گئے ہیں (بحوالہ کنز التاریخ صفحہ ۱۰۱) ؎

جو چاہی دل سے نحیف تاریخ نظم اس سلکِ گوہر کی — ندائے ناہید آئی ناگہ کہ نوری مرآۃ چشم جاں ہے
۱۳۱۹

بادشاہ جلال الدین اکبر جب ۹۶۳ھ میں تخت نشین ہوا تو ایک شاعر دربار نے یہ قطعۂ تاریخ کہا:-

از خطبۂ شاہ رفعتِ منبر شد — وز سکۂ عدل کارہا چوں زر شد

بنشست بہ تختِ سلطنت اکبر شاہ — تاریخ جلوس نصرتِ اکبر شد
۹۶۳

(اکبر نامہ جلد ۲ صفحہ ۹)

تائے مدورہ کے اعداد ۴۰۰ ہی لینے چاہیں جبکہ دو نقطے موجود ہوں، اس کی نسبت امام تاریخ گوئی مولانا عزیز الدین مرحوم شاعرِ خاص و خوش نویس دربار بہاولپور کا نام راقم الحروف بطور حکم پیش کرنے کی اس لیے جرأت کرتا ہے کہ موجودہ دور سے تھوڑا ہی پہلے اس شہسوار اقلیم تاریخ گوئی نے اپنے کمالِ فن کا لوہا منوالیا تھا۔ جلال لکھنوی کے رسالہ افادۂ تاریخ کے صفحہ ۲۵ پر جہاں جلال لکھنوی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تائے جنۃ کے چار سیکڑے لینا مولف ہیچمدان کی رائے ناقص میں مخدوش ہے اور پایۂ اعتبار سے ساقط"۔

اس رسالہ کے حاشیہ پر مولانا عزیز مرحوم نے اپنے قلم سے یہ تحریر فرمایا کہ:-

"تائے مدورہ کے عدد ۴۰۰ لینے چاہیں کہ یہ بھی ایک صورت تائے مدورہ استادانِ کتابت نے مقرر کی ہے اور بحالت جمع تائے مدورہ لکھی جاتی ہے جیساکہ فارسی کتابت میں (اللہ) کی ہائے ہوز بصورت دال لکھی جاتی ہے اگر صورت پر خیال کیا جاوے تو اس ہائے کے بھی چار عدد لینے چاہیں، مصنف صاحب علمِ کتابت سے ناواقف ہیں"

عزیز الدین عفی عنہ[1]

تحسین سروری صاحب کے نقل کردہ رسالہ کے بعد فیصلہ کی یہی صورت ہے کہ ایک باکمال صاحبِ فن کو حکم تسلیم کیا جائے۔ راقم الحروف نے بطور حکم مولانا عزیز الدین مغفور کا اسم گرامی پیش کر دیا ہے۔ جب تک اس باکمال بزرگ سے زیادہ صاحب علم اور ماہر فن کا نام سامنے نہ آئے اِن کی

[1] یہ رائے پہلے بھی نقل کی جا چکی ہے۔ اسے بوالہ مکرر سمجھا جائے

رائے وقیع ہو گی۔

اس بحث کے بعد راقم الحروف کو مولانا عزیزؔ کے حالات زندگی کو اسی مقالہ کا حصہ بنانے کا خیال آگیا تاکہ اس میں اُن کے کلام کو بھی بطور سند پیش کیا جائے اور اس معاملہ میں یہ مسئلہ پورے طور پر حل ہو جائے۔ مولانا عزیز مرحوم کے حالات زندگی سے اردو خواں طبقہ بالکل ناواقف ہے "حیات عزیز" اپنی جگہ ایک تحقیقی مقالہ ہے اور اردو میں اپنی جگہ پر پہلا مقالہ ہے

تلے مدوّدہ کے اعداد سے متعلق چند صنائع بدائع تاریخ گوئی کا ذکر آگیا تھا، اور اس سلسلہ میں بعض اہل علم و ہنر کے ایسے قطعات کے حوالے دینا پڑے جن کے مادہ ہائے تاریخ میں تخرجہ اور تعمیہ سے تاریخ نکلتی ہے۔ یہ میدان نہایت وسیع ہے۔ ویسے تو کوئی جملہ لے لیجئے اس کے اعداد سنِ مطلوبہ سے جتنے زیادہ ہوں وہ تفریق کرکے باقی کے لیے کوئی ایسا متناسب لفظ یا جملہ نکال لیجئے، تو تاریخ تیار ہے۔ یا کم ہوں تو اشارہ کر دیجئے کہ فلاں حرف یا لفظ زائد شامل کر لیجئے اس طرح تاریخی مادہ تو تیار ہو جائے گا لیکن یہ کمالِ فن کے سراسر خلاف ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کا تاریخی مادہ لے لیجئے جس سے ۱۳۸۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

"ماہِ اقبال بر ترقی باد" اس جملہ کے اعداد ۱۰۹۹ ہیں۔ لیکن ۱۳۸۱ حاصل کرنے کے لیے ہمیں مزید ۲۸۲ اعداد کی ضرورت ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ان میں کسی حیلہ سے ۲۸۲ عدد کے حروف شامل کیے جائیں۔ وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ :-

از سرِ بذل ۲ و فیض ۸۰ و رحمت ۲۰۰ گو ماہِ اقبال بر ترقی باد ۱۰۹۹ ۱۳۸۱

یعنی بذل کی با کے ۲ عدد، فیض کی فا کے ۸۰ اور رحمت کی را کے ۲۰۰ عدد لے کر ۱۰۹۹ میں شامل کرکے دعائیہ تاریخ نکل آتی۔

اسی قبیل کی ایک اور تاریخ بھی سن لیجئے۔ مشہور مصرع مزاحیہ ہے، جو غالباً گیہوں کے قحط کے نہ ملنے کا ہے :-

Marfat.com

گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است = ۲۷۲۹

اس مصرعہ سے ہیں ۱۹۶۲ کا تاریخی مادہ بنانا مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ ۸۶۷ عدد اس سے کم ہونے چاہیں، تو وہ نہایت آسانی سے اس مصرعہ سے حاصل کر لیجئے۔

گر ضعف اور زیاں و سمیت کا سر نہ ہو — گندم اگر بہم نہ رسد بھس غنیمت است

۸۰۰ — ۷ — ۶۰

۱۹۶۲ = ۸۶۷ - ۲۷۲۹

تاریخ تو ہو گئی لیکن یہ تاریخ گوئی کا کمتر درجہ ہے۔ اور صحیح فن سے ایسی کوشش کا کوئی قابلِ تعریف تعلق نہیں، وقت ٹالنے کے لئے، یا کسی بے جوہر ممدوح کو خوش کرنے کے لیے البتہ مواد فراہم ہو گیا

اسی طرح مجھے یاد پڑتا ہے کہ قائداعظم اور قائد ملت کی تاریخ رحلت کے لیے کئی ایسے تکلف سے تیار کئے ہوئے مادہ ہائے تاریخ اخبارات میں شائع ہوئے تھے جنھیں تاریخ گوئی کے فن کے لیے کوئی قابلِ قدر مثال نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً جناب حمیداللہ بن قریشی (علیگ) کا قطعہ لے لیجئے جو لیاقت علی خان مرحوم کے غم میں لکھا گیا ہے

شبے بگوش رسید این ندائے غم فرسا — کہ آفتابِ سیاست غروب شد ہا گا

چوں سال بہرِ وفاتش ز آسمان پرسم — بگفت خونِ شہادت فزوں کنی از ہا

"خونِ شہادت" کے اعداد ۱۳۶۶ ہیں۔ ان میں ہائے ہوز کے ۵ عدد بڑھادیں تو ۱۳۷۱ عددِ مطلوبہ حاصل ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں میرے پرانے مضمون کا حوالہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ قائد ملت لیاقت علی مرحوم کی وفات پر اکثر شعرائے قطعات تاریخ لکھے تھے جن میں غلطیاں بھی تھیں اور صحیح بھی۔ روزنامہ امروز لاہور میں ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۱ء سے لے کر غالباً ۳۰ر اکتوبر تک تاریخی مادوں پر بحث چھڑی رہی۔ میرا مراسلہ جو ۲۷ر اکتوبر کی اشاعت میں چھپا حسبِ ذیل تھا:

جنابِ مدیر روزنامہ امروز، سلامِ مسنون!

قائدِ ملت کی شہادت سے کون آنکھ ہے جو نمناک نہیں ایسے سانحاتِ المیہ پر سب سے پہلے شاعر ہی قوم کی زبان کہلانے کی وجہ سے اپنے احساسات کو نظم کا لباس پہناتے ہیں۔ خیال پسندوں کی دشوار پسند جماعت کو جب میدانِ تخیل تنگ نظر آیا، تو انھوں نے اظہار مطلب کے لئے تاریخ گوئی مشغلہ ٹھہرایا اور اس طرح قطعاتِ تاریخ کا وجود عمل میں آیا۔

آج کل ہر اردو روزنامے، جریدے اور ادبی رسالے میں قائدِ ملت مرحوم سے عقیدت کے طور پر نوحے، مرثیے اور تاریخی قطعے شائع ہو رہے ہیں، جن سے قوم کی زندگی کا ثبوت مل رہا ہے، لیکن اس ہجوم میں نظم لکھنے والے بعض حضرات کی طرف سے صنفِ تاریخ گوئی کو بُری طرح پامال کیا جا رہا ہے۔ وجہ اب تک سمجھ میں نہ آئی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ قائدِ اعظم کی وفات پر بھی اسی طرح ایک ہلڑ مچ گیا تھا۔ اور اکثر تاریخ گو احباب نے دانستہ طور پر یا اجتہادی طریق سے ادبِ اردو کی توہین کا ایک دفتر اکٹھا کر دیا تھا۔ اب کے قائدِ ملت کی شہادت پر وہی صورت دوبارہ نمودار ہو رہی ہے۔ معمولی قسم کے شاعر ہوتے تو اتنا رنج نہیں تھا۔ افسوس تو یہ ہے کہ اچھے پایہ کے شعراء جن کا صفِ اوّل میں شمار ہوتا ہے وہ بھی ہنگامی طور پر وقتی تحسین حاصل کرنے کے لئے غلط تاریخی مادے لکھ دیتے ہیں۔ آج اتفاق سے روزنامہ احسان لاہور کا ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۱ء کا پرچہ نظر سے گذرا۔ وقار انبالوی صاحب کی سرعنوان نظم جست بندشوں اور تخیل کی بلندیوں کا بہترین نمونہ ہے۔ لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ وقار ایسے شاعر کو مادۂ تاریخ ڈھونڈنے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ کے قطعہ تاریخ کا آخری شعر ہے ؎

قائدِ اعظم کا غم اس پر لیاقت کا فراق یعنی اس داغِ جگر پہ صدمۂ داغِ دگر

۱۳۷۱

میں تو تھک کر ہار گیا ہوں "صدمۂ داغِ دگر" سے بحسابِ جُمل مجھ سے تو ۱۳۷۱ کے اعداد نہیں نکل سکے۔ شعر میں کسی تعمیہ یا تخرجہ کی طرف اشارہ بھی نہیں۔

اسی طرح خواجہ دلِ محمد صاحب کے قطعات بھی اس پرچے میں ہیں، جو اُردو شاعری میں قابلِ قدر اضافہ کہے جاسکتے ہیں۔ لیکن معلوم نہیں اُنھیں کیا مذاق سُوجھا کہ اُنھوں نے بھی ایک مادہ تاریخ ڈھونڈ نکالا۔ میرا تو خیال ہے کہ عجلت میں وہ اس مادہ تاریخ پر نظرِ ثانی نہیں فرما سکے، ورنہ اگر وہ چاہتے تو یقیناً صحیح مادہ تاریخ نکال سکتے تھے۔ خصوصاً جب کہ وہ ریاضی کے ماہر اساتذہ میں سے ہیں، ایسے مادے نکالنا تو ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوسکتا ہے۔ ان کا قطعۂ تاریخ ملاحظہ فرمائیے۔

تھا جس کا ہر اک سخن نویدِ ملت
تھا جس کا رُخِ جمیل عیدِ ملت
اس قائدِ محبوب کی تاریخ اے دل
ہے قائدِ ملت و شہیدِ ملت
۱۳۷۱

خواجہ صاحب کے اس مادہ تاریخ سے بھی ۱۳۷۱ برآمد نہیں ہوتے۔ اب ان ہر دو مشہور شاعرانِ کرام کے تاریخی مادوں کو زمانہ کی بوالعجبی ہی کہا جائے گا۔

ایک اور صاحب کا تاریخی شعر اسی پرچہ میں ہے۔ وہ بھی سُن لیجیے۔

سرِ ہند اُڑا کر لکھوا اے قسم تم
لیاقت علی خاں ہیں مہمانِ جنّت

مصرعہ آخر سے ۱۹۵۶ کے اعداد نکلتے ہیں۔ ۱۹۵۱ بنانے کے لیے ان کو ہند کا سر اُڑانا پڑا ہے۔ اس قسم کی تاریخ کہنا تاریخ گوئی کی سب سے آسان روش ہے ہر شعر اور ہر مصرع سے آپ تاریخ نکال سکتے، کسی مصرع میں جتنے عدد ضرورت سے زیادہ آئیں، اُن کا مساوی الاعداد کوئی حرف، لفظ یا جملہ بنا کر نکال دیجیے۔ تاریخ حاضر ہے۔ ایسی آسانی میسّر ہو تو پھر قطعات میں واقعیت کا اظہار زیادہ موزوں اور اچھے پیرایہ میں ہونا چاہیے۔ لیاقت علی خان کو مہمانِ جنّت بنایا ہے۔ ظاہر ہے کہ مہمان تین دن تک ہوتا ہے۔ شاعر صاحب اگر ذرا کوشش کرتے تو خلودِ جنت

Marfat.com

بھی فائدہ ملت کے لئے میسر آسکتا تھا۔

اس سلسلے میں مجھے بھی ارتجالاً ایک نہایت اچھوتا مادۂ تاریخ ہاتھ آگیا ہے۔ شاعرانہ تعلی سہی لیکن تحدیثِ نعمت کے طور پر بھی یہ کہہ رہا ہوں کہ اس صنعت میں شاید ہی کوئی صاحب اس قسم کا مادہ تاریخ نکالنے کی محنت کریں گے کیونکہ اس طرح کے مادہ ہائے تاریخ میں کوئی کتاب تاریخ شاعری کی دستگیری نہیں کر سکتی

لیاقت علی خان وُہ بطلِ جلیل ۔۔۔ اسے ملک و ملت کا اقبال لکھ
ہُوا حسرتا وُہ قتیلِ ستم ۔۔۔ ہُوئی حسرتِ قوم پامال لکھ
ہُوئی سالِ رحلت کی جب جستجو ۔۔۔ ندا غیب سے آئی فی الحال لکھ
زبر بینات اب اگر ہوں بہم ۔۔۔ تو اس سانحہ پر بلا قال لکھ
شہادت کا دل لے کے منظور تو ۔۔۔ جنابِ لیاقت علی سال لکھ

۱۳۷۱

اس نہایت ہی مشکل نمونۂ تاریخ گوئی کے بعد اب نہایت ہی آسان مادۂ تاریخ کا نمونہ کیوں نہ پیش کر دوں، راقم الحروف کا یہ فی البدیہہ قطعہ ملاحظہ فرمائیے ؎

لیاقت علی خاں زعیمِ اُمم ۔۔۔ ہُوئے جب شہیدِ تفنگِ ستم
ہُوئی فکر، سالِ وفات آپ کا ۔۔۔ اوائل کی صنعت میں کیجے رقم
صدا آئی لکھ دیجے ترتیب سے ۔۔۔ سر آہ و زاری و جزع و الم

۱۳۷۰

۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۱ء
(نیازمند: کیپٹن منظور حسن ایم اے۔ گوجرانوالہ)

میرے اس مراسلہ پر مشہور نغز گو شاعر نظیر لدھیانوی صاحب کا ایک خط ۲۸ر اکتوبر کے "امروز" میں طبع ہُوا، وُہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:۔

"کیپٹن منظور حسن صاحب نے بعض قطعاتِ تاریخ پر تنقیدی نظر ڈالی ہے، جو خان لیاقت علی خان کی وفات پر لکھے گئے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ "صدمۂ داغِ دگر" سے ۱۳۷۱ عدد نہیں نکلتے (بلکہ ۱۳۶۸ عدد نکلتے ہیں) شاید کیپٹن صاحب نے حساب میں ہمزہ اور اضافت

کے اعداد نہیں لیے۔ حالانکہ ہمزہ کے ۲ عدد ہیں۔ اور اضافت کا ایک عدد ہے"

ع ۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ایسے ایسے فاضلانِ دہر بھی موجود ہیں جو ہمزہ کے ۲ عدد اور اضافت کا ایک عدد شمار کرتے ہیں۔ ہم تو الف ممدودہ اور تائے مدوّرہ کے اعداد میں اُلجھے ہوئے تھے۔ معلوم ہُوا کہ ملک میں ایسے بھی مایۂ نازِ اہلِ علم موجود ہیں جو متاخرین و متقدمین سے الگ اپنی راہِ غلط قائم کرکے ترکستان کی بجائے کعبہ جانا چاہتے ہیں۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۵۱ء کے "امروز" میں ایک اور بزرگ نظر زیدی صاحب ایڈیٹر ہدایت لاہور کا ایک خط شائع ہُوا۔ جو خواجہ دِل محمد مرحوم کی حمایت میں تھا کہ "فائدہ" کے عدد ۱۰۶ ہیں ۱۱۵ نہیں۔ اب ان صاحب کو کون سمجھاتا کہ آپ اصولِ تاریخ گوئی سے انحراف کر رہے ہیں۔ اسی طرح ابن الشمس جناب قمر میرٹھی نے بھی اپنے علم کے مطابق اس بحث میں حصّہ لیا۔ تاریخ گوئی کے فن سے پُوری واقفیت نہ ہونے سے اکثر اہلِ علم ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ لیکن بعد میں آنے والوں کے لیے ان کی اغلاط غلط روی کے لیے سند بن جاتی ہیں

ع ۔ سینہ تمام داغ داغ پنبہ کجا کجا نہم

تخرجہ اور تعمیہ کے سلسلے میں بحث ہو رہی تھی، درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر دُوسری بحث چھڑ گئی۔ تخرجہ اور تعمیہ میں بھی بعض شناورانِ معانی ایسے دُرِ آب دار نکال لائے ہیں کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چرخِ چہارم سے تاریخی مادے فراہم کئے گئے ہیں اس سلسلے میں حکیم مومن خاں مومن دہلوی کا نام متاخرین میں سرِ فہرست ہے۔ سرآمد شعرائے روزگار فنِ تاریخ گوئی میں جہاں برجستہ مادہ ہائے تاریخ نکالنے میں فردِ کامل تھے، وہاں تخرجیہ اور تعمیہ میں ایسے لطیف نکتے پیدا کرتے کہ برجستہ مادہ ہائے تاریخ بھی ماند پڑ جاتے تھے۔ تخرجیہ اور تعمیہ میں محض جمع اور تفریق کے اشارے کر دینے سے تاریخ گو کا کمال ظاہر نہیں ہوتا، لیکن اگر لطیف اشاروں سے

حسبِ موقع تاریخ کے استخراج کا مادہ مل جائے تو تخرجہ کا عیب بھی ایک بڑا ہنر اور کمال بن جاتا ہے۔ جنابِ مومن کے کئی قطعاتِ تاریخ اتنے پُرلطف اور دلکش ہیں کہ کئی برجستہ مادہ ہائے تاریخ سے ان کا درجہ بلند ہو گیا ہے

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ اللہ العزیز کا سالِ وفات ۱۲۳۹ھ ہے حکیم مومن خاں مومن مرحوم نے بہ صنعتِ تخرجہ ذیل کا قطعہ تاریخ انتقال لکھا۔

انتخابِ نسخۂ دیں مولوی عبدالعزیز — بے عدیل و بے نظیر و بے مثل
جانبِ ملکِ عدم تشریف فرما کیوں ہوئے — آگیا تھا کیا کہیں مُردوں کے ایماں میں خلل
مجلسِ دردآفرینِ تعزیت میں میں بھی تھا — جب پڑھی تاریخ مومن نے یہ آ کر برمحل
دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے — فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

۱۰۰ ۱۰ ۸۰۰ ۵۰ ۹ ۲۰۰ ۳۰ ۴۰
ق ی ض ن ط ر ل م = ۱۳۲۹ھ

بالکل اسی صنعت و طریق کو سامنے رکھ کر مولانا عزیز الدین عزیزؔ نے حضرت مولانا سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ارتجالاً یہ قطعہ تاریخ لکھا:۔

چونکہ مولانا سراج الدین ازیں دارِ فنا — رخت در فردوسِ اعلیٰ داد بارِ صد الم
بے سروپا از پے سالش شد از تیغِ اجل — فقر و دیں فضل و کرم علم و عمل عقل و قلم

تاریخ گوئی کی یہ صنعت تھوڑے سے فکر کی محتاج ہے ورنہ اس قسم کی تاریخیں تیار کرنا مشکل نہیں مومن نے اپنے والد حکیم غلام نبی خان کا سالِ وفات اور اپنی چھوٹی بہن کی تاریخِ رحلت بھی لطیف اشاروں سے نکالی ہے۔

پدرم شد اسیرِ دامِ اجل — روحش از بندِ آخشیجاں رست
طائرے بود آسماں پروانہ — رفت بر شاخسارِ قربِ نشست
بہ من الہام گشت سالِ وفات — کہ غلام نبی بہ حق پیوست

۱۱۳۳ ۱۰۸

یعنی غلام نبی حق سے جا ملے۔ ۱۱۳۳ + ۱۰۸ = ۱۲۴۱ھ

۱۲۶۸ھ میں مومن کی بہن داغ جدائی دے گئیں، ایک جامع قطعہ میں مرگِ خواہر کا ذکر کرتے ہوئے مقطع لکھا ؎

داغ جگر گداز نہادہ فراقِ تو بر فرقِ دختر و پسران و برادرت
۱۲۶۰

یعنی تیری جدائی نے تیری دختر، پسر اور برادر کے سر پہ داغ جگر گداز چھوڑ گئی ہے۔ یہاں حسب دستور لفظ سر سے دختر، پسر اور برادر کے حروفِ اوّل کی طرف اشارہ ہے۔ جن کے عدد بالترتیب ۴، ۲، ۲ ہوتے ہیں۔ اور ان کا مجموعہ ۸ بنتا ہے۔ ۱۲۶۰ میں ۸ کا اضافہ کرکے بڑی لطیف ترکیب سے ۱۲۶۸ نکالا ہے۔

اس کے علاوہ مومن نے ضرب، جمع، تفریق کے ذریعے بھی تاریخیں کہی ہیں۔ بیٹے کے مرنے پر تین مرتبہ ہیہات کہہ کر مطلوبہ سال برآمد کیا ہے۔

جگر گوشۂ ما بہ کنجِ لحد اماں از جہانِ پر آفات یافت
دو سال اندر آغوشِ مام و پدر ستم دیدہ و پاسِ مکافات یافت
چہ ماتم کہ پیرِ خرد سال فوت زہیہات ہیہات ہیہات یافت
۴۲۱ ۴۲۱ ۴۲۱ ۱۲۶۳ھ

اپنے دوست تفضل حسین کے باغ کی تاریخ بڑے اینچ پینچ سے نکالی ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ بہت خوب نکالی ہے۔ "باغِ تفضل حسین" سے "خار و خس" کو صاف کرکے (خارج کرکے) بادِ بہار و ہوائے گل کو داخل کیا ہے (جمع کیا ہے) ؎

تاریخ رنگ ریزیٔ ایں تازہ بوستاں مومن کو ہست بلبلِ گلزارِ نظم، گفت
تا در رسید بادِ بہار و ہوائے گل خود خار و خس ز باغِ تفضل حسین رفت
۲۹۳ ۱۴۶۷ ۲۴۴۱

اوّل "باغِ تفضل حسین" میں سے "خار و خس" کو خارج کرکے ۹۷۴ حاصل کیا، پھر ۹۷۴ میں بادِ بہار و ہوائے گل کے اعداد ۲۹۳ جمع کیے، جس سے ۱۲۶۷ھ حاصل ہوتا ہے

Marfat.com

مومن کی تاریخ گوئی کے اس کمال کا ذکر کرتے ہوئے امروز لاہور مورخہ ۴ مارچ ۱۹۶۲ء میں ناظر حسین صاحب زیدی کا ایک مقالہ دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ تخرجہ اور تعمیہ کے ماتحت کرامت علی خاں دلی جو مومن کے یارِ غار تھے، ان کی وفات پر قطعۂ تاریخ لکھنے کی "کوشش ناکام" کا ذکر جناب زیدی نے یوں کیا ہے :-

کرامت علی خان دلی کے مشہور شاطر اور حکیم مومن خاں کے رشتہ دار تھے، شطرنج میں وہ حکیم صاحب کے مقابلے کے کھلاڑی تھے جب ان کی بساطِ زندگی تہ ہوئی تو مومن نے دلی ملال کے ساتھ ان کا قطعۂ وفات کہا، مگر عجیب اتفاق ہوا کہ تاریخ نہ نکال سکے، یہی وجہ ہے کہ تاریخ گوئی کو مچھلی کے شکار سے تشبیہ دیتے ہیں کہ مل جائے تو بے زحمت مل جائے، نہ ملے، تو دن بھر بیٹھے مکھیاں مارتے رہو اور خالی ہاتھ آؤ۔ مومن نے اس قطعہ میں شطرنج کے تلازمے جمع کئے ہیں، لہٰذا اُسے یہاں سے نقل کرنا لطف سے خالی نہیں ؎

منصوبۂ مرگ بیں کہ بے مات ‏ ‏ نگذاشتہ ہیچ آدمی را

زیں خانہ بخانۂ عدم برد ‏ ‏ یک کشت کرامت علی را

افسوس کہ طرفہ شہ می خورد ‏ ‏ نادیدہ برائے مدعی را

چوں فکر و خیالِ سالِ تاریخ ‏ ‏ زرچ کرد رقومِ ہندسی را

گفتم کہ کرامتِ علی خاں ‏ ‏ تہ کرد بساطِ زندگی را

اس مقالہ مذکورہ میں جناب زیدی نے جس کاوش اور تحقیقات کے بعد تاریخی مادے فراہم کئے ہیں وہ قابلِ داد ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آخر میں آکر مومن کے ایسے لطیف اور بے مثال قطعے کی داد نہ دے سکے، قطعہ مذکورہ بالا میں جناب زیدی نے ارشاد فرمایا ہے کہ مومن تاریخ نہ نکال سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی یہی ناکام کوشش دراصل نہایت ہی کامیاب سعی اور قابل صد تحسین کمالِ تاریخ گوئی ہے۔

زیدی صاحب نے نہایت محنت سے مقالہ لکھا، لیکن آخر میں آکر حضرت مومن کے قطعہ

کی بے قدری کر کے اپنی ساری محنت پہ پانی پھیر دیا۔ کرامت علی خان کا سال انتقال ۱۲۵۹ھ ہے۔ مومن نے نہایت لطیف اشاروں سے یارِ شاطر کے شطرنج کے تمام لوازمات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں اُن کی زندگی کی بساط تہہ ہو جانے کا ذکر فرما دیا۔ کرامت علی خان کے اعداد سے اگر بساطِ زندگی کے اعداد خارج کر دیے جائیں تو سالِ وفات ۱۲۵۹ برآمد ہوتا ہے۔ لیکن معلوم نہیں جناب زیدی سے "امروز" میں شائع شدہ مقالے میں کسطرح یہ سہو ہو گیا کہ انھوں نے لکھ دیا کہ مومن تاریخ نہ نکال سکے"! حالانکہ اس سے بہتر تاریخ اور کوئی ہو نہیں سکتی تھی۔

مرزا غالب جو ہمیشہ طبعی انکسار کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ تاریخ گوئی سے اُن کا کوئی تعلق نہیں، تاریخی مادے کوئی دوست فراہم کر دیتا ہے اور وہ قطعہ لکھ دیتے ہیں، ان کا بھی ایک قطعہ نواب رام پور کی جو آخر عمر میں ان کے خاص ممدوح تھے، مدح میں ہے، ملاحظہ فرمائیے یہ قطعہ نمائش رام پور کے موقعہ پہ لکھا گیا۔ اپنے عریضہ میں نواب صاحب مغفور کو خطاب کر کے لکھتے ہیں ؎

نمائش گہے در خورِ شانِ خویش | بیار است نوابِ عالی جناب
ببیں چوں طرب را نہایت نماند | بود سالِ آں بخششِ بے حساب
خدایا پسند و خدا وند گار | کہ از طبعِ غالب ردد پیچ و تاب

"بخششِ بے حساب" کے بارہ سو پچاسی عدد ہوتے ہیں۔ طرب کی نہایت بلے موحدہ ہے، جب وہ نہ رہی، تو دو عدد کم ہو گئے، اور بارہ سو تراسی رہ گئے۔ فہو المقصود۔ اگر حضرت کی مرضی ہو تو "دبدبۂ سکندری" (رام پور کا اخبار) میں یہ تاریخ چھاپی جائے۔

؎ تم سلامت رہو ہزار برس | ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

داد کا طالب، غالب [1] ۱۴ ماہ اپریل ۱۸۶۷ء

---

[1] مکاتیب غالب صفحہ ۷، مرتبہ امتیاز علی خان عرشی ناظم کتب خانہ رام مطبوعہ ناظم بر قی پریس

Marfat.com

غالب کا ایک اور قطعہ جو اسی کتاب "مکاتیبِ غالب" کے صفحہ ۱۳ پہ ہے، وہ بھی خود اُن کی زبان سے سُن لیجیے :-

"حضرتِ ولیِ نعمت آیۂ رحمت سلامت!

ایک قطعہ تاریخ بھیجتا ہوں، اگرچہ ایک کا تعمیہ کتنا خوب ہے اور بے تکلف ہے عرضداشت اسداللہ معروضہ ۱۳ رمضان و ۱۷ اپریل سالِ حال (۱۸۵۹ء)

جنابِ عالیہ از بخششِ حق　　بہ فردوسِ بریں چوں کرد آرام
سخن پرداز غالب سالِ رحلت　　"خلودِ خلد" گفت از روئے الہام
۱۲۷۴

سالِ وفات ۱۲۷۵ تھا۔ الہام کا الف جمع کر کے تاریخی مادہ تیار ہو گیا۔ مومن کے کمالِ فن اور غالب کی کاوش کا اسی قطعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے۔

غالب کے کلیاتِ فارسی نول کشوری ایڈیشن میں نواب یوسف علی خان والیِ رام پور کی مدح میں سات شعروں کا ایک قطعہ ہے اور سالِ جشن ۱۲۷۷ھ کا مادۂ تاریخ تیار کیا گیا ہے ؎

سالِ ایں دولت فزا شادی با معانِ نظر　　مشتری با زہرہ در طالع فراہم یافتم

زہرہ، مشتری اور طالع سے سالِ جشن کے اعداد ۱۲۷۷ نکلتے ہیں [1]

اب آئندہ صفحات میں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے حضرت مولانا عزیز الدین عزیزؔ کے حالاتِ زندگی اختصار سے درج کیے جا رہے ہیں۔ کہ ان کی ذات والا صفات فن تاریخ گوئی میں حکم اور منصف کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کے حوالجات کو جب بطور حکم پیش کیا گیا ہے تو ان کے حالاتِ زندگی کا بیان ان صفحات میں غیر متعلق نہ ہو گا:

حیاتِ عزیز

اے گل چو آمدی ز زمیں گو چگونہ اند　　آں رُوئے ہا کہ در تہِ گرد فنا شدند
ہز ہائی نس نواب صادق محمد خان عباسی چہارم والیِ ریاست بہاولپور

---

[1] حواشی مکاتیب غالب صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ ناظم برقی پریس رام پور

Marfat.com

کے محل دولت خانہ کے بڑے دروازے سے ایک مولوی صورت بزرگ میانہ روی سے باہر آرہے ہیں۔ ایک ریاستی خدمت گار کمر میں سُرخ پٹکا باندھے ننگے پاؤں دروازے تک ساتھ آیا ہے۔ دروازے کے سنتری نے جھک کر سلام کیا، سفید انگرکھے والا ایک اور چوبدار بھاگا ہُوا پیچھے سے آملا۔ اُس نے بھی مؤدبانہ سلام کیا۔ مولوی صاحب نے اُس سے مصافحہ کیا اور آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے پچکے ہُوئے گالوں والا ایک آدمی اپنی کھودی داڑھی سمیت تیز تیز قدم اُٹھائے، قلمدان اور کاغذوں کا بستہ بغل میں دابے آرہا ہے۔ مولوی صاحب نے سفید دستار نہایت ٹھاٹھ سے پنجابی انداز میں باندھی ہُوئی ہے۔ پگڑی میں کلاہ نظر نہیں آرہا روپہلی تکیے والا سفید چوغہ، سفید غرارا اور پاؤں میں پشاوری طرز کا بیشے کا بنا ہُوا پنجابی جُوتا ہے۔ میانہ قد، چھریرا بدن چوڑا سینہ، گول چہرہ، گندمی رنگ، مقطع داڑھی، جس میں مہندی سے رنگے ہوئے بال برابر کے شریک ہیں، مولوی صاحب کی عمر کی غمازی کر رہے ہیں۔ مولوی صاحب اپنے خیالوں میں مگن میانہ روی سے آگے بڑھے جا رہے ہیں، یہ نواب صاحب کے خاص پیشکار ہوں گے؟ جی نہیں! مشیر تصریفات؟ نہیں! وہ تو روزانہ سرکاری بگھی پہ آتے جاتے ہیں، تو پھر توشہ خانے کے معتمد ہوں گے؟ نہیں، وہ تو ایک ریاستی افسر ہیں، تو پھر یہ یقیناً بیگم صاحبہ کے پیر ہوں گے! نہیں نواب صاحب تو حضرت شاہ غلام فرید چاچڑاں شریف والوں کے سوا کسی کی پیری کے قائل نہیں، یہ ہیں مولانا عزیزالدین عزیز جو دولت خا کی شاہی مسجد کے خطیب اور امام ہیں، بیگم خیرالنساء والئ ریاست کی بھتیجی ملکہ نے خاص طور پر یاد فرمایا تھا۔ طبیعت کسل مند تھی، مولانا سے دم کرایا اور سر درد کا تعویذ حاصل کر کے عزت و اکرام سے رخصت کیا تھا، نواب صبح صادق نے ایک قطعہ کے لئے ارشاد فرمایا تھا، مولانا "یا شفیع المذنبین" کا قطعہ لکھ کر ساتھ لے گئے تھے۔ وہ نذر گزرانا۔ نواب صاحب بےحد خوش ہوئے۔ اور مولانا اپنی جگہ پھولے نہیں سماتے کہ خوش نویسی کے صحیح ناقد سے اپنے فن کی داد پائی۔ حسنِ خط کا ناقد نواب صاحب سے بڑھ کر اور کون ہوگا۔ اہلمد سے لے کر اعلیٰ پیشکار

Marfat.com

هوالغفور

صلى الله عليك وسلم

يا شفيع المذنبين

Marfat.com

نیستانِ عشق

Marfat.com

تک سب ہی خوشنویس ہیں۔

مولوی صاحب اپنے خادم کی معیت میں اپنی مسجد کے حجرے میں آ چکے ہیں، یہ عالیشان مسجد مولانا کے ایماء پر نواب صاحب نے دولت خانہ کے قریب ہی تعمیر کرائی ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی سامنے پیشانی پر دائیں جانب چوب قلم سے مولانا کے ہاتھ کا خوش خط لکھا ہوا یہ شعر دامنِ دل کھینچ لیتا ہے ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود اوّلیں پرسشِ نماز بود

بائیں جانب یہ شعر مسجد کی زینت بن رہا ہے ؎

چراغ و مسجد و محراب و منبر ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر

واپسی پر مسجد کے بڑے دروازے کے اندر کی جانب اوپر کے دونوں شعروں کی طرح زرد زمین پر لاجوردی چوب قلم سے یہ شعر باصرہ فروز ہے۔

محمد عربی کآبروئے ہر دو سراست کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

تینوں کتبے خطاطی کے نادرۂ روزگار نمونے ہیں، یہی جی چاہتا ہے کہ انھیں دیکھتے رہیے آنکھیں سیر نہیں ہوتیں، نہ طبیعت بھرتی ہے ان کے خاکے تیار کر کے پنجاب کی دوسری مسجدوں کے لیے معمار لے جاتے ہیں۔

مسجد کے حجرے میں مولوی فیروز الدین ابن مولوی غلام علی ساکن کوٹ لدھا تحصیل گوجرانوالہ چینی کے ایک بڑے پیالے میں سونے کے ورق حل کر رہے ہیں تاکہ زیرِ تکمیل دیوان حافظ کے قلمی نسخہ کو مطلا اور مذہب کیا جائے۔ مولوی فیروزالدین نقاشی اور مو قلم کے کام میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ قریب ہی خوشخطی سیکھنے والے شاگردوں کی ایک جماعت ہے۔ کسی کے ہاتھ میں تختی ہے۔ کوئی زیرِ مشق کے سہارے کاغذوں پر جلی قلم سے شعر لکھ رہا ہے، اور اس انتظار میں ہے کہ مولانا عزیز آئیں اور اصلاح دیں — یہ آج سے قریباً اسّی سال پہلے کی بات ہے۔

شاعری، خطاطی، اور علم و فضل کے اس مجمع البحرین کا تذکرہ ادبی مقالے کی صورت میں

Marfat.com

نہ صرف اس لیے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے کہ ایک ادیب کامل صاحب قلم اور امام تاریخ گوئی کے حالات اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں، بلکہ اس لیے بھی کہ صفحات سابق میں فن تاریخ گوئی پر محققانہ بحث کے تحت راقم الحروف نے یہ بیان کیا تھا کہ جب تک کسی یکتائے روزگار صاحب فن کو حکم اور منصف تسلیم نہ کیا جائے، کوئی بات قول فیصل کی حیثیت نہیں رکھتی۔

اُردو کے تذکروں میں پہلی مرتبہ زبانِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر ایک ایسے باکمال شخص کا ذکر ہو رہا ہے، جو ناقدریٔ عالم کا شکار ہو گیا، اور دُنیائے ادب اس کے نام تک سے آشنا نہیں۔ تاریخ گوئی موضوعِ بحث نہ ہوتی تو شاید اس امامِ فن کا ذکر اور بھی زیادہ دبیز پردوں کے پیچھے چلا جاتا، اور اُردو ادب اس کے معجزانہ کلام کی خصوصیات سے کبھی بہرہ ور نہ ہوتا۔

اسے بھی اتفاق حسنہ کہنا چاہیے کہ ضلع گوجرانوالہ کے ایک مجلہ ادبیہ[1] میں بطور حکم تاریخ گوئی اُس فردِ فرید کا ذکر ہو رہا ہے جو گوجرانوالہ ہی کے خطۂ مردم خیز سے اٹھا اور لالۂ صحرا کی طرح کھِل کر بہادلِ نور کی مٹی میں مل گیا۔

انگریزی شاعر طامس گرے[2] نے اپنی ایک دل آویز نظم میں ایسے ہی باکمال لوگوں کی ناقدریٔ عالم کی نذر ہو گئے، لکھا ہے کہ بہت سے خوشبودار حسین پھول جنگل میں کھلتے ہیں، لیکن اُن کی مہک سے زمانہ ناآشنا رہتا ہے، بہت سے ایسے لعل و گوہر بطنِ زمین نے اُگلے جن پر جوہریوں کی نظر نہ پڑ سکی اور وہ گردِ فنا میں مل گئے۔

صاحب تذکرہ وہ بادشاہِ معانی تھا جس کی نظیر آج تک ہندوستان پیش نہ کر سکا، اگر مولانا عزیزؔ کو شاہانِ مغلیہ کا زمانہ نصیب ہوتا تو یقیناً آج تاریخ ادبیاتِ ہند میں ان کا نام زریں میں درخشاں نظر آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا غلام رسولؒ[3] (قلعہ میہان سنگھ والے) حضرت سراج السالکین مولانا سراج الدینؒ[4] اور مولانا ظفر علی خان مرحوم کو پروان چڑھانے والی ہستی

---

[1] رسالہ نور التعلیم

[2] THOMAS GRAY ولادت ۱۷۱۶ء

[3] المتوفی ۱۲۹۱ھ تذکرہ علمائے ہند صفحہ ۱۵۴ و گنج سروری

[4] مصنف رسالہ سراج الہدایہ مطبوعہ فیض عام دہلی، المتوفی ۱۳۱۰ھ و تاریخ سروری

Marfat.com

گوجرانوالہ نے ایک ایسا لعلِ گراں مایہ بھی اگلا جس کی تابانی کا محفلِ خطاطی میں اور جس کی غلطانی کا بزمِ تاریخ گوئی میں زمانہ صدیوں تک نظیر پیش نہیں کر سکے گا۔

سال ہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود　　بوسعید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

مولانا عزیز الدین دسمبر ۱۸۷۳ء میں گوجرانوالہ کے مشہور قصبہ قلعہ دیدار سنگھ میں ایک متوسط طبقے کے علم دوست جنجوعہ خاندان میں مولوی محمد حسن کے گھر پیدا ہوئے۔ اپنے والد ماجد سے ابتدائی درسی کتب پڑھنے کے بعد مولانا غلام رسول کے درس میں شامل ہو گئے۔ مولانا غلام رسول علمائے ہندوستان میں ایک خاص درجہ رکھتے تھے۔ یہاں سے فراغت کے بعد دہلی اور لکھنؤ کا رخ کیا، تاریخ گوئی کا ملکہ فطری تھا، اس کے باعث لکھنؤ میں ذکرِ علم جفر میں بھی کمال حاصل کر لیا، خوش نویسی اپنے خاندان سے ورثہ میں پائی تھی، مشہور ہے کہ اُن کے دادا مولانا ہدایت اللہ نے حضرت خضر سے اصلاح پائی تھی، فارغ التحصیل ہو کر لاہور آئے تو وہاں ان دنوں خطاطی میں امام ویردی کوس لمن الملکی بجا رہے تھے۔ مولوی سید احمد امین آبادی اور مولانا عزیز الدین خوش نویسی میں ہم مکتب و ہم عصر تھے۔ وہاں مولوی سید احمد کے پاس چند ماہ قیام کے دوران امام ویردی سے خطاطی کے مقابلے شروع ہو گئے۔ امام ویردی کو چونکہ نواب صاحب کے شیعہ امراء کی سرپرستی حاصل ہو گئی لیکن مولانا عزیز کو سنّی امراء کی علم دوستی کی طرف سے مایوسی ہو گئی۔ نواب صادق محمد خاں عباسی (نواب چہارم) والی ریاست بہاولپور کی ادب نوازی علم دوستی اور دین پروری کا شہرہ سن کر اس دربار کا رخ کیا اور وہیں کے ہو رہے۔ نواب مرحوم کا دربار بھی اُن دنوں حیدر آباد اور رام پور کے درباروں کی طرح اہلِ علم و کمال کا مرجع بن رہا تھا، مولانا کو وہاں اپنی خوش نویسی کے باعث عدالت کے اہل کاروں میں جلد ہی جگہ مل گئی۔ لیکن جوں جوں مولانا کے جوہر کھلتے گئے اُن کی شعر و شاعری، علم جفر، فن تاریخ گوئی اور علمی تبحر کے چرچے عوام میں مشہور ہوتے گئے۔ اور پھر جلد ہی نواب صاحب خلد آشیاں کے معتمد علیہ مصاحبوں میں ہو گئے۔ دربار کے خوش نویس اور ریاست کے مفتی

مقرر ہوگئے۔ نواب صاحب مرحوم اپنے مذاقِ علمی کے مطابق ہی قدر کر سکتے تھے، نواب تھے لیکن خانخاناں نہیں تھے، رئیسِ ریاست تھے لیکن ظفر خان نہیں تھے، پھر نواب صاحب کی جواں مرگی نے تو ساری بساط ہی الٹ کر رکھ دی۔

کہا جاتا ہے کہ غالب کو حالی، ذوق کو آزاد، اقبال کو ظفر علی اور حفیظ کو شیخ سر عبد القا اگر میسر نہ آتے تو شاید ادبی دنیا میں ان کی حیثیت اتنی ممتاز نہ ہوتی۔ مولانا کو ریاست کی عجیب اور حسد پرور فضا سے کوئی ظفر علی خاں اور عبدالقادر میسر نہ آیا۔ اگرچہ وہ خود کئی قصید شاعروں کے لئے دربار میں ظفر علی خاں بنے۔ لیکن بایں ہمہ مولانا حالی مرحوم کو یہ گلہ رہا قصر نور محل کی تعمیر پر ان کے ایک مادۂ تاریخ کو نواب صاحب نے اس لئے پسند نہ فرمایا کہ مو عزیز نے سفارش نہ کی، حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ نواب صاحب نے ایک عالی شان محل "نور محل" کے نام سے تعمیر کرایا۔ مولانا حالی نے یہ سنا کہ کوئی شیش محل تعمیر ہوا ہے انھوں نے شیش محل کے مطابق تاریخ کہی جسے موزوں نہ سمجھا گیا۔ کہ اس میں لفظ قارورہ بمعنی شیشہ آتا تھا۔

نواب صبح صادق مرحوم کی زندگی کا ایک واقعۂ محبت مشہور ہے[1] جو مولانا عزیز الدین کی زندگی و اقبال سے خاص تعلق رکھتا ہے اس لئے اس کا مجمل سا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

ریاست کی ایک نہایت ہی حسین اور پاک دامن نوجوان لڑکی جو بعد میں مائی گاماں خیر الن کے نام سے مشہور ہوئی اور نواب صاحب کی ملکہ بن کر مزاج میں اس قدر دخیل ہوئی کہ حقیقی معنوں میں اس کی پیشانی ناز کی گرہ اوراقِ سیاست پر شکن بن کر پڑتی تھی، یہ بیگم شاہی ح میں آنے سے قبل ایک زمیندار گھرانے کی لڑکی تھی جو عین عنفوانِ شباب میں کسی مقدمے ماخوذ ہو کر بہاولپور کے قید خانہ میں لائی گئی۔ سپرنٹنڈنٹ جیل شیخ حسین بخش صاحب مرحوم ہوشیارپوری اپنی علم دوستی کے باعث مولانا عزیز سے قلبی تعلق رکھتے تھے، شیخ محمد عظ داروغہ جیل اور جیل کے ڈاکٹر میدورام بھی علم دوست بزرگ تھے۔ حضرت مولانا عزیز شیخ حسین بخش صاحب نے نئی قیدی لڑکی کا ذکر کیا کہ وہ کال کوٹھڑی میں بھی نماز کی پابند

---

[1] خواجہ حسن نظامی اس کے راوی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

Marfat.com

ور تلاوتِ قرآن اُس کا شغل ہے، مولانا جب ڈاکٹر میڈورام سے ملنے گئے تو جیل میں اُس
لڑکی کو دیکھا۔ مولویانہ صورت دیکھ کر وہ لڑکی مولانا سے کہنے لگی، مولوی صاحب کوئی تعویذ دو
یا وظیفہ بتاؤ جس سے میری رہائی ہو جائے۔ یہ قید کب ختم ہوگی، میری تو اپنے عم زاد سے منگنی
ہو چکی ہے اور شادی کے دن قریب تھے، وہ بیچارہ تو رو رو کر مر جائے گا۔ مولانا عزیز نے
ایک تعویذ تیار کر کے بھجوایا، اور ایک وظیفہ بھی لکھ دیا کہ ہر نماز کے بعد بلاناغہ اسے پڑھا جائے
ہر روز پڑھا جائے اور پڑھنے کے بعد ۵۰ مرتبہ یا مجیب اُجیب دعوتی واغفر خطی برحمتک
یا ارحم الراحمین، بالالتزام ہر نماز کے بعد پڑھو۔ مولانا نے کہا کہ ۴۰ دن بلاناغہ پڑھو
خدا کی شان کہ ابھی وظیفہ شروع کئے ۱۱ دن ہوئے تھے کہ ہز ہائی نس صبح صادق جیل
کے معائنے کے لئے آ گئے۔ گاماں ایک خاص محویت کے عالم میں وظیفہ میں مشغول تھی،
سامنے رحل پر قرآن مجید دھرا تھا، نواب صاحب سامنے سے گزرے تو وہ دوسرے
قیدیوں کی طرح کھڑی نہیں ہوئی، بلکہ ایک غلط انداز نظر سے نواب صاحب کو دیکھ کر
قرآن پڑھنے میں مشغول ہو گئی، نواب صاحب راؤنڈ لگا کر پھر ادھر سے گزرے تو گاماں
نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا، نواب صاحب شیخ محمد عظیم سے کہنے لگے۔ عجیب مغرور لڑکی
ہے سب قیدی تعظیم کے لئے اُٹھے ہیں، یہ بیٹھی رہی ہے۔ شیخ صاحب نے گاماں کو اشارہ
کیا کہ تعظیم کے لئے اُٹھے۔ لیکن گاماں نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ میرے سامنے
دو جہاں کے بادشاہ کی کتاب کھلی پڑی ہے، کیا میں اسے چھوڑ کر بادشاہ کی تعظیم کروں
اس فقرے نے وہی کام کیا جو جہانگیر کے ساتھ نور جہاں کے دوسرے کبوتر کے چھوڑ دینے
نے کیا تھا۔ نواب صاحب اب روز جیل کے معائنہ کے لئے آ دھمکتے، اور گاماں بھی اس سے
غافل نہ تھی، آخر جیل میں ہی اسے پیغام پہنچایا گیا کہ نواب صاحب تمہیں ریاست کی ملکہ بنانا
چاہتے ہیں، اس حیا پرور لڑکی نے اس پیش کش کو قبول نہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اول تو ایک
"مد قیا ملن"، کا نواب کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں، دوسرا یہ کہ میں پہلے ہی اپنے چچا کے لڑکے

Marfat.com

سے منسوب ہوں، نواب صاحب نے اس لڑکے کو کچھ معاوضہ انعام وغیرہ دے کر راضی کرلیا۔ اور ابھی چالیس دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ گاماں ایک ریاست کی ملکہ بن گئی۔ اب خود ہی اندازہ کیجیے کہ جس ریاست کی مائی گاماں ملکہ ہو اُس میں مولانا موصوف کے لیے کیا کچھ مراعات نہ ہوں گی۔

مائی گاماں نے مولانا کو حج بیت اللہ کے لیے روانہ کیا، اور نواب صاحب کی سالگرہ عیدین اور آغازِ رمضان پر علیحدہ علیحدہ انعامات مقرر کرا دیے۔ نواب صاحب کے توشہ خانہ میں حضرت مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان حافظ کا ایک مذہب اور مطلا نسخہ ہے جسے نواب صاحب جان سے بھی عزیز سمجھتے تھے، مولانا کی وساطت سے گوجرانوالہ کے اسوۃ الکاتبین حضرت مولانا سراج الدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ کلام اللہ بھی پہنچایا گیا، اس نسخہ مبارکہ پر ایک ہزار روپیہ کے طلائی اوراق حل کرا کر نواب صاحب نے نقاشی اور زرنگاری کا کام کرایا اور دیوان حافظ اور اس قرآن کریم کو عجائبات خطاطی میں شمار کیا جاتا تھا۔ ۱۹۱۰ء کی پہلی نمائش لاہور میں یہ دونوں نسخے ریاست نے بھجوائے تھے اور اس زمانہ میں ایک امریکی سیاح نے ۲۵ ہزار روپے ہدیہ پیش کیا تھا جو ریاست نے قبول نہ کیا، حال ہی میں بہاولپور آرٹ کونسل نے جو نمائش خطاطی وہاں منعقد کی ہے، ان نادر نسخوں کا وہاں ذکر نہیں آیا۔ میں نے ناظم نمائش جناب مختار مسعود سی۔ ایس۔ پی ڈپٹی کمشنر کو ایک خط کے ذریعے ان نسخوں کی طرف توجہ دلائی، مگر ان کا جو مکرمت نامہ جواب میں آیا، اس میں انھوں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے وہ نظر سے نہ گزرے ہوں۔

مولانا عزیز کو فنِ تاریخ گوئی میں جو کمال حاصل تھا اس کا کچھ اندازہ اُن قصائد سے ہو سکتا ہے، جو وقتاً فوقتاً انھوں نے نواب صبح صادق مرحوم عرش آشیاں کی سالگرہوں اور عیدین کے موقع پر نذر گزرانے۔ دو سو اشعار کی ایک مثنوی موسوم بہ "مثنوی صادق" ۱۳۱۳ھ میں پیش کی جس کے ہر مصرعہ سے بحساب جمل سن ۱۳۱۳ھ نکلتا ہے۔ مثنوی میں حمد

بھی ہے ، نعت بھی مناقب صحابہ بھی اور مدح نواب بھی ۔ روانی کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کا ایک دریا ہے جو اُمڈا چلا آرہا ہے ساری مثنوی پڑھ جائیے ایک شعر بھی ایسا نہ ملے گا جس سے تاریخ گوئی کا تکلف ظاہر ہو ۔ اب یہ کوئی اکبری دربار تو نہیں تھا کہ شاعر کو سونے میں تول دیا جاتا ۔ نواب صاحب اور مائی گاماں نے اپنی بساط کے مطابق قدر کی ، لیکن افسوس کہ مائی گاماں کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ خاتونِ پاک باز عین عالم شباب میں ہی ۱۳۱۶ھ میں جنت کا پھول بن گئی ۔ اور اس کے بعد زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ نواب صبح صادق بھی اپنی ملکہ کے غم میں اسی سال عازمِ عالم بالا ہو گئے ۔ پھر نیا راجا اور نئی پرجا ۔ نواب بہاول خان عباسی سریر آرائے سلطنت ہوئے ، لیکن اصل کمال کی قدر صبحِ صادق کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی ۔ انگریزوں کی حکمتِ عملی کی کہاں تک داد دی جائے کہ اس اسلام پرور ریاست کو خدا کی طرف سے تو ایسے متدین نواب میسر آتے رہے مگر اُن کی زندگیاں عین عالم شباب میں ہی ختم ہو جاتی رہیں اور کونسل آف ریجنسی ہی زیادہ عرصہ حکومت کرتی رہی ۔ بعد میں یہی پتہ چلتا رہا ، کہ نواب صاحب کو زہر دے دیا گیا ، مائی گاماں کے اکلوتے بچے کی وفات جس کی نسبت شبہ تھا کہ اسے صبح صادق ولی عہد نامزد کریں گے پھر مائی گاماں کی اچانک رحلت ، نواب صبح صادق کا یک لخت انتقال پُر ملال اور ان کے بعد نواب محمد بہاول خان عباسی کی جواں مرگی یہ سب انگریزی حکومت کی معجزانہ دُعاؤں کا اثر تھا ، موجودہ امیر بہاولپور نواب صادق محمد خان خامس کی سریر آرائی نے کئی سال کی کونسل آف ریجنسی کا خاتمہ کیا ، مولوی سر رحیم بخش جو نواب بہاول خان مرحوم کے کبھی اتالیق ہوا کرتے تھے ، وہ کئی سال تک کونسل آف ریجنسی کے صدر رہے ۔

مولانا عزیز کے عربی متبحر عالم ہونے کے ساتھ فارسی کے بحرالعلوم تھے ، صاحبِ دیوان تھے ، فارسی قصائد کے علاوہ اُن کی فارسی غزلیں ، نعتیہ کلام ، ترکیب بند اور ترجیع بند بھی لاجواب اور بے مثل ہیں ۔ مولانا غلام قادر گرامی جالندھری مرحوم مولانا کے ہمعصر تھے

Marfat.com

بلکہ مولانا کے بعد کافی دیر تک زندہ رہے۔ ان کی اور مولانا کی غزلیں ریاست کے اخبار "صادق الاخبار" میں ساتھ ساتھ شائع ہوا کرتی تھیں، مولانا عزیز اگر آحی کے کمال کے دل سے معترف تھے، کچھ عرصہ مولانا عزیز الدین سرکاری طور پر صادق الاخبار کے ایڈیٹر اور مطبع کے قائمقام سپرنٹنڈنٹ بھی رہے۔ اصل ناظم مطبع اور ایڈیٹر مولوی عبدالقدوس صاحب مرحوم تھے۔ نواب صاحب کی طرف سے یاقوت رقم کا خطاب خطاطی وخوشنویسی کی بنا پر دیا گیا تھا، مولانا کی وساطت سے حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری اور مولانا عبدالمالک صاحب رسائحن کلوڑیاں (ضلع گجرات) مشیر مال، ریاست بہاولپور میں آئے۔ مولانا خلیل احمد تو بہاولپور کے مدرسہ عربیہ کی صدر مدرسی پر تشریف لائے تھے۔ اور ۱۲ سال تک وہیں مقیم رہے، مولانا سے نہ صرف حضرت عزیز کو محبت تھی بلکہ اعتقاداً بھی انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور علمائے دیوبند کے مسلک کے ساری عمر حامی رہے، اس کے ساتھ ہی قدوۃ السالکین حضرت غلام فرید صاحب دربار چاچڑاں شریف سے والہانہ محبت تھی، چنانچہ ان کی وفات پر ایک نہایت ہی دل سوز قطعہ تاریخ وفات لکھا اور "بلبل (۶۲) از باغ فقر پرید (۱۳۸۳)" سے تاریخ نکالی۔ یہ (۱۳۸۳ - ۶۲ =) ۱۳۱۹ھ
قطعہ رسالہ لیل ونہار[۵۱] میں پچھلے دنوں طبع ہو چکا ہے۔

ریاست میں عاشورہ کی بدعات کا زور تھا، اور محرم کے موقعہ پر کافی غیر مشروع رسمیں عام حنفی المذہب مسلمان ادا کرتے تھے۔ اس لئے ردِ بدعات میں حضرت مجدد وقت مولانا خلیل احمد صاحب سے ایک کتاب لکھوائی، یہ گراں مایہ تصنیف رئیس شہر سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کی مالی امداد سے "ہدایات الرشید الی افحام العنید" کے نام سے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی اس کتاب پر تقریظ مولانا عزیز نے فارسی میں لکھی جو تین صفحات پر مشتمل ہے۔ تقریظ کے ہر فقرے سے ۱۳۰۶ھ نکلتا ہے۔ اور یہ تقریظ بذاتِ خود نثر مقفیٰ کا ایک علمی شاہکار ہے۔ اور کتاب مذکور کے آغاز میں بطور دیباچہ شائع ہوئی۔ مولانا خلیل احمد کی دوسری کتاب "مطرقۃ الکرامہ علیٰ مرآۃ الامامہ"

۵۱۔ رسالہ لیل ونہار۔ لاہور ۲۶ فروری ۱۹۶۱ء

Marfat.com

بھی ان کے زمانہ قیام بہاول پور میں لکھی گئی۔

وفات۔ ۳ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو جمعہ کے دن صبح آٹھ بجے اوراد و وظائف سے فارغ ہوکر گھر آئے تو ذات الجنب کا حملہ ہوا اور تیسرے دن پورے ۲ بجے بوقت ظہر یوم یک شنبہ ۵ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو بہاول پور ہی میں عازم خلد بریں ہو گئے۔ اور وہیں مدفون ہوئے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

ؔ تو نظیری ز فلک آمدہ بودی چو مسیح ۔۔۔ باز لیں رفتی وکس قدر تو شناخت دریغ

تصانیف۔ (۱) حضرت مولانا عزیزؔ نے نواب صبح صادق کے ارشاد پر بازنامہ فارسی کا اردو ترجمہ کرکے قلمی مطلا کتاب کی صورت میں پیش کیا۔

(۲) اپنے حج کا سفرنامہ بھی لکھ کر نذر گزرانا ــــ تصانیف کے سلسلے میں ۳ منظوم رسالے ترجیع بند بطرز "ما مقیمانِ کوئے دلداریم" یادگار چھوڑے۔ ایک ترجیع بند کا عنوان ہے: "ما مریدانِ پیرِ خماریم" دوسرے کا عنوان ہے "ما عزیزانِ چشمِ بیماریم" دوسرا ترجیع بند ہے "ما عزیزانِ روئے دلداریم" "ما عزیزانِ چشمِ بیماریم" ۲۸۰ اشعار کا ترجیع بند ہے اور ہر بند کا آخری شعر یہ ہے۔

ؔ کہ بجان اسیر طرۂ دوست ۔۔۔ ہر چہ آید ز دست یار نکوست

"ما عزیزانِ روئے دلداریم" کے ہر بند کا آخری شعر یہ ہے:۔

کہ بگوشِ یقیں شنو اے دوست ۔۔۔ ہر چہ پیدا ہدال کہ ایں ہمہ ز دست

مولانا کے یہ تینوں ادبی شاہکار غیر مطبوعہ ہیں، ان کے علاوہ ایک نعتیہ دیوان ہے جو ۱۸۹۰ء میں مکمل ہوا۔ ردیف ک تک موجود ہے۔ باقی تلف ہو چکا ہے، یہ دیوان جوانی کے زمانہ میں لکھا گیا تھا، کلام زیادہ تر متصوفانہ ہے، اس دیوان میں وہ غزلیں نہیں ہیں جو گاہے گاہے صادق الاخبار بہاول پور میں ۱۸۹۰ء سے ۱۹۰۰ء تک گرامی کی طرحوں پر لکھی گئیں، یا کسی اور شاعر کے مقابلے میں "جوابِ آں غزل" کے طور پر کہی گئیں۔

ایک اور تصنیفِ لطیف مسدسِ نعتیہ بہ تضمینِ شعرِ ذیل حضرت شیخ سعدی شیرازی کی نور اللہ

مرقدہ ہے۔

شفیعٌ مطاعٌ نبیٌ کریم ـــــ قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیم

یہ مسدس ایک سو ایک اشعار کی ہے اور اس کا ہر بند سلاستِ کلام اور روانی کا مظہر ہے۔

اِن تصانیف کے علاوہ "بازنامہ" کا اُردو ترجمہ نواب صاحب مرحوم کی فرمائش پر قلمی لکھ کر پیش کیا۔ سفرنامہ حج بھی قلمی مذہّب تیار کر کے نواب صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ دونوں مخطوطے غالباً موجودہ امیر بہاولپور کے توشہ خانہ میں اب تک محفوظ ہوں گے۔ ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات نوادراتِ زمانہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور معلوم ہوا ہے کہ امیر بہاولپور کے ذاتی عجائب خانہ میں موجود ہیں۔

امام ویردی کے ساتھ خوشنویسی کے مقابلے کے سلسلے میں ہم قطعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، امام موصوف شیعہ مذہب رکھتے تھے، لیکن مولانا حنفیوں کے امام تھے۔ امام ویردی نے دربارِ بہاولپور میں ایک قطعہ لکھ کر نذر گزرانا، شعرِ قطعہ یہ تھا:-

نبشتہ بر درِ جنت بخطِ سبز و جلی ـــ شفیعِ روزِ قیامت محمدست و علی

نواب صاحب عرش آشیانی صبح صادق نے وہ قطعہ مولانا عزیز کو دکھایا، اور یہ دراصل ایک قسم کا چیلنج تھا، مولانا نے اس کے جواب میں نہ صرف اُوپر کے شعر کا ایک قطعہ مطلّا و مذہّب لکھ کر پیش کیا، بلکہ ذیل کے تین شعروں کے تین قطعات تیار کر کے پیش کئے اور ساتھ ہی عرض کیا کہ مقبول اور رائج خطوں میں خط سبز تو کوئی خط ہی نہیں ہوتا۔ خط نستعلیق، خطِ خوش خط ریحان وغیرہ ہی تو خط ہیں۔ یہ امام ویردی ہی شاید خط سبز کے موجد ہوں گے۔ یا سبز خطوں کے شیدائی۔

(۱) نبشتہ بر درِ جنت بخطِ نستعلیق ـــ شفیعِ روزِ قیامت محمد و صدیقؓ

(۲) نبشتہ بر درِ جنّت بخطِ خوب از زر ـــ شفیعِ روزِ قیامت محمدست و عمرؓ

(۳) نبشتہ بر درِ جنّت بہ صنعتِ ریحاں ـــ شفیعِ روزِ قیامت محمّد و عثمانؓ

جهان ای برادر نماند بکس

دل اندر جهان آفرین بند و بس

Marfat.com

Marfat.com

چاروں قطعات پر زرکاری خود مولانا کے ہاتھ کی تھی، اور نقاشی اور لاجورد کا کام مولوی فیروزالدین مرحوم ساکن کوٹ ادھا، جو دربار کے صحاف اور نقاش تھے ان کے ہاتھ کا تھا یہ قطعات اب تک امیر بہاول پور کے ذاتی توشہ خانہ میں محفوظ ہیں۔

کتاب العجائب جو ۱۹۲۱ء میں پنجاب یونیورسٹی کے نصاب الیف، اے فارسی میں شامل تھی، اس کے خاتمہ پر حضرت عزیز کا ایک الہامی اور اعجازیہ قطعہ تاریخ مولانا نے اپنے عمہ زاد بھائی مولانا سراج الدین مغفور کی وفات پر لکھا تھا۔ "کتاب العجائب" کے مؤلف مولانا سراج الدین کے فرزند اکبر خان صاحب شمس العلماء مولوی محمد حسین پروفیسر فارسی فارمن کرسچین کالج لاہور تھے جن کا انتقال لاہور میں جولائی ۱۹۲۲ء میں ہوا۔

گوجرانوالہ میں حضرت مولانا سراج الدین کے دستِ حق پرست پر سکھوں کے چار معزز گھرانوں کے نوجوان لڑکوں نے قبول اسلام کیا، مولانا عزیزان دنوں رخصت پر گوجرانوالہ آئے ہوئے تھے۔ مولانا نے اُن نومسلموں کا تسمیہ کیا۔ ایک کا نام عبدالحق رکھا، دُوسرے کا نام عبدالعزیز اور تیسرے کا نام عبدالرحیم۔ شہر میں ایک شور مچ گیا، اور فساد کا خطرہ پیدا ہو گیا شیخ عبدالعزیز کو مولانا عزیز اپنے ساتھ بہاول پور لے آئے، شیخ عبدالعزیز مولانا کی تربیت سے بہاول پور کے نواب زادہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ اور بعد میں افسرِ تصریفات کے عہدے سے پنشن یاب ہوئے۔ دوسرے بزرگ شیخ عبدالحق گرنتھی مولانا سراج الدین کے خلیفہ بن گئے اور تیسرے بزرگ شیخ عبدالرحیم نے لاہور میں سکونت اختیار کر لی، اور آج اسلام کی برکت سے شیخ عبدالرحیم مرحوم و مغفور کے صاحبزادے سیٹھی برادرس کے نام سے گوجرانوالہ سیٹھی گنگ ملز کے مالک ہیں جو راہوالی میں واقع ہے، یہ کارخانہ کئی لاکھ کے سرمایہ سے قائم کیا گیا ہے۔ اور مغربی پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد کارخانہ ہے۔ چوتھے شاندار بزرگ حضرت مولانا احمد علی لاہوری والد بزرگوار تھے۔ مولانا کی وفات پر اُن کے احباب اور شاگردوں نے کئی قطعاتِ تاریخ کہے۔ ذیل کے قطعات بالخصوص قابلِ ذکر ہیں :-

Marfat.com

مولانا عزیز کے شاگرد رشید مولوی محمد ہاشم صاحب ہیڈ کاتب صادق الاخبار بہاولپور نے ذیل کا قطعہ لکھا:-

"قطعۂ تاریخ وفات، حسرت آیات حاجی الحرمین الشریفین، اسوۃ الکاتبین، قدوۃ الصالحین مولانا عزیز الدین عزیز رحمۃ اللہ علیہ مفتی سرکار۔ کہ بروز یکشنبہ ۴ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۰۵ء بوقت ظہر دو ساعت بمقام بہاولپور واقع شد

رفت از دُنیائے فانی آں عزیز خوشخصال — کز کمالاتش منوّر بود شمع حال و قال

بود آں مجموعۂ اخلاق و اوصافِ نکو — عالمِ دینِ مبین و خوشنویسِ بے مثال

در فنِ تاریخ گوئی در جہاں مثلش نداشت — ناثرِ رنگیں بیاں و شاعرِ شیریں مقال

از وفاتش صدمہ بر قلب و اعانِ دل رسید — می نماید بے وجودش علما قحط الرجال

گفت ہاشم سال تاریخِ وصالِ اوستاد

در جناں رفتہ عزیز الدین حاجی نیک فال
۱۳۲۳ھ

مولانا کے ہمعصر اور دوست مولانا جمعیت علی صاحب پروفیسر عربی و فارسی صادق ایجرٹن کالج بہاولپور کا مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ وفات ایک قسم کا دردانگیز نوحہ ہے ؎

شاعرِ دربار رخصت ہو گیا — مفتیٔ سرکار رخصت ہو گیا

ولئے سو حسرت کہ علم و فضل کا — ابرِ گوہر بار رخصت ہو گیا

وا دریغا دین و ملت کا عزیز — خلق کا غمخوار رخصت ہو گیا

سامنے شاہوں کے حق گوئی میں فرد — خواجۂ احرار رخصت ہو گیا

چھپ گیا وہ آفتابِ علم و فن — مطلعِ انوار رخصت ہو گیا

بوستانِ فیض و فضل و فقر کا — گلشنِ بے خار رخصت ہو گیا

خون رو آج اے عروسِ شاعری — لے ترا بیمار رخصت ہو گیا

دل کی جمعیت جو تھی جاتی رہی — آہ میرا یار رخصت ہو گیا

Marfat.com

ہے یہ سالِ وصل اُس کا ہائے ہائے　　مردِ نیک اطوار رخصت ہو گیا ۱۹۰۵ء

مولانا عزیز کے برادر زادہ شمس العلماء خان صاحب مولوی محمد حسین مرحوم پروفیسر فارسی فارمن کرسچین کالج لاہور، و فیلو پنجاب یونیورسٹی لاہور نے بھی ایک دردناک مرثیہ لکھا، جس کا آخری شعر ہے ؎

خرد تاریخ فوتِ آں مکرم　　ہمایوں فال در خُلد برین گفت ۱۳۲۳ھ

علامۃ العصر مولانا عبدالمالک مرحوم مشیرِ مال ریاست بہاول پور نے ذیل کی تاریخ کہی:-

سالِ ترحیل شد بسر دُد اکنوں　　حسرتا! مولوی عزیز الدین ۱۳۲۳ھ

حضرت استاذ العصر مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری مرحوم نے خطِ تعزیت کا سر عنوان ھوالغفار لکھا جو سالِ تاریخ وفات ہے۔ مولانا گنج بخش جنڈیالوی جو منشی محمد دین مرحوم اُستاذِ خطاطانِ دہلی کے بڑے بھائی تھے، اُنھوں نے ترجمانِ تاریخ وصال لکھا، منشی فضل الٰہی مرغوب رقم جو خط نستعلیق میں حضرت مولانا سے کچھ عرصہ بمقام گوجرانوالہ اصلاح لیتے رہے، انھوں نے لاہور کے کسی شاعر تاریخ گو سے ایک قطعۂ تاریخِ وفات لکھوا کر بھجوایا۔ مادۂ تاریخ اس مصرعہ میں ہے۔

صاحبِ قرآں عزیز الدین برفت ۱۳۲۳ھ

اِسی طرح استاد الکاتبین منشی محمد دین جنڈیالوی ثم الدہلوی مرحوم نے جن کو حضرت مولانا سے شرفِ تلمذ حاصل تھا یہ قطعۂ تاریخ ارسال کیا۔ منشی صاحب مرحوم کو تاریخ گوئی کا اتنا بڑا ملکہ نہیں تھا۔ لیکن معلوم ہُوا کہ دہلی کے کسی شاعر سے یہ قطعہ تاریخ لکھوایا گیا تھا۔

عالمِ دینِ حق عزیز الدین　　خوش نویساں را استاد بگو
عازمِ جنت نعیم شدہ　　زیں جہانِ فنا نہاد بگو
بہر تاریخ عیسوی سالش　　شعر شاعر برائے یاد بگو
متقی دین، حاکمِ قرآں　　رُوح یاقوت ہم عماد بگو ۱۹۰۵ء

مولوی فیروز الدین صاحب ساکن کوٹ لدھا صحاف و نقاش دربار بہاول پور نے جو مولانا کے خواہرزادہ تھے، سنِ عیسوی کے دو تین مادہ ہائے تاریخ لکھے اجو مضامینِ تعزیت کے عنوانات تھے۔ لیکن سوگ حضرت مولانا عزیز الدین عزیز نہایت برجستہ اور برمحل مادہ تاریخ ہے۔

مولانا کے برادر زادہ مولوی محمد نظیر حسین صاحب میونسپل کمشنر و آنریری مجسٹریٹ گوجرانوالہ نے ایک نوحہ لکھا جس کا یہ شعر تاریخی ہے ؎

آشکار است عمرِ او از دیں
آہ! آں خوشنویس نازنیم
۱۳۲۳ھ

مولانا کریم بخش صاحب ایم۔ اے پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور، حضرت تھانوی کے خلیفہ مجاز تھے۔ اور حضرت خلیل الملت مولانا خلیل احمد صاحب کے معتقد خاص تھے، ان کا مندرجہ ذیل قطعہ بھی ندرت اور عقیدت کا گنجینہ دار ہے ؎

چوں آں شاغلِ وردِ ذکر الٰہی
بہ نیکو خصالی بفردوس رفت

بہ کلکِ گہر ریز معجز رقم
بہ سلکِ لآلی بفردوس رفت

بہ شیوہ بیانی بہ گوہر نگاری
بہ شیریں مقالی بفردوس رفت

پُرانہ عشقِ جامی زنازِ شوقِ بازی
بہ روحِ غزالی بفردوس رفت

ز دربارِ سرکارِ خانِ بہاول
بدربارِ عالی بفردوس رفت

خرد گفت از بہرِ سالِ عزیز
کہ درویش یالی بفردوس رفت
۱۳۲۳ھ

مشہور مثنوی نگار مصنف "فیروز نامہ" مولانا غلام غوث غلامی ساکن گوجرانوالہ جو خان بہادر ڈاکٹر محمد یوسف لاہور کے والد ماجد اور مولانا عزیز کے دلی دوست اور رفیق تھے، اُن کے ایک قطعہ تاریخ کا شعر درج ذیل ہے ؎

سالِ تاریخ وصالِ او بمن روح الامیں
وارد خلد بریں طوبیٰ عزیز الدین گفت ۱۳۲۳ھ

مولانا احمد علی منہاس مختار عدالت گوجرانوالہ، جو خود بھی مشہور تاریخ گو شاعر تھے، انھوں نے ذیل کا قطعہ تاریخ لکھا جو اُن کے دلی جذبات محبت و عقیدت کا آئینہ دار ہے ؎

Marfat.com

حضرتا الحاج مولانا عزیز — عابد و زاہد، فقیہ و متقی
شاعرِ شیوا بیاں، فتوے نویس — مجمع البحرین کامل اور ولی
وہ فنِ تاریخ گوئی کا امام — خوش نویسی میں وہ یکتا واقعی
وا دریغا ہم سے رخصت ہو گیا — اس نے فردوسِ بریں کی راہ لی
روزِ یک شنبہ تھا ذی قعدہ کا جب — روح پرواز اُن کی آخر کر گئی
خیر مقدم اس کا رضواں نے کیا — ہر طرف سے تھی صدائے فادخلی
خلد میں پایا مقامِ ارجمند — روحِ پاک ابرار سے جا کر ملی
اُس کے غم میں دردمند و دل فگار — ہے نہایت مضطرب احمد علی
اس کے سالِ وصل کی نسبت ندا — چرخِ چارم سے مسیحا نے یہ دی
روزِ یک شنبہ ہے بہرِ روح لکھ — نکہتِ گل گلشنِ فردوس کی ۱۹۰۵ء

اِن واقعاتِ تاریخ میں ہی ان کی زندگی کا مرقع خوبصورت الفاظ میں آگیا ہے۔ اور ان سے بہتر بالتفصیل سوانح حیات یہ مرقع مرتب کرنے والا بھی لکھ نہیں سکتا تھا۔

ہندوستان میں مُلا اسمٰعیل غافل مازندرانی شاعر بھی تھے، اور خطِ نسخ و نستعلیق میں یکتا تھے۔ روشن رقم کے خطاب سے شہرت پائی۔ لیکن وہ عالم متبحر نہیں تھے۔ آقا محمد ابراہیم فیضان علمِ معقولات میں اپنے زمانہ کے علماء میں بہت بلند پایہ تھے ناظم شیریں بیاں اور خوشنویسِ باکمال تھے۔ لیکن تاریخ گوئی میں ملکہ نہ تھا۔ مولانا عزیز بیک وقت بلند پایہ ادیب، یگانۂ روزگار خوشنویس، وحید العصر عالمِ دین اور یکتائے زمانہ تاریخ گو شاعر تھے۔

مولانا عزیز کے کلام بلاغت نظام متعلقہ تاریخ گوئی کا انتخاب درج ذیل ہے تاکہ اہلِ علم کو اس فن کے کمالات کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

Marfat.com

کلامِ عزیزیہ

قصیدۂ اعجازیہ در تہنیتِ سالگرہ نواب صبح صادق والیِ ریاست بہاول پور بہ صنعتیکہ از مصاریعِ اولی سالِ ہجری ۱۳۰۸ و از مصاریعِ ثانیہ سن عیسوی ۱۸۹۰ ہویدا می شود۔

اِس قصیدہ کے کُل ۴۳ اشعار ہیں۔ چند اشعار صرف شاعر کے کمال کے اظہار کے لیے نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ قصیدہ خطِ گلزار میں لکھ کر نواب صاحب کی نذر گزرانا گیا۔ (غیر مطبوعہ)

۱۳۰۸	۱۸۹۰
چوں شدم بیدار از خوابِ الم	در زماں ہرگز ندیدم درد و غم
ہر کسے را دیدم از عیش و نشاط	می سرائد نغمہا در زیر و بم
بوستاں دیدم ز شادی بارور	ہر درخت از میوہ میوہ شد بہم
سوسن از عشرت زبانِ دل نباز	کردہ وا در صبحِ الفرح بانعم
لالہ ہا از گرم خوئے شد گلاب	شد گلاب از عشرتش جائے اِرم
غنچۂ اُمید۔ گل گل از نوال	ہیں عجیب تر در شگفتہ صبحدم
سرو از راحت شدہ اہلِ عطا	فاختہ دلشاد و در دامن نعم
عندلیب از انبساطِ باغچہ	بر سرِ شاخِ گلشن گویا علم
ہر گلستاں دیدم اندر بارگاہ	در پسِ منّت مر خدا را دیدم
در مساجد ذکر ہائے بانوا	دائم از شادی بخوانند ہر خدم
داد گر مثلش ندیدم در نماز	در دعاء بہ غنا و بہ قدم
تہنیت گو اے عزیزِ بادشہ	با خطِ گلزار صنعت کُن رقم
مدح شاہ باز تحریر و عدد	ہمت بیروں ہم ز گفتن ہر شیم
تا بود دوراں بقائے روز و شب	شاد باشد خسرو م از دے حشم
تا بود دورِ قمر بہ سال و ماہ	خوش شود با حُسن با تاج و علم

چوں نوشتم مدحِ شاہِ کام دل | شد زر افشاں سبز در دستم قلم
پایۂ اشعارِ من از ارتیاح | رفتہ بہ عرشِ بریں یا بقلم
مصرعِ اول زِ بہر شعرائے حکیم | سالِ ہجرت خواں عجب عمدہ رقم
مصرعِ دویم زیر شعرائے مجیب | سالِ عیسے گیر باہش عارضم

پُر گہر شفقی عسزیزا یادگار

مورد تحسیں شوی از محتشم

نوحہ بصنعتِ غیر منقوطہ مشعر تاریخ انتقالِ پُر ملال عالم نوذعی، فاضلِ یلعی، رہ اصل باللہ،
داعی الی اللہ محی احکام دینِ متین، حضرت مولانا محمد سراج الدین نور اللہ مرقدہٗ ساکن گوجرانوالہ

عالم کامل مکرم ہم امام | عاملِ علمِ مکمل لا کلام
مہرِ اسلام محمد اسمِ او | در معما کردہ ام طرح کلام
در رہِ سالکِ سلوک وہم ورع | کرہٗ اماّرہ را دادہ لگام
کارِ او امدادِ مسلم سال و ماہ | حاسدِ اسلام را او اصطلام
کلکِ او در دہر آمد سحر کار | آمدہ در مدحِ اولال و کہام
مردم ار علم و عمل را گرد کرد | آمدہ در ہر دو سردار و ہمام
وِردِ او در ہر سحر در ہر مسا | حمدِ واحد مدحِ احمد والسّلام
سالمِ علمِ اصول و اصطلاح | ماہر ہر مسئلہ حل و حرام
عمرِ او عمرِ محمد در عدد | روحِ او را گو درود ہم سلام
اہلِ دل اہلِ کلاہ اہلِ ہُدا | ہمدمِ اہلِ کرم اہلِ کلام
در رہِ اسلام دادہ کد وکار | مردم او را کام ہم صد احترام
محرمِ اسرار و احکام الٰہ | کار او امداد در کارِ عوام
آمدہ ہموارہ سردار و حکم | در عمل ہم در صلاح و در مہام

در رهِ اسلام از احکام دار — در دلِ حسّاد از سهم و حسام
از مطالع ما و ما صعلوکِ او — کار دارِ از عوام و هم امام
داد او ور دل عطا و در کرم — هر گدا را داد و هر کس را طعام
مطلعِ علم و عمل، کام و آل — مطرح حلم و حکم در هر دو کام
کامگار و سالم و والا گہر — سالک و هم رهبرِ راهِ امام
کارِ هر کس را که او داده صلاح — داد در دم هر مراد و هر مرام
مصدرِ کردار و صالح کامگار — مطلعِ مهرِ کرم، ماهِ کرام
عاملِ اعمال و احکامِ اله — حاکمِ حکمِ رسول الله مدام
کلمۂ طاهر دمِ مرگ و وداع — کرد ورد و ذکرِ آل و کلام
روحِ او را سورۂ الحمد گو — هم درود و هم دعا و هم سلام
آهِ درد آلود هر دم آورم — دردِ دل در مرگِ او دارم مدام
در هوا گم آهِ ما گردد علم — آورد ملک و ملک را در صدام
در وصالِ او دمِ درد و الم — آهِ سرد آرد هماره هر کدام
دردِ دل در مرگِ او دارد همه — مردم و مار و مگس مور و هوام
هر سحر در گورِ او آید درود — صلصل و طاؤس و هم هدهد حمام
در دلِ اعدا سهام آهِ ما — کارگر آمد که آهِ ما سهام

سالِ مرگِ او حواله کلک کرد
گورِ او مسرور در دار السلام
١٣١٠ھ

مندرجہ بالا قطعہ کے کچھ اشعار ایک علمی رسالہ میں پہلے چھپ چکے ہیں، اب جبکہ مولانا عزیز اللہ عزیزیہ کے کمالاتِ علمی پر ایک مفصل مقالہ ترتیب دیا گیا ہے راقم الحروف نے یہی بہتر سمجھا کہ پورا قطعہ

Marfat.com

جو شاعر کے کمال کو ظاہر کرتا ہے، نقل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ قطعہ گویا دست برد زمانہ سے بھی محفوظ ہو گیا ہے۔

قطعہ الہامیہ - شعر تاریخ وفات حسرت آیات مولانا محمد سراج الدین نور اللہ مرقدہ ساکن گوجرانوالہ بصنعتیکہ از ہر مصرعہ تاریخ سنہ ۱۳۱۰ ہجری و از منقوط و غیر منقوط ہر بیت جدا جدا تاریخ و با انضمام منقوط مصرعہ اولی با منقوط مصرع ثانی خواہ ثالث خواہ رابع خواہ ہر مصرعیکہ باشد علیحدہ تاریخ است و اگر غیر منقوط را با غیر منقوط بہمیں طریق با ہر مصرعہ کہ خواہی ضم کنی و نیز منقوط را با غیر منقوط و خواہ غیر منقوط را با منقوط اند ہر کدام مصرعہ بہم نمائی در ہر صورت سنہ مذکور جداگانہ بر می آید۔ و بدیں حساب جمل باین طریق از اشعار دو ہزار پانصد و پنجاہ و شش تاریخ ہویدا می شود ——— از نتائج افکار آبدار فخر المتاخرین مولانا عزیز الدین یاقوت رقم خوشنویس حضور سرکار عالی بہاولپور (نقل از صادق الاخبار بہاولپور ۹ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۲۲ رجب ۱۸۹۳ء)

وہ جنابِ مولوی عارف گہر قدسی نشاں | واقفِ درگاہ و نامش بُد سراج الدین عیاں
چشمۂ شرعِ محمدؐ، مامنِ صاحب حکم | نامۂ درسِ اصالت، نورِ اقطابِ جہاں
کاتبِ جوہر رقم، منقادِ احکامِ سداد | نصرتِ اہلِ وداد و قبلۂ ہر انس و جاں
ہادیِ اقوامِ مسلم، عارفِ روشن جبیں | مصدرِ علمِ کمال و خواجۂ صاحبدلاں
قامعِ آثارِ جہل و ناصبِ احکامِ علم | قوتِ جاہِ کرام و منبعِ سترِ نہاں
سیدِ علم و طریقت، صاحبِ نجم و صفا | مخبرِ احکامِ اسعد، مصلحِ اہلِ جہاں
موجبِ شرحِ الٰہ، والا گہر اہلِ سخن | مالکِ طبعِ محقق، تاجدارِ صالحاں
کعبۂ نورِ تجلّیٰ، افسرِ ہادیِ قوم | قبلۂ صدقِ مدارج پیشوائے عارفاں
منہلِ جود و خرد، بحرِ عطا، اہلِ ولا | باعثِ جہد و عمل ہم کامگارِ عاقلاں
عالمِ فقہِ متیں و راہبر و ہادیِ جسم | صاحبِ اکرام جاہ و رونقِ ہندوستاں

Marfat.com

هادیٔ تفسیرِ قرآں، صاحبِ جاہ و حکم　　علم را بُرہانِ قاطع، اہلِ جاہ و امتناں

خسروِ علم و عمل، وہ کوکبِ اوجِ عطا　　خادمِ اسلام امجد، ماہِ عالم مہرباں

مطلعِ اسمِ خرد، ہم موجبِ حسبِ نکو　　مرجعِ اقبال و نام و عمدہ سالک نکتہ داں

اعلم داب جہاں، اہلِ خرد، والاگہر　　موجبِ علم و خرد، حدس

جاں فدا را داد در دم عابدِ والا محل　　آہ شبِ درد و ملال و سوگِ او دل شد دو جہاں

باد در جنّت مقامِ آں نکو کار و سگال　　ہمدمِ شمس دو صد یہ عالم بادشاہِ دو جہاں

اے عزیزا از دلِ دعائے پُر اثر با قوم گو　　تبسمِ او در لحد باشد، رُوحِ والا شادماں

ایں قصیدہ گفتہ ام در دہرِ والا لاجواب

جاں فدا سازند بہ وجہِ قیاسِ شاعراں

یہ قصیدہ کتاب العجائب کے صفحۂ آخر سرورق پر رنگین قلم سے بھی چھپا ہُوا ہے —
کتاب العجائب ۱۹۲۲ء تک ایف اے فارسی کے نصاب میں شامل تھی، اسے خان صاحب شمس العلماء مولوی محمد حسین پروفیسر فارسی مشن کالج لاہور نے مرتّب فرمایا تھا۔

مولانا عزیز کے کمالاتِ علمی میں ایک مرقع اعجاز یہ موسوم بہ ثنوی صادق بھی ہے جو نواب صبح صادق کے ایک دینی جلسہ قائم کرنے پر نذر گزرانی گئی، قریباً ۱۸۰ اشعار پر یہ ثنوی مشتمل ہے۔ اور اس کے ہر مصرعہ سے تاریخ جلوس ۱۳۱۳ھ نکلتی ہے — ثنوی میں تمہید کے اشعار کے بعد حمد و ثنا اور نعت اور مناقبِ صحابہ کے بعد مدحِ نواب ہے آغاز ملاحظہ فرمایئے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی احمد و آلہ و باجابہ

۱۳۱۳ھ

از دعا گوے کمترین عزیز الدین عفی عنہ

۱۳۱۳ھ

باسمِ صادقِ بخشندہ جاں　　زیورِ فضل دادہ نورِ ایماں،

بنامِ صادقِ فخرِ عزیزاں　　عزیزِ صنعتِ صاحب تمیزاں
بنامِ صادقِ بخشندۂ دیں　　نصیرِ کافہ آسفتہ آئیں
تعالے اللہ زہے والی دستار　　نماتندہ بدل بہ ہانِ گل از خار

محمد حبیبِ ایزد و فضلِ رحماں　　محمد مہرِ رحمت نورِ یزداں
محمد ناصر و عارف بشیرے　　محمد صادق و ہیچ نذیرے
شہِ من رحمت للعالمینے　　عزیزِ امت و نورِ جبینے
شفیعٌ قائمٌ بتہٌ متینٌ　　کلیمٌ حافظٌ عدلٌ مکینٌ
نصیرٌ صادقٌ نورٌ بشیرٌ　　منیرٌ ناطقٌ نجمٌ نذیرٌ
رسولِ دل کشے از خواب گہے　　بحلقہ عقلِ کُل بگرفت راہے
بیک چشمک زدن بر وسطِ عرشے　　رسید آں شاہِ ما جلوہ ز فرشے

مرا روئے لقائے چار یارش　　زہے جاہ و ثنائے چار یارش
ابابکر و عمر، عثماں علیؓ　　ظہیرٌ عادلٌ مجدٌ ولیٌ
غلامِ آل و ہم اصحابِ او ایم　　گہر سنجِ سخن بر بابِ او ایم

عزیزِ دودمان و شاہِ برتر　　چہ ساطع خسروے اللہ اکبر
رُخِ او مطلعِ انوارِ اُمید　　جبیں بے چینِ او گویا چو خورشید

خدایا تا عمل دینِ محمدؐ　　شہم دارائے اُمت باد سرمد
کہ تا بد بر فلک مہتابِ نامی　　بود شاہم شہنشہ دل گرامی

Marfat.com

چو من این گوہر ارقام سُفتم | بہ تہنیت مبارک باد گفتم
نہ شعر این وصفِ سلطانِ بصیرے | نہ شعر این حُسنِ ماہ بہر امیرے
نہ شعر این جوششِ امواجِ ایجاب | گراں مایہ سخن از بحرِ پنجاب
کہ پنجاب آبروئے ہفت کشور | خِرد گلچینِ او اللہ اکبر

اس لاجواب اور بے نظیر مثنوئ صادق سے پہلے ۱۳۱۰ھ میں حضرت ظل اللہ کی سالگرہ کے موقعہ پر ایک بے مثال قصیدہ مدحیہ لکھا، اس قصیدے کی صنعتیں شاعرِ معجز نگار کی زبان سے سُن لیجئے:

قصیدہ مدحیہ سالگرہ حضرت ظل اللہ خلد اللہ ملکہ بصنعتکہ از مصارع اولے ۱۸۹۲ء واز منقوطش ۱۳۱۰ھ واز مصارع ثانیہ ۱۹۴۹ بکرمی واز حروفِ نقطہ وارش ۱۳۱۰ ہجری واز حروفِ مہملہ ہردو مصرع اولے و آخرے ۱۲۲۱ھ سال سالِ جلوس غفران پناہ جد امجد بادشاہ و نیز از مصارع اولے اگر حرفِ غیر منقوطِ ہر مصرع را بحروفِ مہملہ ہر یک مصرع جمع کردہ شود ۱۱۶۴ھ سالِ ملک گیری جد امجد ممدوح واز مصارع ثانیہ حروفِ غیر منقوط بحروفِ مہملہ ہر یک مصرع یک جا کردہ آید ۱۲۷۵ھ سال تولد حضرت صبح صادق ہویدا می شود۔"

مطلع ملاحظہ فرمایئے۔ میرا خیال ہے کہ ایسا قصیدہ روح القدس کی امداد کے بغیر لکھنا ناممکن ہے:

خامہ من دُر فشاند نقد وہم و فکر ہا | گر نویسد مدح سُلطان معظم شاہ ما
۱۸۹۲ عیسوی | ۱۹۴۹ بکرمی

اس مصرع کی تشریح کے بعد دوسرے مصرعوں کی تشریح تاریخ کی ضرورت نہیں رہیگی۔ پہلے مصرع کے نقطہ دار حروف کے اعداد اگر جمع کریں تو ان کا مجموعہ ۱۳۱۰ ہوگا۔ اور دونوں مصرعوں کے بے نقط حروف جمع کریں تو ان کے اعداد ۱۲۲۱ ہوں گے، اور اگر ہر پہلے

مصرع کے حروفِ غیر منقوط کو کسی بھی شعر کے پہلے مصرع کے غیر منقوط حروف کے اعداد میں جمع کریں تو سال ۱۲۷۸ھ ظاہر ہوگا، جو ممدوح کا سال پیدائش تھا اسی نہج سے باقی شعروں سے استخراجِ سال ہوتا ہے۔

یہ بے مثال قصیدہ ۳۰ شعروں کا ہے۔ چند شعر ملاحظہ فرمایئے:

۱۵۹۲ء	۱۹۴۹ بکرمی
نامِ او صادق محمد خان دعالی مقتدر	عالمِ دین دال دشمن کش و کشور کشا
بلبلِ باغ و بہارِ شاہ عباس العلم	غنچۂ گلزارِ ہارون، ماہ لقا، ماہوں لوا
ثانیِ اسکندر و دارا نشان و ماہ شکوہ	خسرو ملکِ سیاست شاہ اہم والالوا
مدحِ جمجاہ شاہ خوشا فکرِ عزیز آمالِ عام	جوہرِ سمطِ صداشد سود حوالش حبذا

میرے خیال میں یہ قصیدہ اس مرثیے سے بلند قدر ہے جو مولانا نے سراج الدین کے غم میں مرتب فرمایا تھا، ہر حرفِ منقوط و غیر منقوط کی تلاش بادشاہ سے دلی محبت اور عقیدت کی ترجمان ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب سے مولانا عزیز کو ایک قسم کا والہانہ عشق تھا۔ روح القدس کی امداد بھی عشق کے پاک جذبات کی رہنمائی کے لیے عرشِ اعظم سے اُترتی ہے۔ تاریخِ ادبیاتِ ہند میں ایک شاعر بھی اس قدر عظیم المرتبت نظر نہیں آتا، جو بیک وقت مفتیِ عصر ہو۔ خطاطِ یاقوت رقم ہو اور شاعر باکمال ہو۔ دربار در بارِ بہاولپور میں جو قدر ہوئی وہ ریاست کی بساط کے مطابق تھی۔ لیکن آج تک اس شاعرِ غرا کے حالات قعرِ گمنامی میں پڑے رہے، یہ معجزانہ کلام اُس شاعر کا ہے جو آج سے کئی سو سال پہلے نہیں بلکہ صرف پینسٹھ ۶۵ سال پہلے دربارِ بہاول پور کا بلبلِ نغمہ سرا تھا، اور جس کی خطاطی سے محل کے بام و در مزیّن تھے۔

اس کے علاوہ ایک مثنوی تاریخیہ در بارۂ تہنیت عہدۂ وزارت جناب شیخ نصیر الدین صاحب بہادر وزیر الاعظم ریاست ہے، جس کے ہر مصرع سے ۱۳۱۳ھ سالِ تقررِ شیخ ممدوح ظاہر ہوتا ہے

چند اشعار درج کیے جاتے ہیں :-

بمہر خداوندِ جاں آفریں — وزیرِ چو مہتاب و روشن جبیں
بباران الخلافہ در آمد چناں — کہ از قدمِ او شاد شد بوستاں
چو اسمش نصیرست بادیں پدید — فزوں وصفِ سامی زگفت و شنید
وزیرِ خردمند صاحب ہمم — سعادت منش آں سحابِ کرم
پناہِ عدالت، رعیت نواز — جواں مرد مہر و ستم گر گداز
بایماں ندیدم مثالش دگر — سلیم ست، دیں پرور و دادگر
نکیم دکریم و کثیر النعم — لطیف و سراسر کریم الشیم
زہر مصرعش سالِ ہجری بدیع — عزیزا بنوشتی چو جملہ رفیع

۱۳۰۷ — ۱۳۰۷

شیخ نصیر الدین صاحب ۱۹۱۱ء میں بعہدہ ڈسٹرکٹ جج سرگودھا سے ریٹائر ہوئے۔ یہ مثنوی ۲۰ اشعار پر مشتمل ہے اس کے علاوہ بموقعہ تشریف آوری وزیر موصوف تاریخ ۱۹ جون ۱۸۹۰ء ایک طویل تر قطعہ تاریخ لکھا، وزیر اعظم موصوف مولانا عزیز الدین عزیز سے اُن کے مکان پر ملنے کے لیے آئے تھے — چند شعر نقل کیے جاتے ہیں :-

از عنایاتِ خداوندِ کریم — در ریاست شد وزیرِ بے نظیر
نامِ آں والا نسب عالی تبار — شد نصیر الدین امیر ابن الامیر
واقفِ دستورِ ملک و سلطنت — رسمِ انصاف و عدالت را خبیر
در صلاحِ کارِ امرِ مملکت — اندریں عالم نہ دارد نظیر

گو عزیزا سالِ او زیں مصرعہ
شد نصیر الدین وزیر ابن الامیر

۱۳۰۷

Marfat.com

لیکن بادشاہ کی محبت نے مزید اشعار شامل کرائے ؎

باز کرد از صدقِ دل فکرِ دگر | بہرِ تاریخش در آمد در ضمیر
ثانیِ اسکندر است ایں شاہِ ما | باہلش دانا ارسطو ساں وزیر
زاں بگفتم نے البدیہہ سالِ او | چوں ارسطو شد نصیرالدین وزیر

۱۳۰۷ھ

سالِ عیسوی کے لیے یہ قطعۂ تاریخ لکھا گیا :-

حضرتم شیخ نصیرالدین امیرِ نامور | در ریاست شد وزیرِ اعظم از لطفِ الٰہ
بہرِ تاریخش خرد پرسید سالِ عیسوی | گفتمش شیخ نصیرالدیں وزیرِ بادشہ

۱۸۹۰ء

مولانا کے ممدوح محبوب نواب صبح صادق کا انتقال ۱۳۱۶ھ میں ہوگیا، ان کی وفات پر ایک سو اشعار کا ایک دل گداز مرثیہ لکھا، اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں :-

وائے بر ظلمِ فلک، صد حیف بر جورِ زماں | آہ بر فوتِ شہ صادق محمد خاں فغاں،
شد دلم بیروں ز دستم، تن ز طاقت طاق شد | چوں شنیدم رفت از دنیا شہِ صاحبقراں
از دلِ غم دیدہ ام ہرگز مپرس از حالِ دل | دردہا دارم بدل صد سوز دارم در رواں
خونِ دل ریزم براہِ اشک چوں آمد بیاد | شاہِ ما صادق محمد عزتِ عباسیاں،
حالِ دل از چشمِ من پرسید چوں گریہ کہ دل | چشمِ من بیند نہ ہر چشمے سرشکِ خوں رواں
موتِ سلطاں حسرتے دارد بعالم بے قیاس | زانکہ بینم در جہاں نالہ دُرا پیر و جواں
ایں چہ بینی آہ و زاری در ریاست روز و شب | گریہ سازد زہرہ ماہ و مشتری بر آسماں
شد بہاول پور تیرہ تر ز فوتِ شاہِ ما | وا دریغا حسرتا دردا بگرید کہکشاں،
سالِ پیدائش بر آمد از چراغ کامیاب (۱۲۷) | والا و اوال و پاک آمد از شد عمرِ رواں (۳۸ ۳۸ ۳۸)
گر ز من پرسی سنِ ترحیلِ اولے خواجہ تاش | درد با دل دل بہ غم مجموع شد تاریخ آں (۲۰۸ ۳۴ ۳۴ ۱۰۴۰ = ۱۳۱۶)
پارہ پارہ شد جگر، شد سینہ من شاخ شاخ | شد دلِ من داغ داغ از حسرتِ شاہِ جہاں

در فراقِ بیگم غفر لہا جاں را بسوخت ۱۳۱۶ — شد غذائش یادِ او ہر روز و شب چوں عاشقاں

از مجازی عشقِ او شد در حقیقت کارگہ — وصل با محبوبِ صادق کرد ہمچو کاملاں

مصرعِ موزونِ ترحیلش عزیز الدین گفت — کرد رحلت زیں جہاں آں عمدہ نوابِ زماں ۱۳۱۶ھ

اس مرثیہ سے پہلے ایک نہایت پُرسوز اور دردناک مرثیہ مولانا نے اپنی مخدومہ اور مربیہ علیا حضرت بیگم خیر النساء الملقب بہ مائی گاماں کی وفات پر لکھا، مائی گاماں نواب صبح صادق خلد آشیاں سے پہلے اسی سال ۱۳۱۶ھ میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ اور اس سے چند ماہ بعد مولانا کے سرپرست نواب صاحب نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اُوپر کے مرثیہ میں غفر لہا ۱۳۱۶ کے مادہ تاریخ کا اشارہ اسی بیگم مریم مکانی کی طرف ہے۔ لوحِ مزار کے لیے بیگم کی وفات پر یہ قطعہ لکھا:۔

عزیزا سالِ ترحیلش رقم کن — بنی المجتبیٰ بادا شفیعش ۱۳۱۶ھ

نواب صبح صادق نیکی کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، مذہب دوست تھے اور دین داری کا دلی پاس عباسی خاندان سے ورثہ میں پایا تھا، بیت اللہ شریف میں ایک سرائے تعمیر کرائی جس کا نام رباطِ صادق رکھا گیا، حجاجِ ریاست کے لیے یہ سرائے صادقیہ سنہ ۱۳۰۶ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ مولانا نے ذیل کا قطعہ دروازۂ رباط پر کندہ کرنے کیلئے لکھا:

بنیٰ الّذی امر نوابُ صادقِ محمّدٌ — لِحجاج بیتٍ بہٖ الملتزم

یقولُ العزیز بتاریخہا — رُباطٌ عدیم المثل فی الحرم ۱۳۰۶

ان کی فی البدیہہ تاریخ گوئی کا ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ جب گوجرانوالہ میں پہلی جامع مسجد سنہ ۱۳۰۱ھ میں شیخ نبی بخش سوداگر چرم نے تیار کرائی، شیخ نبی بخش کے بھائی شیخ صاحب دین مرحوم نگرانِ تعمیر تھے۔ مولانا سراج الدین صاحب نے جن کی خاطر یہ مسجد جامع تعمیر کرائی گئی تھی، مسجد کی پیشانی پر کتبہ کندہ کرانے کے لیے مولانا عزیز سے تاریخی قطعہ کے لیے کہا مولانا نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہا، جو اب تک مسجد کے اندرونی دروازے پر ثبت ہے۔

Marfat.com

۵۔ بسعیِ شیخ صاحب دین نبی بخش | زہے مسجد بنا گردید خوش تر
پئے اربابِ دیں جائے عبادت | برائے خود بہشتے ساخت برتر
اماش شد سراج الدین احمد | فقیہ و عابد و فاضل خردور
عزیزؔ از بہرِ تاریخش رقم زد | چہ فرخ جامعے اللہ اکبر

اسی مسجد کا باہر کا دروازہ ۱۴ سال بعد تعمیر ہوا۔ دروازے کی پیشانی کے لئے یہ قطعہ تاریخ ارتجالاً کہا جو اپنی جامعیت اور موزونیت کے لحاظ سے قابلِ داد ہے۔

چو مسجد حلیۂ اتمام پوشید | برائے سال کردم فکر رنگیں
بنجابم سیّد لولاکؐ فرمود | حدیثِ من نگار از کلکِ مشکیں
نوشتم حسبِ موقع حسبِ ارشاد | حدیثِ پُر معانی پُر مضامیں
دعا گویم برائے بانیٔ او | نبی بخشِ طفیلِ سورہ یٰسیں

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

یہ اشعار مولانا عزیز کے ہاتھ کے لکھے ہوئے جامع مسجد کے بیرونی دروازے کی پیشانی پر اب تک ثبت ہیں۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

قطعہ کے آخری شعر اگرچہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہے۔ اور اب وہ نقوش کچھ مٹتے جا رہے ہیں، تاہم نشانات صاف اور بیّن ہیں ؎

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست (مولانا روم)

تبرک کے طور پر اب پیرِ کامل عارف بہاول پور حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ والیٔ چاچڑاں شریف کی وفاتِ حسرت آیات پر مولانا عزیز کا قطعہ تاریخ وفات بھی سن لیجئے:

قطعہ تاریخ وفات حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ العزیز

هادیٔ شاہِ ما غلام فرید[1] | شربتِ مرگِ ناگہاں نوشید
در غم و رنجِ آں ولی اللہ | ماتمے نیست محشریست پدید
"آہ وافسوس و حسرتا دردا" | درجہاں دردِ ہر زباں گردید
چوں ننالند قدسیاں بہ عرش | چوں نگریند مشتری ناہید؟
گشت ماتم کدہ زمین و زماں | کسوتِ تعزیت فلک پوشید
آں چراغِ شریعتِ اسلام | آں سراجِ طریقتِ توحید
نصرت او رازِ شہپرِ جبریلؑ | حاصل او رازِ قدسیاں تائید
عاشقِ ذات، عارفِ کامل | شاعرِ باکمال ادیبِ وحید
فیضش انبار تا کراں بہ کراں | جودش از ہند تا عرب برسید
سالِ تاریخ ایں غمِ جاں سوز | از عزیزِ حزیں خرد پرسید
باعنانِ دلم زِ رنج و الم | گفت بلبل زِ باغِ فقر برید

۱۳۸۳ − ۶۴ = ۱۳۱۹ھ

یہ نمونہٗ کلام اُس قادر الکلام ناظمِ شیریں مقال کا ہے، جو تاریخ گوئی کے فن کا امام ہے اور نازشِ کشورِ پنجاب ہے۔ اِسی لیے ان کے کلام کو اصولِ تاریخ گوئی میں بطورِ حکم سامنے رکھا گیا ہے۔

اِسی دوران میں راقم الحروف کو اس کے بچپن کے دوست اور ہمدمِ دیرینہ بریگیڈیر سیّد نذیر علی شاہ صاحب کی ایک نہایت پُر از معلومات ادبی تصنیف کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس قیمتی کتاب کا نام فاضل مصنّف نے "فرید" رکھا ہے۔ اور حضرت فرید رحمۃ اللہ علیہ کے پاک حالات انگریزی زبان میں بیان کرنے کے لحاظ سے واقعی یہ کتاب اپنے رنگ اور موضوع میں فرید و وحید ہے۔ اس کتاب کے آغاز میں قابل مصنّف نے محل صادق گڑھ دین کی جامع مسجد کی تصویر شامل کی ہے جس میں حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ جب کبھی وہ اعلیٰ حضرت والیٔ ریاست بہاول پور کے مہمان ہوتے تو نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ یہ مسجد ہز ہائی نس جنّت مکاں اعلیٰ حضرت

[1] رسالہ لیل و نہار لاہور ۲۶ فروری ۱۹۶۱ء

نواب صادق محمد خان چہارم (موجودہ فرماں روا کے دادا) نے ۱۳۰۷ھ میں تعمیر کرائی۔ چنانچہ فریدؔ" میں اس مسجد کی تاریخِ بنا کا یہ قطعہ بھی نقل کیا گیا ہے، جو حضرت مولانا عزیزالدین کے نتائج فکر سے ہے :ے

زہے مسجدِ پاکِ عالی بنا — مُطلاّ و روشن مثالِ لآلی

عزیزا پئے سالِ تاریخِ او — بگو مسجدِ خوب سرکارِ عالی

۱۳۰۷

اسی جامع مسجد کے اندر دو اور قطعات ہیں جو تاریخ آغاز بنائے مسجد و تاریخ اختتام تعمیر مسجد پر مشتمل ہیں۔

اس قطعۂ بر محل و موزوں کے علاوہ شہر احمد پور کی جامع مسجد، بہاول پور کی مسجدِ دولت خانہ اور ریاست کی اکثر دُوسری جامع مساجد میں خود ان یاقوت قلم خوشنویس و شاعر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قطعات بطور کتبہ کندہ ہیں، اور اس طرح اُن کے شہرۂ آفاق دل پذیر نمونۂ خطاطی اور کمالِ فنِ تاریخ گوئی کو شہرتِ دوام اور قبول عام کی سند حاصل ہو چکی ہے۔

ریاست بہاول پور کے ایک اعلیٰ عہدیدار عبدالرحمٰن صاحب کے ہاں فرزند تولد ہونے کی صبح صبح خبر ملی تو ارتجالاً فرمایا:۔

غنچۂ مُژدہ صبحدم بدمید ۱۳۱۸ھ

مشیرِ فوج سیّد شیر شاہ مرحوم کے ہاں ۱۳۰۱ھ میں فرزندِ ارجمند کے تولد ہونے پر ذیل کے دو قطعات لکھے :ے

سپاسِ خداوندِ جاں آفریں — کہ داد است فرزندِ روشن جبیں

بکاشانۂ حضرتِ شیر شاہ — کہ سالارِ فوج است با زیب و زیں

چہ فرزند نور البصر و الدین — چہ فرزند لختِ جگر دل نشیں

پے سال رفتم بہ بحرِ قیاس — بگوشم چہ فرمود خضر ایں چنیں

زِ تاریخ سالش عیاں کن عزیز — بیوم خمیس از صفر پنجمیں

۱۳۰۱

۱۳۰۶ھ میں نواب صادق محمد خاں چہارم نے ایک سرائے تعمیر کرائی تو اس کی موزوں

تاریخ اس شعر سے ظاہر کی ؎

عزیزؔ از بہرِ تاریخش رقم زد — شہِ صادق محمد خان بانی
۱۳۰۶

سنہ ۱۹۰۱ء میں نواب مرحوم محمد بہاول خاں فرمانروائے ریاست بہاولپور نے موسم گرما میں اپنی ساری ریاست کا دورہ فرمایا، اس دورے کے حالات پر مشتمل ایک فارسی مثنوی لکھی۔ آغازِ مثنوی ملاحظہ فرمائیے :؎

سزد گر کلکِ من از شاخِ طوبیٰ — شود قرطاسِ من چوں دستِ بیضا
کم از انجم نہ ریزد خامۂ من — حروف و نقطہ بل چوں مہر روشن
تعالےٰ اللہ بہاول خاں بہادر — عجب دُرِّ یتیم و بے بہا دُر
دُرِ مکنوں ز دُرجِ بادشاہی — خطا کردم کہ او ظلِ الٰہی
گُلِ گلزارِ عباس است ہارون — کہ از زیب المنون مانند مامون
سخی صاحب حشم فخرِ برایا — ز خیرِ مقدمش شاداں رعایا
سیاحت کرد در ملکِ ریاست — بہ ہمت با فراست با دراست
اگر پائش فتد بر کاہِ بے آب — ہماں دم مے شود سر سبز و شاداب
طراوت آں قدر پیوستہ گردد — ثمر در شاخِ آہو بستہ گردد
گرفتم خامۂ زرّیں نگارے — برائے سالِ سیرِ شہریارے
عزیزا گو کہ بہر کس سمات است — بآئینِ زبر ہم بیّنات است
سیاحت شد بہ سال خود صلا دہ — ز سُبحانَ الّذی اسریٰ بعبدہٖ (۱۹۰۱)

۱؎ یہ مادۂ تاریخ صنعتِ زبر و بیّنات میں سے ہے۔ اس کی نسبت مضامین تاریخ گوئی کی پہلی اقساط میں پوری وضاحت ہو چکی ہے۔ قارئین کرام کی مزید سہولت کے لیے نقشہ اعداد درج ذیل ہے۔ اور تاریخ گوئی کی مشکل ترین صنعتوں میں سے ہے:۔

زا = ۸ حا = ۹ الف = ۱۱۱ با = ۱۱ را = ۲۰۱ عین = ۱۳۰ ہا = ۶
سین = ۱۲۰ الف = ۱۱۱ لام = ۷۱ الف = ۱۱۱ یا = ۱۱ با = ۳
با = ۳ زن = ۱۰۶ ذال = ۷۳۱ سین = ۱۲۰ با = ۳ دال = ۳۵ — ۱۹۰۱

Marfat.com

۱۳۰۵ھ میں رئیس بہاول پور سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کے ہاں فرزند تولد ہونے پر فی البدیہہ چراغ عالم الدین کہا، دوسرے قطعات کے علاوہ ذیل کا قطعہ قابل ذکر ہے :ـ

مہ یوسف لقا چوں گشت پیدا — مبارک صد زلیخائے جہاں گفت
ز کنعاں طبع پیر آرزو مند، — بگوشم نور چشم خانداں گفت
۱۳۰۵

انہی مشیر حاضر باش نواب بہاول پور یعنی سید غلام مرتضیٰ شاہ صاحب کے فرزند اکبر سید مظفر علی شاہ کے ہاں ۱۳۰۶ھ میں فرزند تولد ہوا تو زبر و بینات میں ذیل کا قطعۂ تاریخ ولادت لکھا گیا :ـ

خدا نے جب مظفر شاہ علی کو — دیا یوسف لقا نیکو پسر ہے
ہر اک جانب سے بُشریٰ کی صدا ہے — جہاں میں عیش و شادی سر بسر ہے
نہالِ عزّت و عظمت کا یہ پھول — درختِ شادمانی کا ثمر ہے
ہویدا رُخ سے ہے نورِ سعادت — عیاں مکھڑے سے عزّت کا اثر ہے
کہاں تک میں لکھوں تعریف اس کی — سپہرِ حسن پر شمس و قمر ہے
زبر اور بیّنات اس کی بنا کر — مجھے دی قدسیوں نے یہ خبر ہے
عزیز اس گلبنِ خوبی کی تاریخ — کہو : واہ سُرمۂ چشمِ پدر ہے

صنعتِ زبر و بیّنات کی ایک اور مثال۔ وزیر اعظم بہاول پور کے فرزند کی تاریخ ولادت :ـ

بشکوئے دستورِ اعظم محمود — خداداد فرزندِ فرخ سیر
چہ گویم پسر غازۂ نورِ جاں — درِ گوشِ دل توتیائے بصر
پسر نورِ دیدہ، پسر نورِ دل — پسر نامدار و پسر نامور
پسر جادہ میں است چوں ماہِ نو — پئے حاسداں خار شد در جگر
گرفتم پئے سالِ او چوں قلم — بگفتا بگوشم جنابِ خضر
بطرز زبر بیّنات اے عزیز — بگو زہ زہ آں نورِ چشمِ پدر
۱۳۰۷

Marfat.com

عید رمضان کی تہنیت کے طور پر نواب صاحب کے حضور میں یہ عیدی گزرانی، دونوں مصرعوں سے علیحدہ علیحدہ تاریخ سالِ عید رمضان ۱۳۱۴ھ ہویدا ہے۔

بود مبارکِ گلبانگِ خاص عیدِ صیام ‏ ‏ ‏ بشاہِ قبۂ اسلام تا بروزِ قیام

ایک چبوترہ جو مسجد کے طور پر محل کے باہر استعمال ہوتا تھا اسی سال ۱۳۱۴ھ میں نواب عالی جاہ کے حکم سے اس کی ترمیم اور بعد میں بصورتِ مسجد تکمیل ہوئی۔ اس کا سال ابتدائے ترمیم اور سالِ تکمیل ملاحظہ ہو:۔

سجدہ گاہِ قدیم و دیرینہ ‏ ‏ ‏ شد ز فرمانِ صبحِ صادق خاں
با رواقِ جدید ترمیمش ‏ ‏ ‏ از سرِ نو مثالِ قصرِ جناں
ز ابتدائے بنا عزیز الدین ‏ ‏ ‏ گفت سالش ز آیتِ قرآں

یا ایہا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا
۱۲۹۶ھ

فکر کردم بہ سالِ ترمیمش ‏ ‏ ‏ گفت ہاتف مرا بجوشِ الحال
گو عزیزا سنِ مرمتِ او ‏ ‏ ‏ جائے اسلام مسجدِ ذی شان
۱۳۱۴ھ

نواب عرش آشیاں شاہ صادق محمد خان کو تعمیرِ مساجد کا بڑا شوق عشق کے درجہ تک پہنچ چکا تھا۔ ۱۳۰۱ھ میں ایک اور شاہی مسجد تعمیر کرائی گئی، اس کی تاریخ تکمیل ۱۳۰۱ھ اور پھر تاریخ مرمت ۱۳۱۲ھ ان قطعات سے ظاہر ہے:۔

شہنشاہِ زمانہ صبحِ صادق ‏ ‏ ‏ چو مسجد ساختہ بازینت و شایاں
چہ مسجد، مسجدِ اقصائے ثانی ‏ ‏ ‏ چہ خانہ، خانۂ بے چون یزداں
زہے شانِ علو و رفعتِ او ‏ ‏ ‏ خہی طرزِ دلآویزِ فراواں
فزوں از شرحِ من نقش و نگارش ‏ ‏ ‏ کتابہ اش مجلا و زرافشاں
عزیز از طبع خود پرسید سالش ‏ ‏ ‏ بگفتا مسجدِ پر فیض ایماں
۱۳۰۱

دیگر

زہے مسجد کہ سرکارش بنا کرد　　مبارک مومنِ فرخندہ پے را
عزیز از روے زینت گفت سالش　　جزاک اللہ فی الدارین خیرا

قطعہ مرمت مسجد مذکور

جامعے کز التفاتِ شاہِ من　　شد مرمت ہمچو فردوسِ بریں
مومناں از دیدنش گشتند شاد　　ز آسماں آمد صدائے آفریں
گو عزیز الدین سنِ ترمیمِ او　　شد مرمت جامعِ سلطانِ دیں
۱۳۱۲

مسجد جامع دولت خانہ سرکار بہاول پور کی تاریخِ بنا

مسجدِ جامع بفضلِ کردگار　　شد بنا با زیب و تحریرِ نفیس
گفت استادِ ازل سالش عزیز　　بانیش صادق محمد خاں نویس
۱۳۰۱

ازیں آیت شریف نیز تاریخ مسجد ظاہر است: یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا [1]
۱۳۰۱

قطعہ دیگر در اختتامِ مسجد

بنا کرد مسجد شہِ ذی نوال　　پے طاعتِ قادرِ ذوالجلال
خرد گفت سالش بگوشِ عزیز　　بگو سالِ تاریخ تاریخِ سال
۱۳۰۲

---

[1] بحوالہ العجائب مؤلفہ شمس العلماء مولانا محمد حسین مرحوم پروفیسر فارسی مشن کالج لاہور ---- حاشیہ صفحہ ۱۲ مطبوعہ ۱۹۱۷ء سیکنڈ ایڈیشن - یہ کتاب فارسی انٹرمیڈیٹ کورس پنجاب یونیورسٹی میں شامل تھی۔ اس کتاب کے حاشیہ بر صفحہ ۷ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا عزیز الدین مرحوم علم جفر میں بھی کامل استعداد رکھتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ علم جفر اور فنِ تاریخ گوئی کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے

Marfat.com

پیرِ معظم حضرت الٰہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مولانا عزیز کا ایک دلدوز قطعہ تاریخ ہے۔ چند شعر سنیے:۔

چو الٰہ بخشِ معظم پیرِ ما	شد ازیں دارِ فنا در خلد خُفت
بست و نہ بُد از جمادی اوّلیں	روزِ شنبہ جانش با حق گشت جُفت
ایں چنیں در سلکِ فقرِ بے ریا	آسماں از دستِ خود گوھر نسُفت
سالِ ترحیلش بگوشِ من عزیزؔ	رحمتِ حق باد بر جانش بگفت

۱۳۱۹ھ

اسی سال والیٔ ریاست بہاول پور نواب محمد بہاول خان پنجم مغفور نے پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اس کامیابی کی تہنیت میں ایک تاریخی مثنوی ۴۸ اشعار کی رقم فرمائی گئی۔ مثنوی کے آخری چار شعر ملاحظہ کیجیے:۔

گرفتم خامۂ معجز رقم را	پئے سالش بفکرِ عرش پیما
دلم دادہ بتارِ بخشش براتے	بقانونِ زُبُر ہم بتینا تے
نوشتم سالِ پاسِ شاہِ گیہاں	بہ موزونی مصرع از دل وجاں
فلک احسن ملک فرمود یہ یہ	زہے پاسِ بہاول خان وہ وہ

مصرعۂ آخر سے زُبر بیّنات کے اعداد جمع کرنے سے سال ۱۳۱۹ھ نکلتا ہے۔

اسی تقریب پر ایک اور قصیدہ تاریخیہ لکھا گیا، جو ۲۲ شعروں پر مشتمل ہے۔ مطلع اور مقطع کے ساتھ ملحقہ ضروری اشعار درج ذیل ہیں:۔

صبحدم کز جانبِ مشرق بر آمد آفتاب	ہمچہ بختِ بادشاہ بیدار شد چشم زخواب
بہرِ سالش برگرفتم خامۂ زریں نگار	گفت طبعم اے عزیزِ دین احمد گو شتاب

مصرعِ برجستہ ترگفتم چو دُرِّ شاہوار
عمدہ نوّابِ جہاں در امتحاں شد کامیاب

۱۳۱۹ھ

بہاول پور میں حافظ محمد بخش مرحوم کی مسجد کافی مشہور تھی۔ اس کی بنیاد ۱۳۰۵ھ میں رکھی گئی۔ لیکن اُسے ۱۳۱۲ھ میں وسیع کر کے شان دار مسجد تعمیر کی گئی۔ دونوں سالوں کی تاریخیں لکھی گئیں ؎

محمد بخش حافظ نیک کردار | چو مسجد ساخت با زیب زیں لبس
فلک فرمود تاریخ بنائش | ہمانا ثانی بیت المقدس

۱۳۰۵ھ

دیگر

بنا کرد حافظ چہ مسجد عجیب | پئے طاعتِ قادرِ ذوالجلال
چو پرسیدم از عقل تاریخ او | بگفتا خہی مسجدِ بے مثال

۱۳۰۵

درِ بہشت بریں محمد بخش | جائے دل کش بخویش کرد بنا
از پئے سال او مؤذنِ دل | بانگ زد خانۂ خدائے ما

۱۳۱۲ھ

دیگر

بنا کردہ محمد بخش مسجد | چہ مسجد بل بہشتِ خوب و خوش تر
عزیز از پئے سالِ بنائش | بگو خوش مسجدے اللہ اکبر

۱۳۱۲ھ

دیگر

در بہاول پور مسجد شد بنا | از محمد بخش صاحب ذی کرم
گفت ہاتف سال تعمیرش عزیز | خوش بگو کیں ثانیِ بیت الحرام

۱۳۱۲

تاریخی قطعات و قصائد میں سے جو کچھ نقل کیا جا چکا ہے۔ اُسے دانہ از خروار یا قطرہ

Marfat.com

از بحر ذخار سمجھنا چاہیئے۔ مجھے اپنے مکرم دوست بریگیڈیر سید نذیر علی شاہ کا ممنون منت ہونا چاہیئے کہ انھوں نے حال ہی میں صادق الاخبار بہاولپور کے پرانے فائلوں میں سے ۲۶ جولائی ۱۸۸۶ء مطابق ۱۵ ماہ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ آج سے قریباً ۷۷ سال پہلے کی مولانا عزیزیہ کی ایک غزل نقل کر کے بھیجی ہے۔ جسے قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے درج کیا جاتا ہے

غزل

کہ است زہرہ کہ با یار کار زار کند — کہ کمترین نگہش کار ذوالفقار کند
جفا مسنج و ستم مشمر و ستیزہ مخواہ — بزخم ترک من آرائش شکار کند
بحکم گوشہ چشم تو ہے زنیم قدح — وگرنہ کیست کہ بے ہوشی اختیار کند
لبت اگر بہ تبسم نمک فشاں نشود — دل و جگر بہ چہ امید کس فگار کند
بہ نرخ مشک فروشند خاک اقلیمے — کہ باد از سر زلفت بداں گزار کند
رہین منت خوئے توام کہ ہر نفسم — بہ بخشش تو ستم تازہ شرمسار کند

گذاشتم روش سرکشی عزیزیہ کنوں
بخاکساری من خاک افتخار کند

آپ کا دیوان جس میں زیادہ صوفیانہ کلام ہے اور نعتیہ اشعار ہیں، ۲۰۰ صفحات سے اوپر ہے لیکن افسوس ہے کہ امتداد زمانہ کی وجہ سے بہت سا قیمتی حصہ اس دیوان کا ضائع ہو چکا ہے۔ نمونہ کلام کے طور پر دو غزلیں یہاں نقل کی جاتی ہیں:۔

غزل

افگند بغم نگار مارا — بسپرد بہ رنج یار مارا
بر باد برنج و غم ہا داد — آرام دل نزار مارا
در قلب دم خیال زلفش — ہر تار گزد چو مار مارا
از چہرہ نقاب چوں فگندش — شد روز چو لیل تار مارا

بر لوحِ بریں قلم نوید — ہر شعر با فتخار مارا
آتش چہ کند بمن عزیزا — بس آب چہار یار مارا

(غزل دیگر)

چشمِ من بے روئے تو ہر شب گہر ریزی کند — دُودِ آہِ آتشینم شعلہ انگیزی کند
در خیالِ زلفِ مشکینت دلِ شیدائے من — تا سحر در خواندنِ واللیل شب خیزی کند
بیوفائی بیں زند فرہاد چوں تیشہ بسر — از غمش بگذشت شیریں جشنِ پرویزی کند
جوشِ وحشت حیف در یکجا قرارش کے دہد — چونکہ دل را شہسوارِ شوق مہمیزی کند
تلخ کامانِ الم را کامِ جاں شیریں شود — در سخن لعلِ لبش چوں شکر آمیزی کند
صد ہزاراں دلِ رُباید پیچ و تابِ زلفِ او — چونکہ بہ رُخسارِ زیبا اش دلآویزی کند

ایں غزل از شوخیِ فکرت چہ گفتی اے عزیز
مرحبا صد بار از دل رُوحِ تبریزی کند

مرحوم مولانا گرامی استاد نظام دکن کی ایک غزل ہفتہ وار اخبار وکیل امرتسر ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی جس کا مطلع تھا:—

دودِ آہم حلقہ بر زد آسماں نامید مش — سینہ ام شد منزلِ غمہا جہاں نامید مش

مولانا عزیز کو یہ غزل بہت پسند آئی "جواب ایں غزل" کے طور پر تو نہیں لیکن اسی زمین میں اُنہوں نے بھی ایک غزل کہی جس میں مذہب کا رنگ جھلکتا ہے یہ غزل صادق الاخبار بہاولپور میں شائع ہوئی۔

غزل

کج کلاہی را چو دیدم شہجہاں نامید مش — بر دُو شوخے دلِ زد ستم دلستاں نامید مش
سبز شد خامہ بدستم چوں خطِ سبزش نوشت — از صریرش طوطیِ شکر زباں نامید مش
یک نظر سیرِ لبِ لعلش بخواہم دست داد — شوخیِ گلگونہ را لعلِ یماں نامید مش

Marfat.com

گشت در کشتِ دلِ من زردیِ ہجراں فلک ــــ من زردے بخندہ کشتِ زعفراں نامیدمش
دستانِ من بہ ترغیبِ رقیب کینہ سوز ــــ داد دشنامم بشوخی ارمغاں نامیدمش
از پئے دادن زکوٰۃِ حسنِ دل کش گفتمش ــــ از تغافل شد رواں گنجِ رواں نامیدمش
شاہِ من صادق محمد خاں کہ از عدل و کرم ــــ افتخارِ دودۂ عباسیاں نامیدمش
طرحِ نو دیدم گرامی ریخت از نوکِ قلم ــــ در فصاحت شاعرِ شیریں بیاں نامیدمش

خاکپائے چار یارانِ محمدؐ شو عزیز
ایں عقیدہ را نجاتِ جاوداں نامیدمش

مسدسِ نعتیہ بہ تضمینِ شعرِ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

کُنم نعتِ محبوبِ ربِ کریم ــــ کہ منجیست در روزِ امید و بیم
عظیمٌ فہیمٌ رحیمٌ کلیمٌ ــــ شہیمٌ زعیمٌ کظیمٌ بسیمٌ
شفیعٌ مطاعٌ نبیٌ کریم
قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیم

ھُوَ الرُّوحُ فی جسدِ کُلِ الانام ــــ علیہِ الصلوٰۃ علیہِ السلام
فضلُ علیٰ رُوحِ خیرُ الانام ــــ تزوّرُ حبالِ النبیؐ فی المنام
شفیعٌ .. ..

شہنشاہِ رسل امامِ رُسُل ــــ سر مرسلین سرورِ جزو و کُل
مہِ اوجِ دیں اسروِ باغِ سُبُل ــــ بگلزارِ عالم شگفتہ چو گُل
شفیعٌ مطاعٌ .. ..

خدا کرد وصفش بہ قرآں بیاں ــــ کنم وصفش از شوق وردِ زباں

Marfat.com

امینِ خداوندِ کون و مکان — امیرٌ مطاعٌ فصیح اللسان

شفیعٌ مطاعٌ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

شبے از خدااتش بر اُفقش رسید — بجنبک زدن شد بعرشِ مجید

ندانم کجا رفت و دیگر چہ دید — کہ چشمے ندیدہ نہ گوشے شنید

شفیعٌ مطاعٌ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

رسولے کہ چرخِ نہم جائے او — شرف یافت عرش از کفِ پائے او

شدہ عقلِ کل پرتوِ رائے او — سپہ چار دہ عکسِ سیمائے او

شفیعٌ مطاعٌ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

شفیع الامم سرورِ کائنات — جنابِ محمّد علیہ الصلوٰت

رسولِ عرب سیّدِ پاک ذات — صلاحِ حیات و فلاحِ ممات

شفیعٌ مطاعٌ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

پئے عاصیاں آیۂ رحمت است — ز سرتا بپا سایۂ رحمت است

زہے پایۂ پایۂ رحمت است — برائے ہمہ مایۂ رحمت است

شفیعٌ مطاعٌ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

ابوبکرؓ روشن دل و رہنمائے — عمرؓ حامیِ دین و پاکیزہ رائے

خدا دوست عثمانؓ کانِ حیا — علیؓ ولی سیّد الاولیاء

شفیعٌ مطاعٌ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

جگر گوشگانِ رسولِ خدا — حسینؓ و حسنؓ سرورِ دو سرا

دل و جانِ ما شد بر ایشاں فدا — ہمیں شعر شد روز و شب وِردِ ما

شفیعٌ مطاعٌ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

بدل دارم ایں آرزو روز و شب — کنم ہند را ترک بہرِ عرب

Marfat.com

رسم در مدینہ بعیش و طرب بخرامم بدرگاہ او با ادب
شفیعٌ مطاعٌ ... ...

خوش آں روز باشد کہ بینم حرم بچشمانِ خود سرمہ راہش کنم
باشکِ ندامت زمیں تر کنم صفائے بجاروبِ مژگاں دہم
شفیعٌ مطاعٌ ... ...

خدایا پئے احمدِ ذی الکرم بکش بر گناہم زِ عفوت قلم
بلوحِ دلِ خویش کردم رقم ہمیں شعرِ سعدیؔ فرخ شیم
شفیعٌ مطاعٌ نبیٌ کریم
قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیم

اس ایک سو ایک شعروں کی تضمین کا ہر بند اپنی طرف دل کھینچ لیتا ہے، دو تین بند "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر نقل کرنے بیٹھا تھا کہ پورے بارہ بند نقل کر کے بھی شوقِ طبیعت کم نہیں ہوا۔

یار زندہ صحبت باقی۔ اب اگلی قسط سے رجوع الی المقصود یعنی فنِ تاریخ گوئی پر باقی ماندہ بحث شروع ہو گی۔ وما توفیقی الّا باللہ

محمد کریم است دیزدال رحیم عزیزا چہ غم از عذاب الیم

اتفاق سے مولانا عزیز الدین مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تین چار قطعے میسر آ گئے ہیں۔ ان قطعات کے بلاک بطورِ تبرک ہدیہ ناظرین کیے جا رہے ہیں۔ آج سے قریباً ستر سال قبل کی خوشنویسی کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ قطعہ کا ہر نقطہ اور ہر حرف آنکھوں سے لگانے سے طبیعت سیر نہیں ہوتی ___ موجودہ زمانے میں خطاط حضرات نے خطِ نستعلیق میں پہلے اساتذہ کے خط سے انحراف کر کے جو ترمیمیں کی ہیں، ان کا کچھ اندازہ اس قطعہ کے دیکھنے سے، خوشنویسی سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو ہو سکے گا۔ ان کے خطِ ناخن کا بھی عکس دلپذیر شامل ہے۔

Marfat.com

سما بر آستانش سجدہ ریز است   صبا بر استخوانش گل دمانا د

حیاتِ عزیز کا براہ راست بھی فنِ تاریخ گوئی سے تعلق ہے اور بالواسطہ بھی اس باکمال تاریخ گو کے کلام سے تاریخ گوئی کے نادر جواہر پارے اور نایاب دُرہائے گراں مایہ مشتاقانِ فن کو مل سکتے ہیں۔ یہ انتخاب غیر مفید نہیں ہوگا اور اس مقالہ کو تاریخ گوئی کی ایک ضروری کڑی سمجھا جائے گا، جناب عزیز کا زیادہ وُہ کلام درج کیا گیا ہے جو اب تک غیر مطبوعہ تھا۔ یہ حصّہ بجائے خود ایسا مقالہ علمی ہے جس میں پنجاب کے ایک ایسے فارسی گو شاعر کے حالات حیات آگئے ہیں جو کسی ریسرچ سکالر کی توجہ کے محتاج تھے۔ حیات عزیز اپنی جگہ پر ایک پائیدار مستقل مضمون ہے کہ دُنیا کو ایسے باکمال شخص سے روشناس کرایا گیا ہے جو آج تک گوشہ گمنامی میں پڑا تھا۔ اور جس نے گراں مایہ سخن اند بحرِ پنجاب" کے موتی بساطِ علم و ہنر پہ بکھیرے۔

یائے معروف اور یائے مجہول کے اعداد

تاریخ گوئی میں زیادہ تر ٹھوکریں شعراء نے ہمزہ، الف ممدودہ اور تائے مدوّرہ کے عدد لینے میں کھائی ہیں، بحمد اللہ کہ اس موضوع پر کافی سیر حاصل بحث ان اوراق میں آچکی ہے اور اہل علم کے لیے وُہ بحث حرفِ آخر کی حیثیت رکھے گی اب چند اور الفاظ ایسے رہ گئے ہیں جن میں اگرچہ استادانِ فن نے کبھی ٹھوکر نہیں کھائی لیکن حضرت جلال لکھنوی اور حضرت تسلیم سہسوانی نے اپنی تالیفات میں ان کا الگ الگ ذکر کرکے بحث کا دروازہ کھول دیا ہے پھر بھی راقم الحروف کی اِن الفاظ کی نسبت جو آخری رائے ہے وُہ اختصار کے طور پر قارئین کرام کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

الفاظ: کوئی، روئی، سوئی، ہوئی، گئی، نئی، پائی، آئی میں یائے معروف کے ۱۰ عدد لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یائے مجہول کے الفاظ مثلاً گئے۔ لیے۔ دیے۔ دیجے

نئے میں ۲۰ عدد لیے جاتے ہیں۔ لیکن وا ئے۔ آئے۔ جائے۔ پائے۔ کھائے۔ لائے میں یائے مجہول کے صرف ۱۰ عدد لیے جائیں گے۔ فارسی کے لفظ "برائے" میں یا کے ۱۰ عدد ہیں۔

اساتذہ کے کلام میں یائے مجہول کے آئے جائے میں دس عدد ہی لئے جانے کا دستور ہے۔ اس معاملہ میں حضرت جلال لکھنوی اور حضرت تسلیم سہسوانی کی آپس میں نوک جھونک کافی مشہور ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت جلال کا مسلک درست ہے اور ایسے الفاظ میں یائے مجہول کے صرف دس عدد ہی لینے چاہئیں۔ اس کی نسبت جو اسناد ذہن میں ہیں پیش کرتا ہوں :-

میر مہدی مجروح دہلوی مرحوم نے فخرالدین خان کی تاریخ وفات یہ کہی :-

سالِ رحلت بگفت ہاتفِ غیب ‏ ‏ اے ترا خلد باد ماوائے
۱۳۱۱

حضرت امیر مینائی کا نواب محمد یوسف علی خان کی وفات پر مادہ تاریخ :-

"مسند آرائے جہاں شد یوسفِ دورانِ من"

میں یائے مجہول کے ۱۰ عدد لیے ہیں، سالِ وفات ۱۲۸۱ ظاہر ہے۔

"خیابانِ تاریخ" کے مؤلف جویا مرادآبادی کا مصرع تاریخ ہے : مہاراجہ تشریف لائے کہا
۱۲۸۶

عزیز لکھنوی مرحوم کا بھی اس سلسلے میں ایک مادہ تاریخ ہے :

جلوہ دارد روئے سلمائے سخن
(۱۳۲۰)

بہ تختِ سلطنت بنشست و حالی گفت تاریخش ‏ ‏ بہائے شہ مبارک تاج و اورنگ جہانبانی
۱۳۰۱

اس میں ماوائے، مسند آرائے، لائے، برائے اور سلمائے کی یائے مجہول کے دس دس عدد ہی سب حضرات نے شمار کیے ہیں۔ البتہ سید اولوحسین کے اعداد کے معاملے میں ضامن علی جلال کو تسامح ہوا ہے۔ وہ صرف ایک یا کے عدد لیتے ہیں، حالانکہ مکتوبی صورت میں دو یا واقع ہوئی ہیں۔ تسلیم سہسوانی نے جلال پر اعتراض وارد کیا ہے اور حق

یہ ہے کہ اس بحث میں تسلیم حق پر ہیں خاتم النبیین میں بھی حضرت جلالؔ نے صرف ایک یا کے عدد محسوب کرنے میں غلطی کی ہے یہاں بھی دو دیا ہیں، اور کل عدد ۱۱۹۴ ہیں ۱۱۸۴ نہیں ہیں اور جلالؔ کا مسلک محلِ نظر ہے۔

صنائع تاریخ گوئی

تاریخ گوئی کی صنعتوں کا ذکر پہلے ضمناً پہ آچکا ہے جس میں صنعتِ حسابیہ اور صنعتِ اوائل کی مثالیں عرض کی جا چکی ہیں، اس سلسلے میں صنعتِ متضاد کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔ سالکؔ دہلوی نے اپنے ایک عزیز کی وفات پر جو ۱۲۷۶ھ میں واقع ہوئی حسب ذیل قطعہ تاریخ لکھا:۔

جان لے جبکہ نکلے جانِ عزیز ~ ملے بے شبہ اسے خجستہ نہاد

(جانِ عزیز = ۱۴۸)

خاک (۶۲۱) میں + خاک (۶۲۱) اور آگ (۲۱) میں + آگ (۲۱) پانی (۶۳) میں + پانی (۶۳) اور باد (۷) میں + باد (۷) = ۱۴۲۴

میزان کل ۱۴۲۴ میں سے جانِ عزیز کے عدد ۱۴۸ اگر نکال دیں تو تاریخ سال وفات ۱۲۷۶ نکلتی ہے۔

زبر و بینات کی صنعت کا تو تفصیل سے ذکر پہلے آچکا ہے۔ اور کلامِ عزیزؔ میں اس کی کافی مثالیں ملتی ہیں۔ اس صنعت میں مادۂ تاریخ پیدا کرنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ اور جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، مساوی الاعداد الفاظ کی کوئی ڈکشنری ناظم کی رہنمائی یا دستگیری نہیں کر سکتی۔

اس سلسلے میں ایک پرانا حوالہ یاد آگیا، امروز لاہور کی ۲ر فروری ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں جناب حفیظ ہوشیارپوری کا ایک ادبی مکتوب "اختر شیرانی کے تاریخی نام" کے عنوان سے شائع ہوا۔ فاضل مکتوب نگار اپنے حلقۂ ادب میں اپنی تاریخ گوئی کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے ہیں، چنانچہ ان دنوں کا ذکر ہے کہ لاہور ریڈیو اسٹیشن نے اپنے ایک جلسے کے دعوتی رقعے بھی حفیظ صاحب سے تاریخ گوئی کی صنعت میں

Marfat.com

لکھوا کر جاری کیے تھے۔ ویسے بھی ان دنوں فاضل ادیب کی تاریخ گوئی کے نمونے اکثر رسالوں میں اشاعت پاتے تھے۔

ماہِ نو کراچی کے جنوری ۱۹۴۹ء کے پرچے میں اختر شیرانی مرحوم پر ادیس احمد صاحب ادیب کراچی کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں مضمون نگار نے اختر شیرانی مرحوم کے استاذی المحترم حافظ محمود احمد شیرانی مرحوم سابق پروفیسر ادبیات اسلامیہ کالج لاہور کے ادبی کمالات کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا کہ حافظ محمود مرحوم نے اپنے فرزند دلبند اختر شیرانی کے کئی ایک تاریخی نام بھی تجویز کیے تھے جو حسب ذیل ہیں:

منصور خان ۔ مسعود خسرو، علی بختیار ۔ سلیم منصور، خالد منصور، علی سرور اور فرید الدین جنید۔

اختر شیرانی حافظ مغفور کے لختِ جگر اور نورِ نظر تھے۔ ان کی ولادت پر وہ فرطِ مسرت سے اپنے علمی کمالات کی جتنی بھی نمائش کرتے کم تھی۔ لیکن اس نمائش والہانہ میں بھی انھوں نے ادبِ اردو پر احسانِ عظیم کیا۔ کہ ان کی ادبی اور علمی کاوش سے نکالے ہوئے یہ تاریخی نام ہم ایسے کم علموں کے لیے اپنے لیے درس علم و بصیرت رکھتے ہیں۔

حفیظ صاحب نے اپنے مضمون میں تحریر فرمایا کہ صرف علی بختیار سے مادۂ تاریخ ۱۳۲۲ نکلتا ہے۔ باقی کسی نام سے یہ تاریخ پیدا نہیں ہوتی ——— میں نے اس مضمون کے تعاقب میں "امروز" ہی میں لکھا کہ حفیظ صاحب کو غالباً صنعتِ زبر و بیّنات کا علم نہیں ورنہ وہ حافظ محمود شیرانی کے کمالات کا اس طرح انکار نہ کرتے۔

اس صنعت میں کبھی تو صاحب فن کسی مادۂ تاریخ میں صرف بیّنات کے اعداد لے کر تاریخ نکالتے ہیں، کبھی زبر و بیّنات دونوں جمع کر کے مادہ تاریخ پیش کرتے ہیں، اور کبھی زبر کے عدد علیحدہ اور پھر اس میں زبر و بیّنات دونوں کے اعداد جمع کر کے تاریخ نکالی جا

ہے۔ میں نے صفحاتِ ماسبق میں زبر و بیّنات کی مثالیں بھی پیش کر دی ہوئی ہیں۔ اختر شیرانی کے تاریخی نام اس فن کا نادر نمونہ ہیں۔ اور ہر تاریخی نام پہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

حفیظ صاحب نے تو اپنے رنگ میں بیک جنبشِ قلم حافظ محمود شیرانی ایسی فاضل شخصیت کا مذاق اُڑا دیا اور صرف "علی بختیار" کی صحت کا اعتراف کیا، حالانکہ فنِ تاریخ گوئی کے اصول سے یہ سارے نام ہی صحیح ہیں۔ منصور خاں، مسعود خسرو اور خالد منصور سے ۱۳۲۳ بحساب زبر و بیّنات ظاہر ہوتا ہے۔ سلیم منصور۔ علی سرور اور فرید الدین جنید سے بحساب جمل مع زبر و بیّنات سال ۱۳۲۳ نکلتا ہے تاریخ گوئی کے لیے صرف "ابجد شناس" ہونا ہی ضروری نہیں۔ بلکہ ابجد کے قواعد کا علم بھی ضروری ہوتا ہے۔ ایک سائنس اگر سائنسی علم کو "دریاد" کہہ سکتا ہے تو ابجد شناس لوگوں کو سائنس سے تو زیادہ حق دیجیے کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ علم بھی "دریاد" ہے۔

اور ۶- نہ ہر کہ سر تبراشد قلندری داند [۵۱]

بعض اوقات محض حروف کے اُلٹ پھیر سے کئی تاریخی مادے معنوی اعتبار سے نہایت بلند پایہ ہو جاتے ہیں، چنانچہ منقول [۵۲] ہے کہ کسی جنازہ کے لے جانے کے وقت زور سے آندھی چلی اور مٹی اُڑا دی، ایک تاریخ گو شاعر ہمراہ جنازہ تھا، اُس نے کہا (مٹی خراب ۱۲۵۳) یہ تاریخ وفات کا مادہ بن گیا، وہاں ایک صاحب دل بھی موجود تھے۔ انھوں نے فرمایا، کہ مسلمان کا جنازہ ہے، ایسا مت کہو۔ یہ بھی تو کہہ سکتے ہو "مات بخیر ۱۲۵۳" دیکھیے، اس میں وہی حروف ہیں لیکن ذرا سے اُلٹ پھیر سے نہایت ہی برمحل مادہ تاریخ حاصل ہو گیا۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے سالِ ولادت - صدق - عمر - اور وفات کے تاریخی مادے کسی بزرگ نے یوں لکھے

۵۱- روزنامہ "امروز" لاہور ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء

۵۲- ملفوظات حصہ ششم از حضرت شیخ تھانوی، ماخوذ از رسالہ المبلغ بابت جمادی الاول سنہ ۱۳۶۰ھ

۵۳- روض الریاحین۔ صفحہ ۱۲۵ ترجمہ بستان المحدثین از حضرت شاہ عبدالعزیز رح

Marfat.com

وَلَدُہٗ فِی صِدق   دعاش حمید   ومات فی نور
۱۹۴   ۶۲   ۲۵۶

تاریخ گوئی کے صنائع بدائع کے ماتحت ہر فاضل تاریخ گو شاعر نے اپنے اپنے رنگ میں تاریخ گوئی کی ایسی صنعتوں کی ایجاد کی ہے جن کی مثال پہلے شعراء کے کلام میں نہیں ملتی، علی حیدر معمائی تاریخ گوئی کے کامل سخنور تھے۔ لیکن بارھویں اور تیرھویں صدی کے تاریخ گو شعراء میں عبدالجلیل بلگرامی، منشی امیراللہ تسلیم لکھنوی، شیخ امام بخش ناسخ لکھنوی، ذکی مرادآبادی، اور جناب تسلیم سہسوانی اپنے زمانے کے استادانِ فن میں سے تھے، ان کے بعد موجودہ صدی کے باکمال تاریخ گو مولانا عزیزالدین عزیز کے حالاتِ زندگی پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہو چکا ہے تسلیم لکھنوی، ناسخ اور ذکی مرادآبادی کی اختراعات و کلامِ بدیع کے نمونے منشی انواراللہ تسلیم سہسوانی نے اپنے رسالے میں نہایت تفصیل سے دیئے ہیں۔ ذیل کے قطعات اسی رسالے سے نقل کئے جاتے ہیں :-

(۱) ۱۱۸۸ھ میں نواب آصف الدولہ والی اودھ نے حافظ رحمت خان والی روہیلکھنڈ پر فتح پائی تو عبدالجلیل بلگرامی نے تاریخ گوئی کی نہایت پُر لطف اختراع پیدا کی۔

"دو انگشت از چہار انگشت خم شد"۔ چار انگلیوں سے تو ۱۱۱۱ھ ظاہر ہے لیکن چار میں سے دو انگلیوں کو خم کر دیا جائے تو ۸۸ کا ہندسہ بنتا ہے، دو انگلیاں کھڑی رہیں اور دو خم ہو گئیں تو ۱۱۸۸ کی شکل بن گئی۔

(۲) شیخ امام بخش ناسخ نے حکیم مہدی وزیر لکھنؤ کے عزل پر قاعدہ "حافظِ مراتب اعداد" سے ذیل حسب تاریخ پیدا کی۔ حافظ مراتب کا یہ مطلب ہے کہ پہلے حرف کے عدد کو اکائی میں رکھا جائے اور دوسرے حرف کے عدد کو دہائی میں، تیسرے کو سینکڑہ میں اور چوتھے کو ہزار کے درجے میں لکھا جائے۔ قطعہ ملاحظہ ہو :-

اُفتاد حکیم از مراتب   تاریخ بطرز نو رقم کن
از جائے حکیم ہشت برگیر   سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

اس سے ۱۲۴۸ھ کا سال ہویدا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ پہلے درجہ پر ح کے عدد ۸ لکھے جائیں۔ دہائی کے درجے میں ۴۔ یعنی ۸ کا نصف، سینکڑہ کے درجے میں ۲۔ یعنی ۴ کا نصف اور ہزار کے درجہ میں آ کا ہندسہ۔ یعنی ۲ کا نصف۔ اس طرح سال ۱۲۴۸ ظاہر ہوا۔

(۳) شیخ مہدی حسن پسر ذکی مراد آبادی نے گوپی کی تاریخ وفات یوں لکھی ؎

اعداد حرفِ جملہ گوپی   بے صفر جدا جدا رقم کن

گ و پ ی کے عدد اکائی، دہائی، سینکڑہ، ہزار کے درجہ پر یوں لکھے جائیں گے ۱۰۲۶۲۰۔ صفر مٹا دیے جائیں تو ۱۲۶۲ سال وفات ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) اس سے زیادہ مزے دار تاریخ وفات نواب سہراب ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۲۵۲ھ سال وفات ہے۔ اس کے لیے یہ مادۂ تاریخ ہے ؎

کیا چرخ نے نوابیِ سہراب کو اُلٹا

لفظ "نوابی سہراب" کا اُلٹ ب ا ر ہ س ی ب ا و ن ہے یعنی بارہ سے باون (۱۲۵۲)

(۵) بعض شعراء نے ایک لفظ کو مکرر لکھنے سے تاریخ پیدا کی ہے۔ مثلاً:۔

؎ جو فرمائے اسے تن مکرر   تو پیدا ہو سنِ تاریخ کیا خوب

"کیا خوب" کے اعداد ۶۳۹ ہیں انھیں مکرر رکھیں تو سال تاریخ ۱۲۷۸ حاصل ہوتا ہے

؎ کہا گردوں سے بہرِ سالِ تاریخ   سروشِ غیب نے۔ کیا خوب، کیا خوب

سہ کرر سے مادۂ تاریخ دیکھیے۔

؎ مدِ نظر مجھے جو ہو تاریخ عیسوی   گردوں سے آفتاب کہے کاخ کاخ کاخ
۱۸۶۳

(۶) علامہ اقبال مرحوم نے جسٹس شاہ دین کی تاریخ وفات پر یہ دل پذیر مادۂ تاریخ لکھا تھا:۔

علامۂ فصیح زہر چار سو شنید۔
۳۳۴

۳۳۴ کے عدد کو ۴ سے ضرب دیں تو سالِ وفات ۱۳۳۶ ظاہر ہوتا ہے۔

(۷) راقم الحروف نے اسی صنعت میں علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کی تاریخ وفات کے لئے ذیل کا قطعہ لکھا تھا ؂

شیخ علامہ حضرتِ اقبال — معدنِ فیض و مصدرِ اکرام
جن کی ہر بات واقعی اعجاز — جن کا ہر شعر بالیقیں الہام
ہو کے رخصت جہانِ فانی سے — پہنچے فردوس میں بے آرام
اُن کی تاریخ عیسوی سن میں — دل نے چاہا کہ کیجئے ارقام
شش جہت سے معاً ندا آئی — اللہ اللہ حامیٔ اسلام

۶ × ۳۲۳ = ۱۹۳۸ء

(۸) تسلیم سہسوانی نے اودھ اخبار کے کاتب شیوپرشاد کا تسخہ کا قطعہ تاریخ یوں لکھا:-

شد چو از دارِ غم شیوپرشاد — گشت محزوں زیار تا اغیار
تا کہ اعداد وائے مُردِ جواں — ضرب تسلیم کرد اندر چار

۳۲۱ × ۴ = ۱۲۸۴ھ

"ملخص تسلیم" میں ان کمالاتِ علمی کے ایسے نمونے دیئے گئے ہیں کہ محض ماہرینِ فن ہی اس قسم کے مادہ ہائے تاریخ سے لُطف اندوز ہو سکتے ہیں، ورنہ ایک مبتدی کے لئے تو ان تاریخی مادوں کو حل کر لینا بھی امر محال ہے۔

(۹) شیخ مہدی حسن نے لفظ گوپی سے جو خوبصورت مادہ تاریخ پیدا کیا ہے، اُس سے زیادہ حسین طریق سے تسلیم نے صنعتِ تقدیم و تاخیر میں حکیم مہدی کے عزل کا سال ۱۲۴۸ھ نکالا ہے ؂

ہر کہ حکیم مہدی از لکھنؤ بدرون شد — لفظِ حکیم مثلش یکبارگی زبوں شد
پائش بگردن آمد صفر از میاں گذشتہ — تاریخِ سال حاصل در قسمِ درجہ گشتہ

لفظ حکیم کو اگر درجہ وار لکھیں تو یہ اعداد حاصل ہوتے ہیں:- ح — ک — ی — م
۸ — ۲۰ — ۱۰ — ۴۰

پاتش بگہ دن آمد لفظ حکیم کا پاؤں میم ہے، اسے گردن میں لے آئیں۔ یعنی ح کے بعد

م لکھیں اس کے بعد ک اور ی اسی جگہ رہنے دیں، تو یہ رقم حاصل ہوگی ۸ ۴۰ ۲۰ ۱۰ ۴۰

ان میں سے صفر اڑادیں تو سال ۸۴ ۱۲ ظاہر ہوتا ہے۔

(۱۰) نظام الدین نظام مصنف نسخۂ عقل و شعور نے مزید تکرار کی اختراع سے اپنے

ممدوح کے مکان کی تعمیر کا سال ۱۲۸۰ھ اس مادۂ تاریخ سے حاصل کیا ہے

درِ دولت جو قصرِ عالی کا چرخِ ہفتم سے ہے زیادہ بلند

ہے یہ لازم کہ ہوں پئے تاریخ عددِ باب آٹھ بار دوچند

باب کے عدد پانچ ہیں، اس عدد کو اگر ۸ بار حاصل ضرب سے دوچند کرتے جائیں تو سال

تعمیر قصرِ عالی یعنی ۱۲۸۰ھ ظاہر ہوتا ہے

۵ ۲/۱۰ خود تسلیم سہسوانی کشورِ تاریخگوئی کے بادشاہ تھے، انھوں نے اپنے مخترعات کا اپنے رسالے میں

۲/۲۰ الگ باب باندھا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ صنعتِ تضعیف، تجنیس، زُبر و بیّنات، حساب

۲/۴۰ مکتوبی[1] حساب ملفوظی، بسط صغیر اور لفظی میں اپنی طبع وقاد کے وہ وہ جوہر دکھائے

۲/۸۰ ہیں کہ میرے جیسا مبتدی حیران رہ جاتا ہے۔

۲/۱۶۰ (۱۱) اس سے زیادہ کٹھن منزل آگے آتی ہے۔

۲/۳۲۰ تاریخ وفات کنیز غلام حسین خان کہ در سال ۱۲۷۵ھ واقع شد

۲/۶۴۰ چوں کنیزے شد ز عالم از کنیز بے نقط گردید سالش بے سخن

۲/۱۲۸۰ یک بکن دو را و دو کن چار را سہ بکن یک را و سہ را چار کن

تشریح: — لفظ کنیز کے چار حرف ہیں: ک¹ — ن² — ی³ — ز⁴

---

[1] ان حسابات کی تفصیل کے لیے نور التعلیم کی اشاعت ماہ دسمبر ۱۹۶۱ء و ماہ جنوری ۱۹۶۲ء

کے صفحات نمبر ۲۶ و ۲۹ ملاحظہ ہوں۔

در اصل علم جفر انھیں حسابات پر مبنی ہے۔ جب تک ان پر عبور نہ ہو، علم جفر کی ابتدا نہیں ہو سکتی

Marfat.com

شاعر کا مطلب ہے کہ دوسرے حرف "ن" کو اکائی کے درجہ میں لکھو، اور چوتھے حرف "ز" کو دہائی کے درجہ پہ لکھو۔ اور پہلے حرف "ک" کو سینکڑے کے درجے میں لکھو، اور تیسرے حرف "ی" کو ہزار کے درجہ میں لکھو، جس سے یہ صورت بنے گی:

ہزار کا درجہ	سینکڑہ	دہائی	اکائی
ی	ک	ز	ن
۱۰	۲۰	۷	۵۰

صفر حذف کر دینے سے ۱۲۷۵ سال وفات نکلتا ہے۔

(۱۲) "کوہ کن۔ن دراہ بر آوردن" ہے، "کاہ بر آوردن" نہیں۔ ہاں کاہ بر آوردن کی ایک مثال بھی سُن لیجئے:-

میر شمس الدین فقیر کہ اپنے زمانے کے جیّد تاریخ گو شعراء میں سے تھے۔ اُن کا ایک قطعۂ تاریخ سنہ ۱۱۹۰ھ سے متعلق ہے ؎

تاریخ بہ قانون معمّا گفتم   خورشید قرآن یافتہ باماہ تمام

یہاں ماہ کو مہینہ کے معنے میں لیا گیا ہے۔ اور ماہِ تمام کے ۳۰ دن ہوتے ہیں۔ تیس کو فارسی میں سی کہا جاتا ہے۔ سی کے عدد بحساب جمل ۷۰ ہیں۔ پس ستر کے عدد کو خورشید کے اعداد ۱۱۲۰ میں جمع کریں تو سال تاریخ سنہ ۱۱۹۰ھ برآمد ہوتا ہے یہ ہے بے مطلب کاغذ سیاہ کرنا اور وقتِ گرامی کو تباہ کرنا۔ تاریخ گوئی کو بھلا بجھارتوں سے کیا تعلق ہے-؟

(۱۳) حکیم مومن خان مومنؔ مرحوم نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا سالِ وفات سنہ ۱۲۳۹ھ صنعتِ تخرجہ میں ذیل کے برمحل اور برجستہ قطعہ سے حاصل کیا تھا ؎

انتخابِ نسخۂ دیں مولوی عبدالعزیز   بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل
جانبِ ملکِ عدم تشریف فرما کیوں ہوئے   آگیا تھا کیا کہیں مُردوں کے ایماں میں خلل
مجلسِ دردِ آفریں تعزیت میں میں بھی تھا   جب پڑھی تاریخ مومنؔ نے یہ آکر برمحل
دستِ بیدادِ اجل سے بے سر و پا ہو گئے،
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

مصرعۂ آخر کے الفاظ فقر۔ دین۔ فضل۔ ہنر۔ لطف۔ کرم۔ علم اور عمل کے پہلے حروف اور آخری حروف حذف کردیے جائیں تو باقی حروف ق (۱۰۰) - ی (۱۰) - ض (۸۰۰) - ن (۵۰) - ط (۹) - ر (۲۰۰) - ل (۳۰) - م (۴۰) رہ جاتے ہیں جن کا مجموعہ سال مطلوب یعنی ۱۲۳۹ھ نکلتا ہے۔

(۱۴) اسی صنعت میں تسلیم سہسوانی کا ایک قطعہ جس سے سال ۱۲۵۹ھ مطلوب ہے حسب ذیل ہے :-

چون جواہر مرد در تاریخ او	زہرہ نمایاں رنگ تیز آہنگ شد
مہر و انداز و ادا از سر فتاد	عشوہ و ناز و کرشمہ لنگ شد

اس میں مہر۔ انداز۔ ادا کے پہلے حروف حذف کردیے جائیں اور عشوہ۔ ناز اور کرشمہ کے آخری حروف شمار نہ کیے جائیں تو سال تاریخ ۱۲۵۹ھ برآمد ہوگا۔

(۱۵) علامہ اقبال مرحوم کی وفات پر راقم الحروف نے بھی اسی صنعت میں طبع آزمائی کی تھی۔ اور ذیل کا قطعہ لکھا جس سے سال ۱۳۵۷ھ ہویدا ہے :-

حسرتا در فراقِ علامہ	قوم شد وقفِ درد و رنج و تعب
فکر کردم چو بہرِ تاریخش	آمد از غیب ایں ندائے عجب
گشت بے سر ز مرگِ سر اقبال	رفق (۱۸۰) و فضل (۸۳۰) و کمال (۷۱) و شعر (۲۷۰) و ادب (۶)

اس صنعت کے تینوں قطعات کو سامنے رکھیے۔ ایجاد کا سہرا مومن کے سر ہے۔ اختراع کا کمال تسلیم سہسوانی کے کلام میں ہے۔ اور راقم الحروف کا قطعہ نقالی کا نمونہ ہے۔ تاریخ گو حضرات کے لیے اس قسم کی تاریخ کہنا زیادہ مشکل کام نہیں ہوتا۔ صنعت تعمیہ داخلی و خارجی کا قاعدہ جدید تسلیم کے ان قطعات میں ملتا ہے :-

(۱۶) تاریخ وفات مولوی قاسم علی ذکا مرادآبادی۔ بیت اول میں تعمیہ خارجی ہے اور بیت دوم میں تعمیہ داخلی ہے ؎

مولوی قاسم علی چون رفت از دارِ فنا	گفت تسلیم حزیں از بہرِ تاریخ الم

Marfat.com

رفت از خاطر شکیب از ہوش خالی شد دماغ — شد بصر از چشم رخصت بود را بگذاشت دم

۸۱۰-۳۳۲ — ۳۱۱ - ۱۰۲۵ — ۲۹۲ - ۲۴۳ — ۱۲ — ۴۴

۴۷۸ — ۷۳۴ — ۵۱ — ۳۲

۱۲۱۲ + ۸۳ = ۱۲۹۵ھ

تعمیہ داخلی اس شعر میں ہے جس سے ۱۸۷۸ء عیسوی بر آمد ہوتا ہے ؎

طبع را حرماں گرفت و حال شد مقبولِ ہم — دل پسند درد گشت و سینہ را بگزید غم

۸۱ — ۲۹۹ — ۳۹ — ۵۲ — ۱۶۴ — ۲۰۸ — ۱۲۵ — ۱۰۴

(۱۷) ایک اور نئی قسم کا مادہ تاریخ حضرت شاہ عبد العزیز کی وفات پر احمد شاہ رؤف نے لکھا یہ صاحب حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ اس قطعہ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا :- ؎

شاہ عبد العزیز فخرِ جہاں — عالمِ علمِ آیتِ قرآں

صبحِ یکشنبہ ہفتمِ شوال — از بدن گشتہ رُوحِ او پرّاں

سنِ ہجری چو جستم از ہاتف — گفت اے نکتہ سنجِ قاعدہ داں

سالِ فوتش ز ہر عدد پیداست — از احد تا الوف زیں عنواں

خواہی از ہر عدد کہ تاریخش — اولاً چار چند کُن پس ازاں

یک بیفزا و ضرب کُن در دہ — بس بکن طرح بست بست اے جاں

در دہ صد بست و چار باقی را — ضرب فرما تو اے فہیمِ زماں

پس بہ نقصانِ یک عدد دریاب — فوتِ آں مفخرِ زمین و زماں

اسے سمجھنے کے لئے مثال کے طور پر ۱۶ کا عدد لے لیجئے۔ اسے چوگنا کر دیجئے۔ ۶۴ میں ایک عدد زیادہ کر دینے سے ۶۵ ہوئے۔ اس کو ۱۰ کے عدد سے ضرب دی جائے تو ۶۵۰ ہوئے۔ پھر اس رقم کو ۲۰ پر تقسیم کریں تو ۱۰ باقی رہے۔ اس کو ۱۲۴ سے ضرب دینے سے ۱۲۴۰ حاصل ہوئے۔ بہ نقصانِ یک عدد۔ یعنی اس میں سے ایک عدد کم کریں تو سالِ وفات ۱۲۳۹ بر آمد ہوتا ہے۔

Marfat.com

آغازِ مضمون میں جن جدولوں کو نقل کیا گیا ہے، ان پر عبور حاصل ہو جائے تو علم جفر کی بہت بڑی منزل طے ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ علم جفر کے ماہرین اس زمانے میں ناپید ہیں۔ اگرچہ اس علم کے ہزاروں مدعی ہر شہر میں سڑکوں کے کناروں پر اپنے اپنے بورڈ لٹکائے قسمت آزمائی کر رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ایک کو بھی ابجد کے حسابِ جمل سے واقفیت تک نہیں۔

تاہم حال ہی میں لاہور اور کراچی سے جفر اور رمل کی مبادیات پر چند کتابیں شائع ہوئی ہیں، چونکہ راقم الحروف کو اس علم میں مطلق دخل نہیں اس لئے قارئین کرام کی رہنمائی کے لئے ان کتابوں کے فاضل مؤلفین کے اسمائے گرامی سے تعارف کرانے میں میں دلی مسرت محسوس کرتا ہوں۔

(۱) "مستحصلات الجفر" کے مصنف سید سرفراز علی رضوی ہیں۔ جن کا پتہ یہ ہے:۔

محلہ رسول آباد۔ ہاؤس نمبر ۱۳ ڈی - ۹ فقیر محمد درا خان روڈ۔ کراچی ۱

(۲) "نکاتِ جفر" کے مصنف شمر کوٹ ضلع جھنگ کے ڈاکٹر شاد گیلانی (ماہر علوم فلکیات) ہیں۔ "سیر رمل" کے مؤلف بھی یہی بزرگ ہیں۔

(۳) "مفتاح الجفر" کے نام سے ایک کتاب "ماہر نجوم عامل رمل" کی تالیف ہے (اس کتاب کے مصنف محمد رمضان بابا فریدی ہیں جن کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ معروف جفار ہیں۔)

(۴) ایک اور کتاب سراج الرملؔ کے نام سے حال ہی میں لاہور سے شائع ہوئی ہے مصنف

ؔ اس کتاب کی تعریف میں پبلشر کی طرف سے یہ شعر سرورق پر درج ہے ؎

علم رمل و نجوم و جفر اور فال دیکھ کر اس کتاب سے لو نکال

اس شعر سے کتاب کی "علمی حیثیت" ظاہر ہے! لاہور سے بھی "مفتاح الجفر" کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، وہ بھی شائقین کی طبع کے لئے ضیافت کا سامان بن سکتی ہے۔

Marfat.com

کا نام درج نہیں، اس لیے مضمونِ کتاب کی نسبت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ از خود کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ کوئی ماہرِ علم سبقاً اس مضمون کو پڑھانے کا ذمہ لے تو مستحصلہ کا علم ضرور آ جاتا ہے۔ مستحصلہ کا حاصل مطلب ضابطہ جفر سے استخراج کرنا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں سید میر جفری پسر سید عبدالکریم جفری بادشاہ کا محبوب جفّار تھا، چنانچہ جفار مذکور نے ضابطہ جفر سے اکبر کی نسبت ایک استخراج پیدا کیا جس کا ذکر اقبال نامہ جہانگیری مصنفہ ابوالحسن معتمد خان میں آ چکا ہے۔

فاضل مصنف کا بیان ہے کہ منہیانِ غیب کی طرف سے یہ بیت زبانِ قلم پہ آ گیا۔

بزودی از بختِ ہمایوں ~ برد ملک از کفِ داؤد بیروں

اور عجیب بات یہ ہے کہ جب روز بادشاہ کی فوجیں حملہ کے لیے دار الخلافہ سے نکلیں تو جفار نے یہ پیش گوئی کی

گرچہ باشد لشکرش جرّار و بے حد و شمار ~ لیک باشد فتح و نصرت در قدم شہریار

اسی طرح صاحب العجائب نے لکھا ہے کہ ہم نے سُنا ہے کہ اخوند علی پشاوری نے شاہ شجاع کی اضطرابی امارت کے موقع پہ استخراج سے یہ شعر برآمد کیا

اوّلش دال و آخرش دال است ~ درمیانِ دو ابروش خال است

چنانچہ دوست محمد امیر کابل بادشاہِ افغانستان ہو گئے۔ اہل تنجیم و اصحاب علم رمل و جفر اپنے دعاوی کی صحت پر اس قدر یقین ہے کہ اگر کبھی مستحصلہ اور حکم نادرست نکلے تو اسے جفر کے بے معنیٰ ہونے سے منسوب نہیں کرتے، بلکہ حساب و قواعد میں عدمِ احتیاط کو وجہ قرار دیتے ہیں۔ (بحوالہ العجائب صفحہ ۷ حاشیہ)

رضوی صاحب (کراچی) کے اصول مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ جفر میں ہمزہ کا ایک عدد ضرور لیتے ہیں جو ابجد کے حساب جمل میں جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ جفار کے

Marfat.com

حساب سے اہلِ علم میں یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ ہمزہ کا ایک عدد لینا چاہیئے۔

سرے (انگلستان) سے ایک ماہوار رسالہ انگریزی میں پیشگوئی (PREDICTION) کے نام سے شائع ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین اس قسم کے ہوتے ہیں جو ہمارے پنڈت گردھاری لال کی مشہور عالم جنتری میں ہُوا کرتے ہیں۔ اُسی طرح کے فال نامے، اختر شناسی اور بروج پر مبنی قیاسات اور کہانیاں وغیرہ، غرض بیکار رہنے والے اہلِ علم کے لیے اس رسالے میں دلچسپی کا کافی مواد ہوتا ہے[1] حال ہی میں اس رسالے کا ایک سالانہ نمبر (PREDICTION ANNUAL 1963) کے نام سے شائع ہُوا ہے اس میں جملِ صغیر کے قاعدے کو تسلیم کرتے ہُوئے اسماء کے جمل صغیر کے اثرات پر بحث کی ہے، لیکن انگریزی منجم لیلی آن کلنٹن نے انگریزی ابجد کے اپنے الگ اعداد مقرر کئے ہیں، جو کیرو کے حساب سے بھی مختلف ہیں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے)

انگریزی منجّم لیلی آن کلنٹن کے جس قاعدہ ابجد کا ذکر کیا گیا ہے، یہاں اس کا نقل کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا اور وہ حسب ذیل ہے:-

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
A	B	C	D	E	F	G	H	I
J	K	L	M	N	O	P	Q	R
S	T	U	V	W	X	Y	Z	

اس نامکمل حساب پر بھی منجم نے اعتبار کرتے ہُوئے ناموں کے جمل صغیر کے عدد کے اثرات کا انکشاف کیا ہے، عدد صغیر حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل طریق بیان کیا گیا ہے

مثال کے طور پر IRIS LATHAM کا نام لیا گیا ہے۔ اس کے اعداد

I	R	I	S		L	A	T	H	A	M		
۹	۹	۹	۱		۳	۱	۲	۸	۱	۴		
۲۸				+	۱۹						=	۴۷ = ۱۱ = ۲

کا مجموعہ عدد ۲ ہے۔ اس لیے یہ نام ۲ نمبر کے اثرات کا ہی حامل ہوگا۔

---

[1] پبلشر: بازار ایکسچینج و مارٹ لمیٹڈ۔ ۲۴ سٹور اسٹریٹ لنڈن

اثرات کی بابت بھی زیادہ تر وہی باتیں لکھی گئی ہیں جو ہمارے ہاں منجمین نے مقرر کی ہیں۔ اور جن کا ذکر آگے آئے گا۔ بہرحال اس میں کلام نہیں کہ ہر شخص کے نام کے اعداد کا پُراسرار تعلق اُس کے نام سے ضرور ہے۔ انسانی قسمت سے اعداد کا تعلق اس لئے بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ہر عدد فلکی اثرات کا حامل ہے۔

علمائے مشرق ایک کے ہندسہ سے توحیدِ الٰہی مراد لیتے ہیں، تجنیسِ آدم و حوّا ۲ کے ہندسے کی مظہر ہے۔ موالیدِ ثلاثہ سے ۳ کا عدد اور عناصرِ اربعہ سے ۴ کا عدد تعلق رکھتا ہے۔ اسی طرح حواسِ خمسہ سے عدد ۵ اور شش جہت سے ۶ کا عدد متعلق ہے۔ ۷ کا عدد سبع سیارگان کی روشنی کا مظہر ہے۔ ۸ کا عدد عالمِ مثال کی ہشت بہشت کی پیداوار اور ۹ کا عدد افلاک تسع کے التزام کی تخصیص ہے۔

اس کے مقابلے میں مغرب کے منجمین اور ستارہ شناسوں نے ان اعداد کو ذیل کے ستارگان سے متعلق کر کے ان کے اثرات کا ذکر کیا ہے:

عدد ۱ شمس سے متعلق ہے اور اتوار پہ اثر انداز ہے — عدد ۲ قمر سے واسطہ رکھتا ہے — عدد ۳ مشتری سے متعلق ہے۔ اہلِ مشرق اسے فلکِ ششم پہ چمکنے والا ستارہ کہتے ہیں۔ یہ جمعرات پہ اثر انداز ہے — ۴ کا ہندسہ ستارہ یورینس کا ہے۔ اس ستارے کو علمائے مشرق تسلیم نہیں کرتے۔ عطارد کا ہم رتبہ تسلیم کیا جاتا ہے — ۵ کا ہندسہ عطارد کا نمائندہ ہے۔ اہلِ مشرق اسے دبیرِ فلک بھی کہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک یہ ستارہ فلکِ دوم پہ چمکتا ہے۔ اور علم و عقل کا اس ستارے سے خاص تعلق ہے — ۶ کا ہندسہ زہرہ ستارہ سے متعلق ہے اسے فلکِ سوم کا ستارہ کہتے ہیں، اور جمعہ پر اثر انداز ہے — ۷ کا عدد نپچون سے متعلق ہے۔ علمائے نجوم مشرق اس ستارے کا ذکر نہیں کرتے۔ اسے قمر کا ہم رتبہ تسلیم کیا جاتا ہے منجمین مغرب نے ۱۸۴۶ء میں اس ستارے کا نام مقرر کیا —

۸ کا عدد زحل کی نمائندگی کرتا ہے اور یوم سبت پر اثر انداز ہے ۹ کا عدد مریخ کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور منگل کے دن پر اثر انداز ہے۔

نئی تحقیق نے سات ستاروں کی جگہ ۹ ستاروں کو قائم کیا ہے انگریزی منجم شفو ہارا نے ان ۹ ستاروں کو مثبت اور منفی قدروں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱ - ۲ - ۵ ، ۶ اور ۹ مثبت اقدار کے مالک ہیں اور ۳ ، ۴ ، ۷ اور ۸ منفی قدروں پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد ان کو پھر چار عناصر پر تقسیم کیا گیا ہے۔ یعنی آتش و آب و خاک و باد۔ آتش کے زیر اثر عدد ۵ اور ۹ ہے۔ ۲ اور ۶ عنصر باد سے ہیں۔ ۳ اور ۷ عنصر آب سے اور ۴ اور ۸ عنصر خاک سے ہیں لے۔ ان منجمین کا خیال ہے کہ مقابلہ اور مجادلہ میں منفی عدد ہمیشہ مثبت پر غالب ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اہل مشرق نے ستاروں کو نہیں، بلکہ ۱۲ برج کو ۴ عناصر میں تقسیم کیا ہے۔

سرطان، عقرب، حوت برج آبی ہیں۔ ثور، سنبلہ، جدی برج خاکی، جوزا، میزان برج بادی۔ اور حمل، اسد اور قوس برج آتشی کہلاتے ہیں۔ ۵۲

علمائے مشرق صرف سات ستاروں کے اثرات کے قائل ہیں۔ نیپچون (NEPTUNE) اور ہرشل ستارے جو بعد میں قائم کئے گئے ہیں، یہ انسانی طبع پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہفتہ کے سات دن ساتوں ستاروں کے تابع ہیں۔ چنانچہ اتوار شمس کے زیر اثر ہے۔ پیر کا دن قمر سے متاثر ہے۔ منگل مریخ سے متعلق ہے۔ بدھ (چہارشنبہ) عطارد کا حامل ہے۔ جمعرات مشتری کا اثر رکھتا ہے۔ جمعہ ستارہ زہرہ یا ناہید کے تابع ہے۔ اور سنیچر کا دن زحل کے زیر اثر سمجھا جاتا ہے۔ لاطینی علمائے نجوم بھی ان اثرات کے قائل ہیں۔ انگریزی منجم ڈی۔ جی۔ بیل

لے صفحہ ۹ کتاب نمبر نیم اینڈ کلر مطبوعہ لندن

۵۲ غیاث اللغات مطبع حسنے میر حسن رضوی صفحہ ۴۷ - ۴۵

(V. G. RELE) کا بالکل ہی مختلف نظریہ ہے وہ قمر کو نمبر ۷ کا حامل قرار دیتا ہے۔

بحوالہ کتاب (PRACTICAL ASTRONUMEROLOGY صفحہ ۱۳-۱۴)

اسی مصنف نے ہندی علمائے تنجیم کی تحقیق کو مدار ٹھہراتے ہوئے ستاروں کے اثرات کا ایک نقشہ مرتب کیا ہے، جو دلچسپی کا باعث ہوگا۔

نام ستارگان	موافق ستارے	بے اثر ستارے	مخالف ستارے
شمس	قمر، مریخ اور مشتری	عطارد	زہرہ اور زحل
قمر	شمس اور عطارد	مریخ، مشتری، زہرہ و زحل	کوئی ستارہ قمر کا مخالف نہیں خواہ وہ کسی برج میں ہو۔
مریخ	شمس۔ قمر اور مشتری	زہرہ و زحل	عطارد
عطارد	شمس و زہرہ	زحل۔ مشتری۔ مریخ	قمر
مشتری	شمس۔ قمر و مریخ	زحل	عطارد و زہرہ
زہرہ	عطارد۔ زحل	مریخ و مشتری	قمر و شمس
زحل	زہرہ و عطارد	مشتری	شمس، قمر و مریخ

واضح رہے کہ اس میں صرف سات ستارگان کے اثر کو تسلیم کیا گیا ہے، عالمانِ نجوم کے لیے اس سے زیادہ علم کی ضرورت نہیں۔

اعداد کے فلکی اثرات ـــــ اعداد کے فلکی اثرات منجمین کے اقوال کے مطابق حسبِ ذیل ہیں:-

۱- یہ عدد ایسی شخصیت پر دلالت کرتا ہے جس میں اقتدار طلبی، حکومت، تسلط اور انانیت کی خواہش ہو۔ ایک کا ہندسہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔ مہر و آشتی کے معاملے

میں ایسا شخص مخلص دوست پیدا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اور اپنے اطوار کی شائستگی سے ہر دل عزیز بن جاتا ہے۔ اور لوگوں کی نظروں میں محترم اور معزز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ قوتِ ارادی کو بھی یہ عدد ظاہر کرتا ہے۔

۲- یہ عدد بحرِ قسمت کے مدوجزر کو بیان کرتا ہے، اس عدد کا حامل والدین کا فرمانبردار ہوتا ہے اور اپنے خاندان کی بہتری کے لیے دلی کوشش کرتا ہے۔ اس عدد کی شخصیت میں رُوحانی قوت کا نمایاں طور پر اظہار ہوتا ہے۔ اور دُنیاوی زندگی بھی اس کی عام طور پر نہایت کامیاب ہوتی ہے۔ پیر کا دن اس نمبر کے حامل کے لیے اہم ہوتا ہے

۳- اس نمبر کا حامل قسمت کا دھنی ہوتا ہے۔ اور رزق کے لیے اگر اس پر ایک در بند ہوتا ہے تو دُوسرا کھُل جاتا ہے، ایسا شخص طبیعت کا سخی ہوتا ہے اور خوش رہنے کا عادی ہوتا ہے۔ عدد ۹ کا حامل بھی اس نمبر کے اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑے رنج والم کو قہقہوں میں اُڑا دینا اس کی طبیعت میں داخل ہوتا ہے، سیاسی جوڑ توڑ میں اکثر کامیاب رہتا ہے۔ طاقت اور ہمت کا بھی یہ نمبر مظہر ہے۔ یوم جمعرات (خمیس) اس نمبر والوں کے لیے اہم ہوتا ہے۔ نمبر ۶ کا حامل بھی اس نمبر کے اثرات کا مظہر ہے

(۴) اس نمبر کے حامل اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، مذہب پسند اور امن پسند دوست ہوتے ہیں؛ والدین کے فرماں بردار اور اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلاتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور خاندانی روایات کے حامل ہوتے ہیں، جدّت پسندی سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن ایجادات کا طبیعت میں کافی مادہ ہوتا ہے۔ جس سے اپنے طبقہ میں خاص عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ دیانت داری پر مائل اور بُرائی اور شر سے نفرت رکھتے ہیں، علم رُوحانیت کی طرف بھی اس نمبر کے حامل زیادہ مائل ہوتے ہیں، اور خود دار اور عملی نتائج حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں، اور اپنے اعمال کے نتائج اس دُنیا میں بھی

Marfat.com

حاصل کرتے ہیں، پچھلے تین اعداد کے صفات کا بھی یہ عدد مظہر ہوتا ہے

(۵) یہ عدد خاص اہمیت کا عدد ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس عدد کا حامل فہانت، علمیت، تجارت۔ اور سائنس دانی کی طرف مائل ہے ستارہ عطارد کا اثر اس عدد میں شامل ہے۔ ملکوتی صفات حاصل کرنے کی کوشش اس نمبر کے حامل میں بدرجۂ اُتم ہوتی ہے۔ مذہب اور یقین محکم اس عدد کے مظہر ہیں حضرت شاہ عبدالعزیز نے نجوم کے اثرات کی بنا پر نہیں، بلکہ قرآن مجید کے کئی الفاظ کے تواتر سے اس عدد کی اہمیت کا اندازہ لگایا ہے ویسے نجوم ورمل کی نسبت علمائے اہل سنت والجماعت کا جو صحیح عقیدہ ہے اور جس کی بنا پر علمائے اہل سنت نے علم جفر کی طرف توجہ نہیں کی، اس کی اصل بھی اس فتوے سے ملاحظہ کیجیے۔

مولانا الحاج حافظ عبدالحیؒ لکھنوی سے علم رمل کے سیکھنے اور سکھلانے سے متعلق فتویٰ پوچھا گیا تو ارشاد ہوا کہ اصل رمل کی حضرت ادریسؑ سے ہے۔ اور ان کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے، مگر ہماری شریعت میں اس کی ممانعت وارد ہے سداً للذریعہ طحطاوی حاشیہ دُرمختار میں لکھتے ہیں کہ یہ قطعاً حرام ہے، اور ابن حجر مکیؒ کا فتویٰ ہے کہ اس کی تعلیم و تعلم حرام شدید التحریم ہے۔ کہ اس سے عوام میں خدائے پاک کے علم غیب میں شرک پیدا کرنے کا جذبہ قائم ہوتا ہے۔ علامہ نوویؒ نے اس سے منع کا حکم دیا ہے۔

(بحوالہ مجموعہ الفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۲۹۴)

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز پارہ عم کی تفسیر میں سورۃ الناس میں جہاں ناس کا لفظ پانچ مرتبہ وارد ہوا ہے رقمطراز ہیں کہ پانچ کا عدد شرافت کا عدد ہے۔ یہ عدد دوائر ہے۔ اور عدد دائر یہ ہے کہ جب اُسے اپنے خمس سے ضرب دیں اور اُس کے حاصل کو انتہا تک اسی عدد سے ضرب دیتے جائیں تو ہر صورت میں پانچ کا اصلی عدد موجود رہے گا۔ مثلاً ۵، ۲۵، ۱۲۵ وعلیٰ ہذالقیاس۔

Marfat.com

جہتِ معدود کی طرف سے بھی یہ عدد مراتب کلیہ میں ہے ظہورِ حضرتِ حق کہ جسے حضرات خمس کہا جاتا ہے پانچ میں منحصر ہے۔ انسان خلاصہ کونات ہے کہ اس کی انتہا اعضائے خمسہ ہے۔ یعنی سر۔ دو ہاتھ اور دو پاؤں۔ اور ہر پیر کا منتہی پانچ انگلیاں ہیں، اور سر جس کا علاقہ بطرفِ علو زیادہ ہے اس کا ظاہر حواس خمسہ سے اور باطن پنج حس سے ہے (بحوالہ تفسیر عزیزی مطبع محمدی لاہور سال سنہ ۱۳۱۱ھ صفحہ ۲۰۲) منجمین کے نزدیک یہ عدد ذاتی جاذبیت کا حامل ہے اور فطری طور پہ خوشی اور مسرت کا عدد ہے۔ اس عدد کا حامل سوسائٹی میں قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور وہ دلوں کو آسانی سے تسخیر کر لیتا ہے

(۶) یہ عدد فنونِ لطیفہ، حُسنِ معاشرت۔ اور محبت و مودّت کا عدد کہلاتا ہے۔ اس عدد کا حامل نہایت نرم مزاج ہوتا ہے۔ اور دوسروں کی مدد کرنے کے لئے اپنی ہمت سے باہر ہو جاتا ہے۔ اس کی محبت بے لوث، جذبات سادہ اور محسوسات قطعی طور پہ شریفانہ ہوتے ہیں، اور دوسروں کے لئے اس کی زندگی عام طور پہ وقف ہوتی ہے۔ جمعہ کا دن اس عدد کے اہل کے لئے اہم ہے۔ ستارہ ناہید (زہرہ) کا اثر اس نمبر پہ ہوتا ہے۔ امراض گردہ و مثانہ کا حملہ اس نمبر کے حامل پہ ہو سکتا ہے۔

(۷) یہ عدد رُوحانی قوت، ذاتی اثر اور ترقی و عروج کی طرف دلالت کرتا ہے۔ بروج کے بدلنے سے پانچ کا بھی اس میں اثر شامل ہو جاتا ہے۔ طبعاً خاموش رہنے والے آدمی اس عدد سے متاثر ہیں۔ اس کے دوست کم ہوتے ہیں لیکن وفادار۔ اس نمبر کا حامل عظیم سیاسی صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے۔ عجز و نیاز کو اپنا شیوہ سمجھتا ہے اور ہر نوع میں اپنا راستہ الگ بناتا ہے۔ طوفان کے بعد امن اور جنگ و جدل کے بعد فتح کا بھی یہ عدد مظہر ہے۔ سرطان کا مرض اس نمبر کے حامل پہ اثر کر سکتا ہے۔ خانہ بدوش رہنا اس عدد کی خاصیت ہے۔

(۸) یہ نمبر خالص سیاسی نوعیت کا ہے۔ قوتِ ارادی نہایت مضبوط ہوتی ہے۔

Marfat.com

احباب کے صلاح و مشورے سے بے نیاز ہو کر اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا ہے۔ انصاف پسندی اور عدل نوازی مزاج میں ہوتی ہے۔ دین داری کی طرف میلان ہوتا ہے۔ مرض بواسیر اور حزن و ملال قبول کرنے کا مادہ اس عدد میں موجود ہے۔

(۹) یہ نہایت ہی اہم نمبر ہے۔ ترقی اور عروج کا مظہر ہے۔ روحانیت کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے۔ تقلید کا مادہ خاص طور پر موجود ہوتا ہے۔ بزرگوں کی عقیدت میں سرشار رہتا ہے۔ شخصی جاذبیت کا بھی حامل ہے۔ خلوص میں خاص اور وعدے کا پکا ہوتا ہے کسی سے برائی کرنے میں پہل نہیں کرتا۔ اور حتی الوسع دشمنوں کی شرارتوں کو نظرانداز کر دیتا ہے۔ ملائکہ کا خاص اثر اس نمبر کے حامل پر ہوتا ہے۔ اور اس کی عاقبت بالخیر ہوتی ہے۔ مردم شناسی کا مادہ اس نمبر میں کم ہے۔ دل میں آزادیٔ ملک و ملت کی تڑپ رکھتا ہے۔ اور مذہب سے خاص لگاؤ شروع سے رکھتا ہے۔ عدد ۳ کا اثر بھی اس نمبر میں شامل ہے۔ جمعہ اور منگل کا دن اس عدد کے حامل کے لئے اہم ہوتا ہے۔

فنِ تاریخ گوئی پر جہاں تک راقم الحروف کے ناتمام علم نے رہنمائی کی اور جہاں تک اس مسئلے پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تحقیق و جستجو اس ناچیز کے ہاتھوں ہوئی وہ سارا سرمایہ قارئین کرام کے سامنے بطور ہدیۂ مختصر پیش کر دیا گیا ہے کوشش شروع سے یہ تھی کہ اس موضوع پر حرفِ آخر کے طور پر اردو زبان میں ایک جامع مضمون اور سیر حاصل بحث منظرِ عام پر آجائے۔ لیکن اب چونکہ یہ مضمون ختم ہو رہا ہے، راقم الحروف پر اپنی خامیاں کھلتی جا رہی ہیں۔ اور یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس فن کے بحرِ ذخار سے صرف ایک قطرہ اربابِ علم و فن کے حضور پیش کیا جا سکا ہے۔ بہرکیف منزل کی جانب ایک ناتوان قدم اٹھایا جا چکا ہے۔ اس قافلے کو منزلِ مقصود پر پہنچانے کے لئے اور کئی باہمت اہلِ قلم ہر مقام سے نکل آئیں گے، جو رہنمائی اور دستگیری کر سکیں، یہ اعتراف ہے کہ اس مقالہ سے اس فن کی تاریخ کے سارے گوشے بے نقاب نہیں ہو سکے [۱]

---

[۱] تسنیم کی نسبت مشہور ہے کہ اس نے فنِ تاریخ گوئی پر ایک جامع کتاب مرتب کی لیکن ضائع کر دی وہ کتاب اگر موجود ہوتی تو کافی رہنمائی کر سکتی تھی۔

Marfat.com

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں　　ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

کامل تین سال کی پوری محنت اور مسلسل کاوش کے بعد یہ مقالہ جو یقیناً زبانِ اردو میں پہلی قسم کا ہے اور سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے، ادارہ نور التعلیم کی علم دوستی کی وجہ سے منصۂ شہود پر آگیا ہے۔ اور ان کے طفیل اسے ایک لازوال صورت نصیب ہو گئی ہے، مصنف کے لئے کتاب کے ابتدائی جملے اور خاتمہ کے فقرے لکھنا سب سے زیادہ مشکل کام ہوتا ہے۔ اور بہت سے اچھے اور مفید علمی مقالے اس لئے کتابی صورت اختیار نہ کر سکے کہ مصنف اس کے خاتمہ کے لئے دل کش طریق اور خوبصورت الفاظ نہ ڈھونڈ سکا میں اس مشکل سے عہدہ برآ ہونے کی اپنے میں نہ اہلیت پاتا ہوں نہ ہمت، میرے پاس اُن خوبصورت اور دل کش الفاظ کا ذخیرہ نہیں جو خاتمۃ الکتاب کی صورت میں اہلِ علم کی خدمت میں پیش کئے جا سکیں، اس لئے اس علمی تحقیق و کاوش کو بغیر عرضِ خاتمہ کے یہیں ختم کیا جاتا ہے۔ واللّٰہ المستعان علیٰ ما تصفون والحمد للّٰہ رب العالمین ۰

غرض نقشے ست کز ما یاد آید　　کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگہ صاحبدلے روزے بہ رحمت　　کند بر حالِ ایں مسکیں دعائے

(خاکپائے علماء منظور حسن غفرلہ)

جناب تسلیم سہسوانی مرحوم کی کتاب "مخمسِ تسلیم" ہی درحقیقت اس مضمون کی تصنیف کا باعث ہوئی اور تسلیم ہی سب سے پہلے استاد ہیں جنھوں نے اس فن تاریخ گوئی پر تفصیل سے زبان فارسی میں قلم اٹھایا، اس لئے حیاتِ عزیز کے ساتھ اُن کے مختصر حالاتِ زندگی جو اُن کے ایک مداح جناب حنیف نقوی نے جمع کئے ہیں اس کتاب کے تتمہ کے طور پر بشکریہ رکسرہ مہاس صاحب شائع کئے جا رہے ہیں۔

یادِ رفتگاں

منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی

کے

مختصر حالاتِ زندگی

از جناب حنیف نقوی سہسوانی

Marfat.com

منشی انوار حسین تسلیم[1] کے نام سے غالباً ہر وہ شخص واقف ہوگا جس نے مطبع نول کشور کی قدیم مطبوعات کا مطالعہ کیا ہے۔ مطبع مذکور سے شائع شدہ اکثر و بیشتر کتابوں کے آخر میں آپ کی تقریظیں اور تاریخی قطعات ملتے ہیں۔ منشی صاحب موصوف سہسوان ضلع بدایوں کے ایک ذی علم اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۲ رجب ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء کو اپنے آبائی وطن ہی میں ہوئی۔ اس زمانے میں آپ کے والد منشی احتشام الدین صاحب مراد آباد میں وکالت کرتے تھے۔ اس سے قبل موصوف ایک عرصہ تک عہدۂ منصفی پر بھی فائز رہ چکے تھے حضرت تسلیم نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں حاصل کی۔ بعدہٗ مختلف اساتذہ سے فارسی دائرہ و ادب نیز دیگر علوم مروّجہ کی تکمیل کی، اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کے عم حقیقی منشی قیام الدین صاحب مرحوم کو نوال شہر مراد آباد کی صاحب زادی سے آپ کا عقدِ نکاح ہوگیا۔ چنانچہ آپ بھی مراد آباد ہی پہنچ گئے۔ اور عدالت دیوانی میں امین کی حیثیت سے کام کرنے لگے، کبھی کبھی بہ حصولِ رُخصت وطن آتے جاتے رہتے تھے ۱۸۴۵ء میں جب آپ کے والد کا انتقال ہوگیا تو آپ وطن سے قطعاً ترک تعلق کر کے مراد آباد ہی مقیم ہوگئے۔ اوائل ۱۸۵۵ء میں آپ کو ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے مراد آباد کی سکونت ترک کرنا پڑی اس کے بعد شاید آپ تین چار سال تک وطن ہی میں قیام پذیر رہے ۱۸۶۲ء کے آخر میں یا ابتدائے ۱۸۶۳ء میں آپ لکھنؤ پہنچے اور اودھ اخبار سے متعلق ہوگئے۔ یہ تعلق یکم مارچ ۱۸۷۹ء تک قائم رہا۔ در اصل یہی ملازمت ادبی دُنیا میں آپ کی شہرت کا باعث بنی، جیسا کہ آپ نے

---

[1] آج کل کے نومبر ۱۹۵۷ء کے شمارے میں جناب گوپی چند نارنگ نے اپنے مضمون "شادی بیاہ کی مشترکہ رسمیں" میں "مثنویات" مصنفہ امیر احمد علوی کے حوالہ سے تسلیم کا نام انوار احمد لکھا ہے مگر ان کا نام در اصل انوار حسین ہے۔

Marfat.com

خود ہی اخبار مذکور کے متعلق اپنے ایک مضمون مطبوعہ اخبار نیرّ اعظم مراد آباد مورخہ ۷، نومبر ۱۸۸۱ء میں تحریر کیا ہے۔

اس اخبار نے بندہ کو مشہور نزدیک و دور کیا ہے۔ میرا بڑا محسن ہے۔

اودھ اخبار سے قطع تعلق کے بعد منشی صاحب جنوری ۱۸۸۱ء میں پھر مراد آباد پہنچ گئے۔ جیسا کہ نیرّ اعظم بابت ۱۷ جنوری ۱۸۸۱ء کی مندرجہ ذیل خبر سے واضح ہوتا ہے

"شاعرِ لاثانی منشی محمد انور حسین صاحب تسلیم سہسوانی نے آج ہمارے مطبع کو اپنے قدوم سے شرف بخشا۔ مہتمم کو سربلند کیا۔ منشی صاحب ہمارے قدیم مخدوم ہیں، بعد سولہ سال کے مراد آباد کا نصیب آپ کی تشریف آوری سے جاگا ہے۔ یقین ہے کہ سکونتِ دائمی مراد آباد کی اختیار فرمائیں گے۔

آپ کا حلقۂ احباب و تلامذہ بہت وسیع تھا، ہندوستان کے اکثر و بیشتر مشاہیر اہلِ قلم اور ارباب علم و ادب سے آپ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ آپ کے قدر دانوں میں آنجہانی منشی نول کشور اور راجہ کرشن کمار صاحب وقار رئیس مراد آباد خاص طور پہ قابلِ ذکر ہیں، منشی صاحب علم و فضل کے ساتھ ساتھ نازک مزاجی اور وارفتہ مزاجی میں بھی یکتا تھے، چنانچہ آپ کا مندرجہ ذیل شعر اس حقیقت کا آئینہ دار ہے ؎

نازک مزاج مجھ سا ہوا ہے نہ ہوئے گا | رُوحِ سبک بھی اپنی ہے بارِ گراں مجھے

مگر مذکورہ بالا دونوں حضرات آپکی نازک مزاجیوں کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ اور آپ کو نہایت قدر و منزلت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ منشی صاحب کو بھی ان صاحبان سے علیحدہ رہنا کبھی گوارا نہ ہُوا۔

ان لوگوں کے علاوہ مولانا صہبائی، مرزا رجب علی بیگ سرور، منشی امیر اللہ تسلیم

فصیح الملک حضرت داغ حکیم ضامن علی جلال، مظفر علی آسیر اور امیر مینائی لکھنوی سے آپ کے بہت پُر خلوص مراسم تھے۔ ان میں سے بعض حضرات کے خطوط موسومہ حضرت تسلیم جو جو مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں اس ربطِ باہمی کی یادگار ہیں۔ مولانا امام بخش صہبائی کا ایک طویل خط (بزبانِ فارسی) جس میں فن تاریخ گوئی کے ایک اہم مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آپ کی مطبوعہ تصنیف ملحقِ تسلیم میں شامل ہے۔

اِن خطوط کے علاوہ منشی صاحب کا ایک رقعہ مرزا دبیر کے نام بھی موجود ہے جو کہ ملحقِ تسلیم میں درج ہے۔ یہ رقعہ میر انیس کی تاریخِ وفات

۶۔ "طورِ سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس"

(نتیجۂ فکر حضرت دبیر) سے متعلق چند استفسارات و اعتراضات پر مشتمل ہے۔

منشی صاحب فارسی و اردو نظم و نثر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ خصوصاً فنِ تاریخ گوئی میں آپ کو زبردست دستگاہ حاصل تھی۔ مشغلۂ نظم و نثر فارسی آپ کا خاندانی ورثہ تھا۔ جو آپ کے دادا منشی ریاض الدین محمد ریاضی شاگرد مرزا مظہر جانِ جاناں سے بواسطۂ منشی قیام الدین بے قید آپ تک پہنچا تھا، اردو نظم میں مصحفی کے شاگرد شیخ علی بخش بیمار سے فیضِ تلمذ حاصل تھا۔ آپ نے اکثر کتابیں تصنیف و تالیف کیں، مگر افسوس کہ وہ سب سرمایۂ افکار خود آپ ہی کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گیا۔ منشی صاحب اپنی آزادہ روی کی بنا پر اپنی تصنیفات و تالیفات کو نذرِ آتش کر دیا کرتے تھے چنانچہ ایک عرضی موسومہ نواب کلب علی مرحوم میں خود ہی تحریر فرماتے ہیں:

اس مدّاح خود دشمن نے لکھنؤ میں ۲۵ اگست ۱۸۷۵ء کو چار سو باسٹھ ۴۶۲ جزء نظم و نثر اردو فارسی اپنی تصنیف و تالیف کی جلا دی۔ بارِ دیگر یکم ستمبر ۱۸۸۲ء کو بمقام مراد آباد دو بستہ پھونک دیئے جن میں مسودات کے سوا یہ کتابیں مرتب و مکمل تھیں ... مثنوی اردو نو ہزار بیت کی دیوانِ فارسی متن و حاشیہ بیس جزء

Marfat.com

دیوانِ اردو متن و حاشیہ پچاس جز۔ رسالہ قواعد تاریخ گوئی انیس جز ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لہ

اخبار نیرّ اعظم مراد آباد مورخہ ۲۵ اپریل ۱۸۹۸ء میں ایک خاص مضمون کے تحت رقم طراز ہیں:—

در بارہ اجزائے نظم و نثر تصنیف و تالیف خود کہ تا مدار شش صد جز بود پیراہن شعلہ آتش ساختہ ام و لعبہ آں کہ بحکم شغل بے کاری جمع شد۔ تفصیل آں ایں است نمبر ا- رسالہ در فنِ تاریخ گوئی نہ جز (۲) خواب اردو پنج جز (۳) دیوانِ فارسی شش جز متن و حاشیہ (۴) دیوانِ اردو شانزدہ جز متن و حاشیہ (۵) رسالہ حالِ ہفت صد سوال معہ جواب ہیجدہ جز (۶) مثنوی اردو دوہزار شش صد و شصت

لہ- یہ عرضی منشی صاحب نے حضرت امیر مینائی کی معرفت نواب صاحب کو بھیجی تھی ساتھ ہی مرحوم کے نام بھی ایک خط تھا جس کا جواب بھی اس عرضی اور خط کے ساتھ اخبار تہذیب مراد آباد مورخہ ۴ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ چونکہ اس جوابی مکتوب سے حضرت تسلیم اور جناب امیر مینائی کے تعلقات پر روشنی پڑتی ہے لہذا میں اس کو یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں وھو ھذا

حضرتِ تسلیم کی خدمت میں بعد تسلیم التماس ہے کہ ملاقات نامہ آیا شکر گزار فرمایا

مصرعہ- ہر چہ از دوست می رسد نیکوست ——— اپنی بے جرمی کی کیفیت اور اس امر ماہی انواہی سے اطلاع نہ دینے کی علت اور کسی وقت پر موقوف۔ اصل مطلب سنیے کہ عرضی شدّت انتظار میں پہنچی، میں اگرچہ بیمار تھا، اور درد شانہ و بازو و پشت میں بے قرار تھا مگر اسی وقت دربار گیا اور حضور میں اس کو پیش کیا ملاحظہ ہو جو کچھ زبانِ فیض ترجمان سے ارشاد ہوا حاصل اس کا یہ ہے کہ پہلے بھی انتساب کا یقین نہ تھا اور اب تو وہم بھی نہ رہا، رنجوری و دردمندی کے عذر سے یہ فراغت نامہ مختصر دربار سے اٹھ کر لکھ بھیجا تا کہ خاطر عاطر سے نگرانی جائے، نیازمند کو آپ اپنا خیر اندیش خاص تصور فرمائیں اور حتی الامکان کسی موقع پر کسی پہلو تہی کرنے کا احتمال دل میں نہ لائیں فقط ۱۲ ستمبر ۹۸ء

ہمہ راقم

و یک بیت بست و هفت جز (۷) نظم و نثر فارسی دارد و مبتاد و یک جز (۸) ہفت
مصطلحات اردو یک صد جز (۹) کتاب در قواعد نظم و نثر فارسی ہفت جز
سه کتاب چهل جان دو قالب طبع در آماده اند
نمبرا- مثنوی سعدبن اردو (۲) تاج المدائح فارسی نظم و نثر در مدح والی رامپور
(۳) مثنوی در محامد والیۂ بھوپال-

مندرجہ بالا تخلیقات یکم ستمبر ۱۸۸۲ء کے بعد سے اپریل ۱۸۸۷ء تک کی کوشش فکر اور طبع آزمائی کا نتیجہ تھیں۔ حضرت تسلیم کی قادر الکلامی اور پختہ مشقی کے ثبوت میں محولہ بالا فہرستِ کتب کوزۂ دریامہ آغوش کی حیثیت رکھتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان کتابوں کا کیا حشر ہوا؟

اس سلسلہ میں میرا یہ خیال ہے کہ غالبًا یہ تمام ذخیرہ بھی نذرِ آتش کر دیا ہوگا اس خیال کی تائید نواب شمشیر بہادر صاحب اخگر رئیس رجب گڑھ کے ایک خط مطبوعہ ماہنامہ مخزن دہلی بابت ماہ مئی ۱۹۰۹ء سے ہوتی ہے۔ موصوف کے خط کے مندرجہ ذیل اقتباس میں مستذکرہ کتب لغت سے مذکورہ بالا کتاب بہارِ ہند مصطلحات اردو کی طرف خیال منتقل ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ اس سے قبل جلائی گئی تصانیف کی فہرست میں کتب لغت کے متعلق کوئی واضح اشارہ نہیں ملتا۔

جناب اخگر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ منشی انوار حسین صاحب مرحوم تسلیم سہسوانی نے دو صندوق کتابوں سے بھرے ہوئے جو کہ خاص انھیں کی تصانیف و تالیف تھیں جلا کر خاک کر دیئے ان میں سے بعض کتاب ایسی بے مثل و لاجواب تھی کہ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی، ایک تو صرف و نحو کی اور دو لغت کی۔ اگر یہ شائع ہو جاتیں تو ملک کو بہت فائدہ پہنچاتیں۔ میں نے اور پنڈت بنواری لال نے پوچھا تھا کہ منشی صاحب

ایسا کس واسطے کیا جاتا ہے کہنے لگے ارے بھائی اتنا روپیہ کہاں سے لاؤں گا جو انھیں شائع کراؤں ... !

تاریخ گوئی

تاریخ گوئی میں تسلیم کو خاص کمال حاصل تھا، اُنھوں نے اپنا زیادہ تر زورِ فکر اسی فن پر صرف کیا ہے۔ اور دراصل اسی فن کی وجہ سے علمی و ادبی حلقوں میں اُن کی شہرت و مقبولیت عام ہوئی۔ آپ جیسے باکمال اور مشّاق تاریخ گو کی نظیر ملنا ناممکن نہیں تو دُشوار ضرور ہے۔ صدہا لوگوں نے اس فن میں آپ سے استفادہ کیا ہے اور آپ کے مشوروں سے فیض اٹھایا ہے "ملخص تسلیم" اس موضوع پر آپ کی عدیم المثال اور جامع و مبسوط تصنیف ہے، یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں فنِ تاریخ گوئی کے قواعد اور اصول و مبادیات سے بحث کی گئی ہے۔ اور متنازع فیہ مسائل کو فاضلانہ اور عالمانہ طور پر فیصل کیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ چند دو چند مثالوں کے ذریعے ہر بات کی اس طرح وضاحت کی ہے کہ بآسانی قارئین کے ذہن نشین ہو جائے۔ دوسرا حصّہ مصنّف کے طبع زاد اختراعات و ایجادات پر مشتمل ہے۔ منشی صاحب کا دعویٰ ہے کہ :-

"در فنِ تاریخ گوئی دو نیز در نظم و نثر، بسیار قاعدہ متخرجہ طبع من است ممکن نیست کہ در بطلانِ دعویم مدعی کتابے در سند آرد"

تسلیم کی زود گوئی اور مشّاقی کی چند مثالیں ان کے اسی مجموعہ ملخص تسلیم میں اہلِ ذوق ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

افسوس کہ علم و ادب کی یہ شمع ۸۰ سال تک گل افشانیاں کرنے کے بعد ۱۲ شوال ۱۳۰۹ ہجری مطابق ۹ مئی ۱۸۹۲ء کو ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئی۔ تسلیم کی موت کوئی معمولی سانحہ نہ تھا ملک کے گوشے گوشے میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اکثر و بیشتر مشاہیر شعراء اور آپ کے احباب و تلامذہ نے تاریخیں کہیں جن کا مجموعہ "یادگارِ غم" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

Marfat.com

کتاب نظم الورع

۱۲۹۷ھ

کتاب نظم الورع کا سال تصنیف خود اس کے تاریخی نام سے ظاہر ہے لیکن یہ کتاب بمبئی کے مطبع حسینی میں ۱۳۰۱ میں طبع ہوئی۔ مصنف کا نام ہے" ابوالرجا فقیر محمد عزیز الدین متوطن بہاولپور"، یہ قصیدہ بردہ تضمین ہے، صرف عربی تضمین ہی نہیں بلکہ اس کے بعد فارسی، اردو اور ریاستی زبان میں بھی ترجمہ (نظم مخمس میں موجود ہے) جناب طالوت ملتانی نے اس کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے جریدہ کائنات ہفتہ وار بہاولپور استقلال نمبر میں ایک نوٹ شائع کرایا جو حسب ذیل ہے۔

ایسی عجیب کتاب اور پھر اپنے قریب ہی کے ایک بہاولپوری فاضل کی دیکھ کر دل نے فیصلہ کیا جب ایسے لائق آدمی ہم میں موجود ہیں تو احساس کمتری میں گم ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ رگوں کے سامنے سر اٹھایا جا سکتا ہے۔ اب جستجو ہوئی کہ پتہ کیا جائے یہ فاضل کون ہیں۔ جنھوں نے عربی تخمیس کے بعد فارسی اردو اور ملتانی مخمسات بھی لکھیں۔ اور صرف قصیدہ بردہ پر اور اس کے ترجمے پر ایک سو تیرہ صفحے لکھ ڈالے مگر ٹائیٹل کی اس عبارت کے سوا جو نقل ہو چکی ہے اور آخر کی ان چار سطروں کے سوا جو آگے نقل کی جا رہی ہیں۔ اور کچھ بھی پتہ نہ چل سکا۔ کہ مصنف کون ہیں۔ اور ان کا مقام اپنے معاصرین میں کیا تھا۔ آخر کی چند سطریں ملاحظہ ہوں :

مخمس قصیدہ معتبر کہ بردہ کہ اسم تاریخش" نظم الورع" است از تالیف احقر العباد ابوالرجا المدعو بعزیز الدین جعلہ اللہ کاسمہ بتاریخ ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۹۷ سنہ ہجری بروز جمعہ بعد از زوال در بلدہ بہاولپور باختتام رسید، فتقبل منی انک انت السمیع العلیم وصلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

نظم اور تخمیس کی روانی بھی ذرا ملاحظہ فرمایئے، پہلے عربی تضمین ہے —

یا ساھر اللیل من حزن و من السم — یا نا قد العیش من ضر و من سقم

ماذا اعتراک من البلوی و من نقم — امن تذکر جیران بذی سلم

مزجت دمعا جرى من مقلة بدم

اب فارسی ترجمہ ملاحظہ ہو :

اے کہ بیدار است شبہا چشمت از حزن والم
ایکہ گم کردی فراغ عیش از درد وستم

چیست لاحق گشتہ حالت را ز طول دز نقم
یا ز یادِ صحبت ہمسائیگان ذی سلم

اشکہا ریزی ز چشم آمیختہ با خون بہم

اردو ترجمہ اس کا اس طرح کیا ہے :

کیوں جاگتا ہے راتیں، پڑا دل پہ کیا الم
گم عیش ہے ترا سبب غلبہ سقم

کیا بن رہی ہے جان پہ ترے باعث نقم
کیا یاد کر کے صحبت یاران ذی سلم

روتا ہے اشک خون جگر سے ملا بہم

ملتانی زبان کا ترجمہ حسب ذیل ہے :

درد فراقوں راتیں تینوں ہر گز نیند نہ آئے
رنج والم تے غلبہ کر کے سبھی عیش گنوائے

آکھہ دیکھاں کی گذریا جو مدت صدمے سخت اٹھائے
جان جان ذی سلم دی دل وچ یاد کریں بہلائے

اکھ تیری رت ہنجو دا اک بہاری مینہ وسائے

ذاتی طور پر میں ایک مولوی عزیز الدین صاحب کو جانتا ہوں جو حضرت خواجہ غلام فرید صاحب قدس سرہ العزیز کے ہمعصر تھے اور خواجہ صاحب رح کی وفات سے بعد تک زندہ رہے جو شاید والئی بہاولپور کی بارگاہ میں محض اپنی خوشنویسی کیوجہ سے بار پائے ہوئے تھے الیسا ممکن ہے کہ یہ وہی مولوی عزیز الدین ہوں۔ اگر دونوں صاحب ایک ہیں تو اگلے وقتوں کے خوشنویسوں پر رشک کرنا چاہیئے کہ وہ کس قدر فاضل و علامہ ہوتے تھے۔ ایک خوشنویس آج ہیں کہ دو سطریں صحیح نقل کرنے سے بھی عاری ہیں اور ایک خوشنویس وہ تھے کہ عربی، فارسی، اردو اور ملتانی چاروں زبانوں میں قلم بر داشتہ نظم و نثر پر قدرت تھی۔ بہرحال مولینا کی کتاب کا مختصر سا تعارف کرانے کا مقصد یہ ہے کہ کوئی صاحب ان کے حالات سے بھی ہمیں مطلع فرمائیں طالوت صاحب کا یہ نوٹ مجھے حیات عزیزیہ کے مقالہ کے خاتمہ پر نقل کرنا چاہیئے تھا لیکن میں تحقیق

رتا رہا کہ حضرت مولانا عزیز الدین کے احباب سے اس کتاب کے متعلق کچھ مزید معلومات حاصل ہو سکیں۔ یہ کتاب حضرت مولانا کے غیر مطبوعہ قلمی مسودات کے ساتھ راقم الحروف کو ملی تھی اس کتاب کا ایک نسخہ مولانا کے قلبی دوست اور ہمدم مولانا غلام غوث غلامی مرحوم و مغفور مصنف فارسی مثنوی فیروز نامہ کے پاس بھی موجود تھا جس کے صفحہ اول پر مولانا عزیز کے دستخط ہیں۔

عزیز الدین عفی عنہ، بچپن میں کبھی خیال نہ آیا، اب جبکہ یہ نوٹ شائع ہوا تو معاً مجھے مولانا غلامی مغفور کا نسخہ یاد آگیا۔ لیکن افسوس کہ مولانا غلامی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ حضرت مولانا عبدالمالک (جو ریاست میں پہلے پہل ایک چھوٹے عہدے پر لئے گئے تھے۔ اپنے بے پناہ علم و فضل کی بنا پر ریاست کے مشیر مال کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے) وہ مولانا مرحوم کے دلی دوست اور ہمعصر شاعر بھی تھے۔ دراصل مولانا ہی نے ان کو بہاولپور ملازمت کے لئے بلوایا تھا۔ حضرت مالک اور مولانا عزیز اکٹھے بہاولپور میں سالہا سال تک ہم صحبت رہے ہیں ان کے پاس ان کے آبائی گاؤں موضع کھوڑیاں ضلع گجرات میں گیا۔ لیکن افسوس ہے کہ میرے وہاں جانے سے قبل وہ بھی عازم خلد بریں ہو چکے تھے۔ مولانا عبدالمالک کے بڑے فرزند عبداللہ خاں صاحب ملتان میں بیرسٹر تھے۔ اور ان کے چھوٹے صاحبزادے اختر علی بہاولپور میں ڈپٹی کمشنر تھے جو بعد میں ایم این اے ہو گئے تھے۔ لیکن یہ بزرگ صرف مولانا عزیز کے کمالات و فیوض میں رطب اللسان تھے لیکن ان کے کلام سے متعلق کوئی تحقیقی رائے نہ دے سکے۔ مولانا عزیز الدین رح بہاولپوری زبان پر قادر تھے اور حضرت فریدؒ کی دوستی اور صحبت میں شعر و شاعری کا چرچا بھی رہتا تھا اور انہی کے رنگ میں متصوفانہ شعر بھی کہتے تھے۔ نظم الورع کے اشعار کو ان سے منسوب کرنا مستبعد نہیں ہو سکتا۔ لیکن راقم الحروف یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے مصنف مولانا مغفور ہی تھے۔ ممکن ہے مولوی عزیز الدین کوئی اور بزرگ ہوں جو شاعر مرحوم کے ہمعصر ہوں۔ لیکن اگر قادر الکلام ہمہ صفت موصوف شاعر دورِ صادقیہ میں گزرا ہے تو نواب مرحوم کے ذاتی کتب خانہ و نوادرات خطاطی و قصائد مدحیہ میں ضرور ان کا کوئی قصیدہ ہی مل جائے گا۔ کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ ایک بہاولپوری فاضل اور شاعر کامل دربار صادقیہ کی توصیف و مدح سے عاری ہو وہ دربار جو اہل فن کی پوری قدر دانی میں سارے مغربی پاکستان میں منفرد تھا۔ عادت صاحب کا اشارہ انہیں مولانا عزیز الدین کی طرف ہے۔

Marfat.com

طالوت صاحب جیب مولانا عزیز الدین عزیز مغفور کے یہ حالات زندگی مطالعہ فرمائیں گے جن کا انھیں یقیناً پہلے علم نہیں تو شاید وہ ان کمالات علمی کے معترف ہو جائیں، بہرحال جب تک مزید تحقیق نہ ہو نظم الورع بھی۔ مولانا عزیز کی تصنیف علمی و ادبی قرار دی جائے گی۔

تمت بالخیر

کتب جن سے استفادہ کیا گیا

١۔ قرآن مجید مطبوعہ بجنور و مطبع مجیدی و قرآن کریم مترجمہ حضرت شیخ الہند

٢۔ سائیکلوپیڈیا برٹینکا

٣۔ تفسیر حسینی مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۷۳ء

٤۔ تفسیر از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح

٥۔ ترجمان القرآن جلد دوم مطبع مصطفائی لاہور

٦۔ مروج المذہب از مسعودی

٧۔ تاریخ مراقش و مغرب الاقصیٰ، مترجمہ مولوی انشا اللہ خاں مرحوم

٨۔ بطل مغفور مرتبہ چودھری عبدالحمید خاں مرحوم ڈپٹی رجسٹرار

٩۔ افادہ تاریخ از جلال لکھنوی

١٠۔ ملخص تسلیم از منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی

١١۔ کان تاریخ ١٢۔ ہزار پیشہ مطبوعہ ایران

١٣۔ گنج تاریخ ١٤۔ دائرۃ المعارف

١٥۔ سرور مینی ١٦۔ ام التاریخ

١٧۔ Book of Numbers

١٨۔ مناجات مقبول مطبوعہ مجیدی کان پور

١٩۔ دعائے حزب البحر ٢٠۔ رسالہ عالمگیر ماہ مارچ ۱۹۲۷ء

21- ONE TWO THREE INFINITY

WUR BALL ESSAYS.

22- RTHELS NUMBER NAME AND COLOURS

23- GOD COUNTS BY FILMER.

24- CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA

25- DARBUCHDES 1000 WONDER

26- THE NEW PICTURE ENCYCLOPEDIA

27- LITERARY HISTORY OF PERSIA BY E. BROWNE

28- DR. M.A GHANI'S HISTORY OF PERSIAN LANGUAGE

29- PRACTICAL ASTRONUMEROLUGY BY V.G RELE

30- PREDICTION ANNUAL

• تذکرہ علمائے ہند • گنج تاریخ سروری

• رسالہ سراج الہدایہ مطبوعہ فیض عام دہلی

• رسالہ پھول و بہار لاہور، فروری ۱۹۶۱ء

• رسالہ العجائب مطبوعہ ۱۹۱۷ء از خان بہادر شمس العلما مولوی محمد حسین مرحوم و مغفور، پروفیسر فورمن کرسچین کالج لاہور

• صادق الاخبار بہاولپور، ۲۶ جولائی ۱۸۸۸ء

• روض الریاحین، ملفوظات حصہ ششم حضرت تھانوی

• خطوط غالب از مولانا مہر رسالہ ماہ نو کراچی جنوری ۱۹۶۹

• اقبال نامہ جہانگیری از ابوالحسن معتمد خاں

Marfat.com